Revised Edition

تلاشِ حقیقت

IN SEARCH OF REALITY

Metaphysics Begins Where Physics Ends

اٹامک سائنٹسٹ انجینئر
سلطان بشیر محمود (ستارہ امتیاز)

Revised Edition

تلاشِ حقیقت

IN SEARCH OF REALITY

Metaphysics Begins Where Physics Ends

امر → مابعدالطبیعیات | طبیعیات → واقعات
Amr → Metaphysics | Physics → Events

نیوکلیئر سائنٹسٹ، انجینئر سلطان بشیر محمود (ستارہ امتیاز)
(سابق ڈائریکٹر جنرل پاکستان اٹامک انرجی کمیشن)

تحریکِ نور

انسانیت کی سب سے بڑی خدمت یہ ہے کہ اسے جہنم سے بچالیا جائے یہ تمام انبیاء علیھم السلام کی رسالت کا مقصد تھا اور مومنین کے لئے یہ اعلیٰ ترین صدقہ جاریہ ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب یعنی قرآن مجید کے مضامین سے دنیا کو روشناس کرایا جائے اور عملی نمونہ کے طور پر خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کو پھیلایا جائے۔ چونکہ لوگوں کے پاس وقت نہیں اور وہ وعظ و نصیحت بھی پسند نہیں کرتے اس لئے فی زمانہ زیادہ مناسب طریقہ یہ ہوگا کہ کتاب کے ذریعہ خواہ وہ کاغذ پر ہو یا کمپیوٹر پر، لوگوں تک پیغامِ حق کو مسلسل پہنچایا جائے۔ حکم ربی ہے: **فانما عليك البلاغ وعلينا الحساب** "پس تم پر (دوسروں تک اللہ کے پیغام کو) پہنچانا ہے اور ہم پر (سب کا) حساب لینا ہے"۔

رسائل کے ذریعہ تبلیغ کا آغاز جناب خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صلح حدیبیہ کے بعد کیا اور اپنی حیات طیبہ میں 250 سے زیادہ خطوط لکھے۔ افسوس کہ آج مسلمان اس اہم سنت کو نظرانداز کئے ہوئے ہیں جبکہ عیسائی مشنریاں کتب و رسائل کے ذریعہ دنیا بھر میں مغربی تہذیب کو پھیلا رہی ہیں۔ خصوصاً 9/11 کے بعد ان کوششوں میں بے پناہ اضافہ ہوا ہے اور دجالی ہراول دستے دنیا کو مسلسل گمراہ کر رہے ہیں اور اسلام کے خلاف سازش پر سازش ہو رہی ہے۔ ان حالات میں تبلیغ اسلام کا کام ہر مسلمان مرد اور عورت پر مانندِ جہاد فرض ہے۔

اس فرض کی تکمیل میں القرآن الحکیم ریسرچ فاؤنڈیشن 1986ء سے دورِ حاضر کے انسان کی سائیکی کے مطابق سائنس اور قرآن کریم کے حوالہ سے لٹریچر تیار کر رہا ہے۔ انہیں خود پڑھیں، دوسروں کو پڑھائیں اور گفٹ کے طور پر آگے پیش کریں۔ لیکن اس فرض کی صحیح ادائیگی اس وقت ہوگی جب آپ اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اسلامی لٹریچر کی تقسیم کے ذریعہ دنیا کو اپنے رب کے نور سے روشن کرنے کے عمل میں حصہ دار بن جائیں گے۔

لہٰذا آپ سے درخواست ہے کہ تبلیغ اسلام کے لئے تحریکِ نور کے مستقل ممبر بن کر فری لٹریچر تقسیم کرنے میں مدد کریں۔ دارالحکمت انٹرنیشنل اپنے ممبران کو فری تبلیغی لٹریچر مہیا کرتا ہے، اور ممبران قیمت کی بجائے حسب توفیق اپنے عطیات (Darul Hikmat International) میں اس کام کو جاری رکھنے کے لئے اپنا حصہ ڈالتے رہتے ہیں یقیناً یہ بہت بڑی نیکی کا کام ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ اس شخص سے بہتر بات کس کی ہوگی جو اللہ تعالیٰ کی بات کو پھیلاتا ہے۔

دارالحکمت انٹرنیشنل

C-60، ناظم الدین روڈ، F-8/4، اسلام آباد   Tel: 2264102-2260001

Web:- www.darulhikmat.com   E-mail:- sbmahmood1213@yahoo.com

تلاشِ حقیقت

IN SEARCH OF REALITY

نیوکلیئر سائنٹسٹ، انجینئر **سلطان بشیر محمود** (ستارہ امتیاز)

(سابق ڈائریکٹر جنرل پاکستان اٹامک انرجی کمیشن)

کتاب	تلاشِ حقیقت
مصنف	سلطان بشیر محمود (ستارہ امتیاز)
پبلشر	دارالحکمت انٹرنیشنل، 60-C ناظم الدین روڈ، F-8/4، اسلام آباد
کمپیوٹر کمپوزر	مس شبانہ شاکر، ملک وقار حسین، حافظ محمد ندیم مجددی
پہلا ایڈیشن	فروری 2006 تعداد: 2000
دوسرا ایڈیشن	مئی 2007 تعداد: 2000
تیسرا ترمیمی ایڈیشن	اپریل 2008 تعداد: 2000
چوتھا ترمیمی ایڈیشن	نومبر 2010 تعداد: 1000
پرنٹر	
نفس مضمون	ابتدا سے انتہا تک کائنات کا سفر، انسان کی حقیقت، مقصد حیات اور حقیقت اولیٰ
قیمت	-/200 روپے

انتساب

بی بی جی مرحومہ کے نام جن کی گود میں کوّے اور چڑیا کی کہانی سے میں نے حقیقت کی تلاش کے سفر کا آغاز کیا۔ اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو اپنے نور سے بھر دے۔ کیا خوب ماں تھی ، ہر ماں کی طرح ۔۔۔ مائیں جن کی محبت کی روشنی زندگی کے سفر کو بہت آسان بنا دیتی ہے۔

آسماں تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے

سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

اور

اپنے عزیز دوست **شیخ محمد طفیل** کے نام جن کی معیت میں تلاشِ حقیقت کا یہ سفر جاری تھا کہ وہ یکم فروری 2006 کو بن بتائے انتہائی خاموشی سے اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ شیخ صاحب بلاشبہ مومن کی خصوصیات، ذکر، فکر اور تسخیر کا مجسم پیکر تھے۔ اللہ تعالیٰ درپیش سفر آسان فرمائے اور انہیں اپنی آغوش رحمت میں جگہ دے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

رَبِّ اَرِنِیْ حَقَائِقَ الْاَشْیَاء

اے میرے رب مجھے چیزوں کی حقیقت دکھا!

فکر و نظر

حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں:

سَاعَۃ مِنْ عَالِمٌ یَتَّکِیءِ عَلٰی فَرَاسِتِہٖ یَنْظُرُ فِیْ عِلْمِہٖ خَیْرٌ مِّن عِبَادۃِ العَابِدِ سَبْعِیْنَ عَاماً

عالم کی وہ گھڑی جس میں وہ اپنے بستر پر ٹیک لگائے اپنے علم میں فکر و نظر کرے، ایک عابد کی ستر سال کی عبادت سے بہتر ہے۔

(حوالہ طبری تفسیر مجمع البیان)

تفسیر نمونہ صفحہ 275 جلد دوم

فہرست مضامین

صفحہ نمبر	مضامین	نمبر شمار

چوتھا ترمیمی ایڈیشن

جس طرح کتاب، ''تلاشِ حقیقت'' کی پذیرائی ہوئی اور قارئین کرام نے مصنف کی حوصلہ افزائی فرمائی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ حقیقت کتنی حسین ہے۔ اپنی آراء کے علاوہ قارئین نے پروف ریڈنگ اور زبان دانی کی غلطیوں کی طرف بھی توجہ مبذول کرائی۔ اس سلسلہ میں جناب محمد اسلم صاحب، طارق مسعود صاحب اور حاجی رضا احمد صاحب اور ملک مسعود گل کی محنت کی دل سے داد دیتا ہوں۔ منیر احمد جوندا صاحب اور ملک مسعود گل نے نہ صرف زباندانی کے سقم کو دور کرنے کی کوشش کی بلکہ مضمون کو علامہ اقبال کے شعروں سے موقع محل کے مطابق زینت بخشی۔ شبانہ شاکر اور حافظ محمد ندیم مجددی نے بڑی احتیاط سے تلاشِ حقیقت کو دوبارہ ٹائپ کیا۔ خوشی کی بات یہ ہے کہ کتاب ہٰذا کے دوسری زبانوں میں ترجمے بھی شروع ہو چکے ہیں تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ تلاشِ حقیقت میں اسلام کے نکتہءنظر سے استفادہ کر سکیں۔ اس سلسلہ میں جناب فرحان زین العابدین انگلش میں، جناب محمد نیاز قریشی صاحب جرمن زبان میں اور جناب محمد اسلم صاحب اپنے جاپانی دوستوں سے مل کر اس کا جاپانی زبان میں ترجمہ کروا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کرے ان دوستوں کی کوششیں کامیاب ہوں۔

چوتھے ترمیمی ایڈیشن میں مندرجہ ذیل مضامین پر خصوصی توجہ دی گئی؛

زمان و مکاں کی حقیقت، پری بگ بینگ کی دنیا، طبیعیات اور مابعد الطبیعیات کے درمیان تعلق، ماورائی مخلوقات کی حقیقت، عمل اور تقدیر کا ساتھ مصائب کی حقیقت اور انتہا سے لا انتہا تک انسان کا مسلسل سفر۔ وغیرہ

ان کے علاوہ بھی جہاں جہاں ضروری سمجھا گیا قارئین کی سہولت کے لئے مختلف مضامین کو مزید کھول کر بیان کر دیا گیا ہے۔ امید کی جا سکتی ہے کہ اپنی موجودہ شکل میں تلاشِ حقیقت پر یہ کتاب بہت ساری الجھنوں کو دور کر سکے گی اور ہماری اپنی حقیقت کے متعلق سوالات جن پر موجودہ سائنس ابھی تک خاموش ہے اور مذہبی حلقے بھی واضح رائے نہیں رکھتے ان کے جوابات معلوم کرنے میں مشعل راہ ثابت ہو گی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں حقیقت شناس بنا دے۔

سلطان بشیر محمود (ستارہ امتیاز)

اسلام آباد (20-10-2010)

تعارف

جن دنوں محترم سلطان بشیر محمود صاحب نے اپنی کتاب ''تلاشِ حقیقت'' کا مسودہ پروف ریڈنگ کے لئے مجھے دیا میں کچھ دوسرے کاموں میں کافی مصروف تھا اور ویسے بھی آج کل میں قرآن کریم کے علاوہ دوسری تحریروں کو کم ہی پڑھتا ہوں لیکن جب ورق گردانی کے لئے اسے کھولا تو پھر واپس نہ رکھ سکا۔ یہ وہی چیز تھی جس کی مجھے تلاش تھی۔ مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے یہ کتاب فرمانِ الٰہی ''عنقریب ہم انہیں اپنی نشانیاں (آیات) آفاق میں اور ان کے انفاس میں دکھائیں گے تاکہ ان پر ثابت ہو جائے کہ یہ قرآن حق ہے'' سورۃ حم السجدہ، آیت، 53 کی سائنسی تفسیر ہے۔ مصنف کے نزدیک سائنس اور مذہب دونوں کا مدعا تلاشِ حقیقت ہی ہے۔ سائنسدان سائنس کے ذریعہ سچائی کو پانے کی جستجو کر رہا ہے اور صوفی وجدان کے ذریعہ وہاں پہنچنا چاہتا ہے۔ خود مصنف بیک وقت سائنسدان بھی ہے اور صوفی بھی۔ یوں ایک طرح سے ''حقیقت کی تلاش'' ان کے اپنے سفر ہی کی داستان ہے۔ کتاب میں انہوں نے بِگ بینگ (Big Bang) سے لے کر انتہائے کائنات تک کے سفر کا احاطہ کیا ہے، ایٹم کے اندر کے رازوں کو آشکار کیا ہے اور قدرت کی بنیادی اکائیوں سے پردہ اٹھایا ہے۔ وہ یہ ثابت کرتے ہیں کہ کائنات اور مافیہا دراصل امرِ ربی ہی کی مختلف اشکال ہیں۔ انہی میں انسانی روح بھی شامل ہے، لیکن انتہائے حقیقت اللہ تعالیٰ کی اپنی ذات پاک ہے جس کا مظہر کائنات کا ذرہ ذرہ ہے۔ میں محسوس کرتا ہوں سلطان بشیر محمود کی تلاشِ حقیقت زمان و مکان میں انسان کے سفر کا حقائق نامہ ہے اور اس سفر میں سے بخیر و عافیت گزر کر اپنی گم کردہ جنت کو پانے کے لئے رہنما (Guide Book) ہے۔ مصنف نے جس مہارت سے انتہائی دقیق مسائل کو سہل ترین زبان میں بیان کیا ہے اسے پڑھ کر قاری یہ محسوس کرتا ہے کہ یہ تو میرے ہی دل کی بات کہی ہے۔ میں چاہوں گا کہ اس کتاب کے انگریزی اور عربی تراجم ہوں تاکہ انسان اسلام کی ابدی سچائیوں اور سائنسی دریافتوں کے حوالہ سے جلد از جلد حق کو پا سکے۔

عقل قدرت کا بہت بڑا تحفہ ہے اور علم کے لئے سواری ہے۔علم ہو اور عمل بھی ہو تو راستہ آسان۔سلطان بشیر محمود صاحب نے صوفیانہ انداز میں سائنس کو اس طرح رنگ دیا ہے کہ میرے جیسا کم علم آدمی بھی اس مختصر کتاب ''تلاشِ حقیقت'' سے بہت مستفید ہوا ہے۔

اس کتاب میں انہوں نے ذکر،فکر اور تسخیر کے حوالہ سے جس طرح مومن کی شان کی تعریف کی ہے اس کا سمجھنا آج کل کے مسلمانوں کے لئے نہایت ضروری ہے۔ذکر،شیطان کی تمام وارداتوں کو ناکام کرتا ہے،فکر روحانیت کو بلندی کی طرف لے جاتا ہے اور عمل تسخیر کی راہ کھولتا ہے تلاشِ حقیقت میں ذکر،فکر اور تسخیر یہ تینوں مومن کا سرمایہ اور ترقی کے اسباب ہیں۔

مصنف کی اس کوشش نے ہمارے لئے بہت سی آسانیاں پیدا کر دی ہیں۔اس طرز کی کتاب کم ہی نظر سے گزری۔دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے اور ہماری سمجھ میں وسعت پیدا کرے۔

آمین

شیخ محمد طفیل

جنوری 2006،لاہور

پیشِ لفظ

حقیقت ماوریٰ کے پردے میں چھپی پڑی ہے۔قرآن مجید میں اسی لئے شاید عالم الغیب پر ایمان کواسلام کی لازمی شرط قرار دیا ہے۔(سورۃ البقرہ،آیت2)۔بہرحال اس کا ایک قدم طبیعیات کی دنیا میں ہے اور ایک قدم مابعد طبیعیات یا روحانی دنیا میں ہے۔سائنس نے طبیعیات میں اسکی تلاش کی ہے اور کہیں سے کہیں پہنچ گئی ہے۔مذاہب عالم نے مابعدالطبیعیات کو اپنی تلاش کی جولان گاہ بنایا اور بہت کچھ دریافت کیا۔لیکن پوری حقیقت تک رسائی کیلئے دونوں ہی میدانوں میں تلاش ضروری ہے۔آج سے ساڑھے چودہ سو سال پہلے قرآن کریم نے یہ بات واضح کی کہ خالق کی تلاش مخلوق میں کرو۔''تلاشِ حقیقت'' قرآن کریم کی اس فلاسفی کے مطابق سائنس اور مذہب دونوں کی روشنی میں حقیقت کے ادراک کیلئے انسانی سفر کی داستان ہے۔

درحقیقت یہ ایک مسلسل سفر ہے جس کی کوئی حد نہیں۔اس کا مقصد حق یعنی سچ تک پہنچنا ہے۔چونکہ انتہائے حق،حق تعالیٰ کی ذاتِ پاک ہے اس لئے حقیقت کی انتہا بھی وہی ہے لیکن انسانی عقل وہاں تک پہنچنے سے قاصر ہے۔وہاں کے نور کا سامنا کرنا بصارت اور بصیرت دونوں کیلئے ناممکن ہے۔شاید یہی وجہ ہو کہ سائنس نے تلاشِ حقیقت کے سفر کو طبیعیات کی حد تک محدود کر دیا ہے اور مابعدالطبیعیات کو پیراسائیکالوجی (Para psychology) کہہ کر چھوڑ دیا ہے۔حالانکہ جدید سائنس بھی سچ کی تلاش میں ہے اور مذہب کا مقصود بھی یہی ہے۔فرق ذرائع میں ہے۔سائنس تجربہ (Experiment) اور حساب (Methamatics) کے بل پر یہ سفر طے کرنا چاہتی ہے اور یوگ (Mystic) ادراک پر سوار ہو کر منزل تک پہنچنے کے لئے بیتاب ہے۔جب کہ مومن کا راستہ ان دونوں کے بین بین ہے۔وہ ادراک اور عقل دونوں کے استعمال کو مسافر کیلئے ضروری قرار دیتا ہے۔

قرآن کریم نے ساڑھے چودہ سو سال پہلے اسی بات کی پیشگوئی کی تھی کہ:۔

سَنُرِيهِمُ اٰيٰتِنَا فِى الْاٰفَاقِ وَفِيٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ط

''عنقریب ہم انہیں آسمانوں میں اوران کے نفوس کے اندر اپنی ایسی ایسی نشانیاں دکھائیں گے کہ ان پر ظاہر ہو جائے گا کہ یقیناً وہ حق ہے۔'' (سورہ حٰم السجدہ، آیت 53)

موجودہ دور شاید وہی دور ہے جس کی آیت مبارکہ میں پیشگوئی کی گئی ہے۔ اس وقت انسانی جینز (Genes) پر جو تحقیقات ہو رہی ہیں وہ انسان کی روحانی شخصیت پر سے بھی پردہ اٹھا رہی ہیں۔ ایٹم کے باطنی ذرات (Particles) اور کائنات کی بنیادی قوتوں (Fundamental Forces) پر جو کام ہو رہا ہے وہ ثابت کر رہا ہے کہ حقیقت کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن ہے۔ جب کہ انتہائے حقیقت لازمی غیر مادی امر (Metaphysical) ہے جو کائنات کے آغاز اور ارتقاء کے پیچھے کارفرما ہے اور یوں ''کن'' کے حکم پر وہ فیکون ہوگئی۔

قدرت اللہ نے دُنیا میں کیا کیا کر دیا !!
ایک حرف ''کُن'' سے دو عالم کو پیدا کر دیا

کائنات کا ارتقاء ایک جامع حسابی ڈیزائن کے تحت ہوا ہے جو چند بنیادی قوانین اور اعداد پر قائم ہے۔ غرض کائنات کا ذرہ ذرہ پکار کر کہہ رہا ہے کہ مادہ آخری حقیقت نہیں بلکہ آغاز حقیقت ہے اور پوری کائنات اپنے خالق کی مدح میں نغمہ سرا ہے۔ آپ اسے کوئی سا نام دے دیں۔ اللہ کہیں یا God کہیں اور اگر یہ پسند نہیں تو نیچر (Nature) کہہ لیں۔ کچھ بھی کہہ لیں زمان و مکان (Time - Space) اس سے ہیں اور وہ ماورئ مسلسل بر سرِ عمل ہے۔ وہی مسبب الاسباب بھی ہے اور سب کا اول اور آخر بھی ہے

یہ کتاب ان چند لیکچروں پر مشتمل ہے جو میں نے ایمز سکول سسٹم (Aims School

(System)، کے پرنسپل جناب الماس ایوب صاحب کی دعوت پر ان کے سکول کی لیڈیز ٹیچرز کو اکتوبر 2004ء میں دیئے تھے۔ ٹیچرز کے بھرپور انہماک اور ان کے سوالات سے صاف ظاہر تھا کہ ہم میں سے ہر ایک حقیقت کا متلاشی اور اس راستے کا مسافر ہے لیکن حقیقت ایک ایسے سراب کی مانند ہے، جسے دنیا میں الجھ کر پانا محال ہے۔ مسافر کی انتہائی کامیابی منزل کی طرف رواں دواں رہنے ہی میں ہے۔ اس لئے سفر جاری رہنا چاہئے۔

ع ہر دم جواں، پیہم رواں ہے زندگی

میری یہ خوش قسمتی تھی کہ زندگی کے اس سفر میں اگر سائنس میرا پیشہ (Profession) تھا تو اسلام میرا راستہ (Road Map)۔ چنانچہ میں نے ان دونوں کی روشنی میں حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کی اور بہت کچھ دیکھا لیکن پھر بھی زندگی کی آخری منازل پر پہنچ کر یہی کہہ سکتا ہوں کہ حقیقت ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہے جب کہ میرے ہاتھ میں چند قطرے تھے جنہیں پا کر میں خوش تھا کہ سب کچھ پا لیا۔ زندگی کے اس مقام پر پہنچ کر معراج النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا راز بھی سمجھ آیا کہ حقیقت کے پورے ادراک کے لئے روشنی کی رفتار سے کہیں تیز تر رفتار سے زمان ومکاں کی سیر لازمی ہے جس کا شرف صرف ایک ہی بندے کو حاصل ہو۔ خاتم النبیین، رحمۃ اللعالمین، غایتِ کائنات، ومافیہا جن کی جوتیوں پر میرا سب کچھ قربان ہو، کائنات جن کی تعریف میں رطب اللّسان ہے۔ محمد، محمد، محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ اگر حقیقت کا دیدار چاہتے ہو تو وہی راہ ہے، وہی نشانِ منزل ہے اور وہی منزلِ مراد ہے۔

میں اپنے ساتھیوں اور اہل خانہ کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اس مشکل سفر میں میرا ساتھ نہ چھوڑا۔ جب کبھی میں تھک کر بیٹھ گیا انہوں نے آگے بڑھ کر سہارا دیا۔ شیطان نے جب بہکانا چاہا تو انہوں نے اس کے خلاف جنگ میں حوصلہ بڑھایا۔ ان میں شیخ محمد طفیل صاحب، محترم محمد حنیف صاحب، محترم جمیل اختر صاحب، محترم محمد اسلم صاحب اور محترم طارق مسعود صاحب نے اپنی قیمتی آراء سے نفس مضمون کو بہتر بنانے میں بھی بڑی مدد فرمائی۔ اللہ تعالیٰ ان سب کا بھلا کرے۔

آخر میں اپنی رفیقہ حیات کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے ہر طرح کے مشکل حالات میں نہ صرف مجھے برداشت کیا بلکہ بھرپور ساتھ دیا۔ جو انہوں نے دیکھا مجھے بتایا جو میں نے دیکھا انہیں بتایا اور یوں ہم ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے حقیقت کی تلاش میں آگے بڑھتے رہے۔ اب میں اپنے بیٹوں اور بہو بیٹیوں کے لئے دعا کرتا ہوں کہ وہ اس سفر کو میرے پوتے اور پوتیوں کے ساتھ ان گہرائیوں سے آگے جاری رکھیں جہاں سے ہم انہیں چھوڑ کر حقیقت کے سمندر میں غوطہ زن ہونے والے ہیں۔

رب ارنی حقائق الاشیاء

سلطان بشیر محمود

فروری 2006ء، اسلام آباد

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تَبٰرَکَ الَّذِیۡ بِیَدِہِ الۡمُلۡکُ ۫ وَ ہُوَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرُ ۨ O الَّذِیۡ خَلَقَ الۡمَوۡتَ وَ الۡحَیٰوۃَ لِیَبۡلُوَکُمۡ اَیُّکُمۡ اَحۡسَنُ عَمَلًا ؕ وَ ہُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡغَفُوۡرُ O الَّذِیۡ خَلَقَ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ؕ مَا تَرٰی فِیۡ خَلۡقِ الرَّحۡمٰنِ مِنۡ تَفٰوُتٍ ؕ فَارۡجِعِ الۡبَصَرَ ۙ ہَلۡ تَرٰی مِنۡ فُطُوۡرٍ O ثُمَّ ارۡجِعِ الۡبَصَرَ کَرَّتَیۡنِ یَنۡقَلِبۡ اِلَیۡکَ الۡبَصَرُ خَاسِئًا وَّ ہُوَ حَسِیۡرٌ O

ساتھ نام اللہ تعالیٰ کے جو الرحمٰن اور الرحیم ہے

بڑی برکت والا ہے وہ جس کے ہاتھ میں بادشاہی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے O وہ جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا، تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون اچھے عمل کرنے والا ہے اور وہ بڑا زبردست، بڑا معاف کرنے والا ہے O وہ جس نے سات آسمان بنائے طبق در طبق۔ کیا تو رحمٰن کی تخلیق میں کوئی کمی دیکھتا ہے؟ نگاہ اٹھا کر دیکھ، کیا تجھے کوئی نقص نظر آیا؟ O بار بار نگاہ پلٹا، بلاشبہ تیری نظر پلٹ آئے گی تیری طرف حیرت زدہ اور عاجز ہو کر (تجھے کوئی بے ترتیبی نظر نہیں آئے گی) O

(سورہ الملک، آیات، 1-4)

باب نمبر 1

تلاشِ حقیقت۔ ابتدائے سفر

ایک وقت تھا جب کچھ نہیں تھا۔ سارا وجود ایک لا وجود میں پنہاں تھا۔ حتیٰ کہ سائنس کہتی ہے کہ زمان و مکاں بھی نہیں تھے پھر اس کے مطابق ایک زبردست دھماکہ ہوا جسے بگ بینگ (Big Bang) کا نام دیا گیا ہے۔ قرآن کریم اسے 'امرِ کن' کہتا ہے اور پھر یہ کائنات پیدا ہو گئی۔ ستارے، سورج، زمین اپنے اپنے وقت پر ظاہر ہوتے گئے۔ بہت ہی کم وقت ہوا، ابھی کل ہی کی بات ہے کہ کائنات نے انسان کا ظہور دیکھا اور عجیب بات یہ ہے کہ اس سب سے آخر میں آنے والے نے کائنات کی حقیقت کو شک میں ڈال دیا۔ یہ ہمیشہ سے ایسے ہی چلی آ رہی ہے سب کچھ یہی ہے پھر سائنس نے دریافت کیا ایسا ممکن نہیں بلکہ کوئی پندرہ ارب سال پہلے اس کا آغاز ہوا یہ ایک حادثہ (Big Bang) کا نتیجہ تھا لیکن اس سے پہلے کیا تھا جس میں یہ حادثہ ہوا اور یہ حادثہ کس نے کیا؟ کیوں کیا؟ کیسے کیا؟ پھر اس مشکوک بحث میں انسان حقیقت سے بہت دور نکل گیا اور حقیقت بھی اس سے بہت دور ہو گئی۔ چنانچہ وہ ہمیشہ کے لئے ذہنی کشمکش (Confusion) کا شکار ہو گیا۔ اس کشمکش میں جب اس نے آسمانوں میں سورج کو دیکھا تو بولا یہ کیا ہے؟ جب کچھ سمجھ نہ آیا تو کہنے لگا شاید یہی میرا خالق ہو گا، سمندروں کو، آگ کو، درختوں کو، غرض جس چیز کو بھی دیکھا جب جواب نہ ملا تو اِن چیزوں کو اس نے خدا سمجھ لیا۔ اسکے ساتھ ساتھ ہی وہ یہ جاننے کے لئے بیتاب تھا کہ اسکی اپنی حقیقت کیا ہے؟ مرنے اور جینے کا کیا راز ہے؟ اسکا آغاز کیا تھا اور انجام کیا ہو گا؟ ہم کہاں سے آتے ہیں اور مر کر کہاں جاتے ہیں؟ خالق کائنات کی حقیقت کیا ہے؟ اچھا کیا ہے بُرا کیا ہے؟ جھوٹ کیا ہے سچ کیا ہے؟ وقت گذرتا گیا جوابات بھولتے رہے لیکن سوالات اپنی جگہ قائم رہے۔ ہمارا موضوع بھی ایسے ہی سوالات کو سمجھنے کی طرف ایک جستجو ہے۔

برٹش تاریخ دان اور مشہور مصنف تھامس کارلائل کے مطابق زیادہ عرصہ نہیں گذرا جب

یورپ کے لوگوں کا اعتقاد تھا کہ جب خداؤں کے درمیان لڑائی ہوئی تو ان میں سے ”یامر“ نامی خدا قتل ہو گیا۔ اسکے سر کی کھوپڑی سے آسمان بن گیا، خون کے چھینٹوں سے ستارے بن گئے، ہڈیوں وغیرہ سے زمین وجود میں آئی۔ ادھر مشرق میں ہندوستان کے باشندوں کا ایمان تھا کہ خدا کے سر سے برہمن، اس کے ہاتھوں سے کھشتری (فوجی) اسکے پیٹ سے ویش (کسان) اور پاؤں سے شودر (پیشہ ور) پیدا ہوئے۔ آسٹریلیا کے پرانے باشندے سمجھتے تھے کہ ہوائیں ان کے بزرگوں کے سانس لینے کی وجہ سے چلتی ہیں۔ غرض حقیقت کی تلاش میں انسان کا سفر مختلف ادوار سے گذرتا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ حقیقت کو واضح کرنے کے لئے اپنی طرف سے اپنے رسول اور انبیاء بھیجتا رہا ہے لیکن زیادہ تر انسانوں نے اپنی نا سمجھی کی بنا پر ان کا انکار کیا۔

درحقیقت، حقیقت Reality تک پہنچنا بڑا مشکل کام ہے پھر بھی حقیقت Reality کو سمجھنے کی کوشش کرنا ہر دین کا جزو رہا ہے اور خاتم الرّسل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تو لازمی سنت ہے۔ اس سلسلہ میں آپ کو شاید نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ دعا یاد ہو گی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے **رَبِّ اَرِنی حقائق الاشیاء** اے میرے رب مجھے چیزوں کی حقیقت سے آگاہ فرما۔

اللہ تعالیٰ کے تمام پیغمبر حقیقت کے داعی تھے۔
مذہب کا مقصد انسان کو حقیقت تک لے کر جانا ہے۔
سائنسی تحقیقات کا مقصد بھی حقیقت تک پہنچنا ہے۔

یہ تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا تھی۔ دنیا میں جتنے بھی سائنسدان، فلاسفرز اور دانشور ہیں انکی بھی کوشش یہی ہے کہ چیزوں کی حقیقت سے آگاہی حاصل ہو۔ سائنس کا تو مقصد ہی اشیاء کی حقیقت تک پہنچنا ہے۔ دنیا کے تمام مذاہب بھی حقیقت ہی کے داعی ہیں غرض کوئی لیبارٹری میں حقیقت کو ڈھونڈتا ہے، کوئی مندر میں، کوئی گرجا میں اور کوئی جنگلوں میں حقیقت کو پانے کیلئے سرگرداں ہے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ یہاں سے لگالیں کہ قرآن پاک میں اللہ تبارک وتعالیٰ بندے

کی زبان سے دعا منگواتے ہیں، **قل رَبِّ زِدۡنِی عِلماً** (سورۃ طٰہٰ، آیت 114)۔ ''اور کہہ دو کہ اے رب میرے علم کو بڑھا۔'' معراج النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی دراصل سفرِ حقیقت تھا جس میں سید البشر کو آخری حقیقت کے کچھ مناظر دکھائے گئے۔ اس لئے ایک سچے مسلمان کا مطمع نظر علم اور ادراک دونوں کی مدد سے حقیقت کو سمجھنا ہے اور اس کے قریب تر ہونا ہے۔

اگرچہ صوفیاء کے نزدیک ادراک کا تعلق باطنی شعور سے ہے لیکن شعور کی اپنی حقیقت علم سے ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا بھی ہو سکتا ہے لیکن عام انسانوں کو پوچھنے، پڑھنے اور غور کرنے سے ملتا ہے۔ علم کی وسعت کی حد نہیں دنیا کی تمام یونیورسٹیاں یہی کام کر رہی ہیں مغرب میں بھی اور مشرق میں بھی۔ مسلمانوں کے دور عروج میں علم کے حوالے سے بہت زیادہ کام ہوتا تھا۔ چیزوں کی حقیقت کو سمجھنے کیلئے بڑے مباحثے ہوتے تھے۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو یہاں تک فرما دیا کہ ''اللہ تعالیٰ کی تخلیقات میں لمحہ بھر کی فکر گویا ایک سال کی عبادت سے زیادہ افضل ہے''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ ''عالم کی دوات کی روشنائی (جس سے وہ لکھتا ہے) شہید کے خون سے افضل تر ہے''۔ ان احادیث سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ علم کا مقام اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک کتنا اونچا ہے۔ کیوں نہ ہو؟ چیزوں کے حقائق کو جاننے کے امتیاز ہی نے آدم علیہ السلام کو مسجود ملائک بنایا تھا۔ بلکہ اکثر نبیوں کا شعار رہا ہے کہ وہ حقیقت جاننے کے لئے اللہ تعالیٰ سے بھی سوال کرنے سے نہیں شرماتے تھے۔

- o علم انسان کا امتیاز بھی ہے اور پہچان بھی۔
- o آدم علیہ السلام علم الاشیاء کی بنا پر ہی مسجودِ ملائکہ ٹھہرے۔
- o علم کی بنیاد سوال کرنا اور جواب ڈھونڈنا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں تو قرآن پاک میں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے براہ راست ہم کلام ہوتے تھے لیکن پھر بھی قوم کے اصرار پر درخواست کر ڈالی ''**رَبِّ اَرِنِیۡ**'' ''اے اللہ تعالیٰ مجھے اپنے آپ کو دکھا کہ تو کیسا ہے؟ دیکھا جائے تو ایک نبی اپنی زبان سے جس پر وحی بھی

اترتی ہو، اللہ تعالیٰ بھی ہم کلام ہوتا ہو، ایسا سوال کرے تو سوال ناگوار گزرتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کسی کے سوال کو رد نہیں کرتے، اسے مطمئن کرتے ہیں۔ فرمایا ''موسیٰ تو مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکے گا'' وہ جو پہاڑ ہے تم اسکی طرف دیکھو پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی تجلی اس پہاڑ پر پھینکی۔ یہ ایک بہت بڑا چمک دار بجلی کا دھماکہ تھا۔ پہاڑ ٹوٹ پھوٹ کر ریزہ ریزہ ہو گیا، موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی بے ہوش ہو گئے۔ (مفہوم سورۃ الاعراف آیت 143)

اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کی داستان سے بھی آپ واقف ہیں۔ آپ خلیل اللہ تھے، تمام انبیاء (جو آپ کے بعد آئے) کے باپ ہیں، بہت بلند درجہ ہے، آپ کو خانہ کعبہ بنانے کا اعزاز و شرف حاصل ہوا۔ آپ ہی کی سنت میں ہم حج اور قربانی کرتے ہیں۔ وہ سوال کرتے ہیں کہ ''اے اللہ مجھے بتا کہ تو مُردوں کو کیسے زندہ کرے گا؟'' اللہ تعالیٰ اس سوال کو مسترد نہیں کرتے۔ فرماتے ہیں کہ اے خلیل، کیا تو اس بات کو مانتا نہیں ہے؟ کہا اے رب تعالیٰ مانتا تو ضرور ہوں صرف قلبی تسکین کے لئے پوچھتا ہوں۔ اسکے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں کیسے مطمئن کیا فرمایا ''جاؤ چار پرندے لاؤ انہیں اپنے گھر میں رکھو؟ ان سے اُنسیت پیدا کرو، ان سے کھیلو، ان کے نام رکھو وہ آپ کو پہچانیں آپ انہیں پہچانیں۔ اسکے بعد انہیں ذبح کر دو، ان کا گوشت آپس میں ملا دو، یوں ان کی علیٰحدہ علیٰحدہ شخصیت کو ختم کر دو۔ پتہ ہی نہ چلے کہ یہ کس کا گوشت ہے، کس کے ذرّات ہیں۔ اسکے بعد آپ کے سامنے جو چار پہاڑ ہیں ہر پہاڑ کی چوٹی پر ایک حصّہ گوشت رکھ دو، پھر اپنے گھر کی چھت پر کھڑے ہو جاؤ اور ایک ایک کا نام لے کر پکارو تو پھر دیکھنا کہ کس طرح وہ اڑتے ہوئے تمہارے پاس پہنچ جاتے ہیں۔ خلیل اللہ علیہ السلام نے یہی کیا اور دیکھا کہ بکھرے ہوئے ذرات آپس میں مل گئے اور وہ پرندے اُڑتے ہوئے آپکی چھت پر دوبارہ آ گئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرے خلیل میں انسانوں کو بھی ایسے ہی زندہ کروں گا، خواہ تم لوگوں کے جسموں کے ذرات کہیں بھی ہواؤں میں اُڑ جائیں، سمندروں میں بکھر جائیں، تمہیں جلا کر راکھ بنا دیا جائے، تم مختلف قسم کی گیسز (Gases) میں تبدیل ہو جاؤ، غرض یہ کہ تم کہیں بھی کسی بھی حالت میں ہو میں جب تمہیں بلاؤں گا تو تمہارے سارے ذرّات اکٹھے ہو کر میری طرف آ جائیں گے اور تمہیں

دوبارہ زندگی حاصل ہو جائے گی بالکل ایسے ہی جیسے تمہارے پرندوں کو نئی زندگی ملی ہے۔
(مفہوم سورۃ البقرہ آیت 260)

اب یہاں بھی غور طلب بات یہ ہے کہ اگرچہ خلیل اللہ علیہ السلام نے ایک ایسا سوال کیا جسکی توقع ان سے نہیں کی جاتی تھی لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ نے بُرا نہیں منایا۔ بلکہ مکمل مشاہدہ کروایا اور صرف مشاہدہ ہی نہیں کروایا بلکہ اس کی روئیداد (description) ہمیشہ کے لئے قرآن پاک میں محفوظ بھی کر دی۔ تو حقیقت تک پہنچنا مسلمان کا شیوہ ہے، اس کے لئے سوال بھی کرنا چاہئے۔ غور بھی کرنا چاہئے۔ اگر آپ حقیقت تک پہنچنے کی خواہش رکھیں گے اور خواہش کے ساتھ کوشش بھی جاری رکھیں گے تو اللہ تعالیٰ ضرور آپ کی رہنمائی کرے گا۔

وَالَّذِیۡنَ جَاھَدُوۡا فِیۡنَا لَنَھۡدِیَنَّھُمۡ سُبُلَنَا ؕ وَاِنَّ اللّٰہَ لَمَعَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ O (سورۃ العنکبوت، آیت 69)

اور جنہوں نے ہماری راہ میں کوشش کی ضرور! ہم انہیں اپنے راستے دکھا دیں گے۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کے ساتھ ہے۔

مومن کی زندگی اس آیہ مبارکہ کی تفسیر ہے۔ اس کے ہر کام کے پیچھے کارفرما مقصد اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کے راستوں پر چلتے ہوئے حقیقت تک پہنچنا ہے۔ اس کا معمول اپنے خالق کی تخلیقات کی پہچان اور ان پر غور و فکر کر کے خالق کی معرفت تک پہنچنا ہے۔ اس کی جدو جہد کائنات کی تسخیر ہے کہ وہ اپنے خالق کا زمین پر خلیفہ ہونے کا حق ادا کرے۔ مندرجہ ذیل نقشہ اس کے کردار اور شخصیت کی تصویر پیش کرتا ہے۔

تسخیر

علم الاشیاء — علم الاخلاق

مومن کی
خصوصیات

فکر — ذکر

علم الایمان
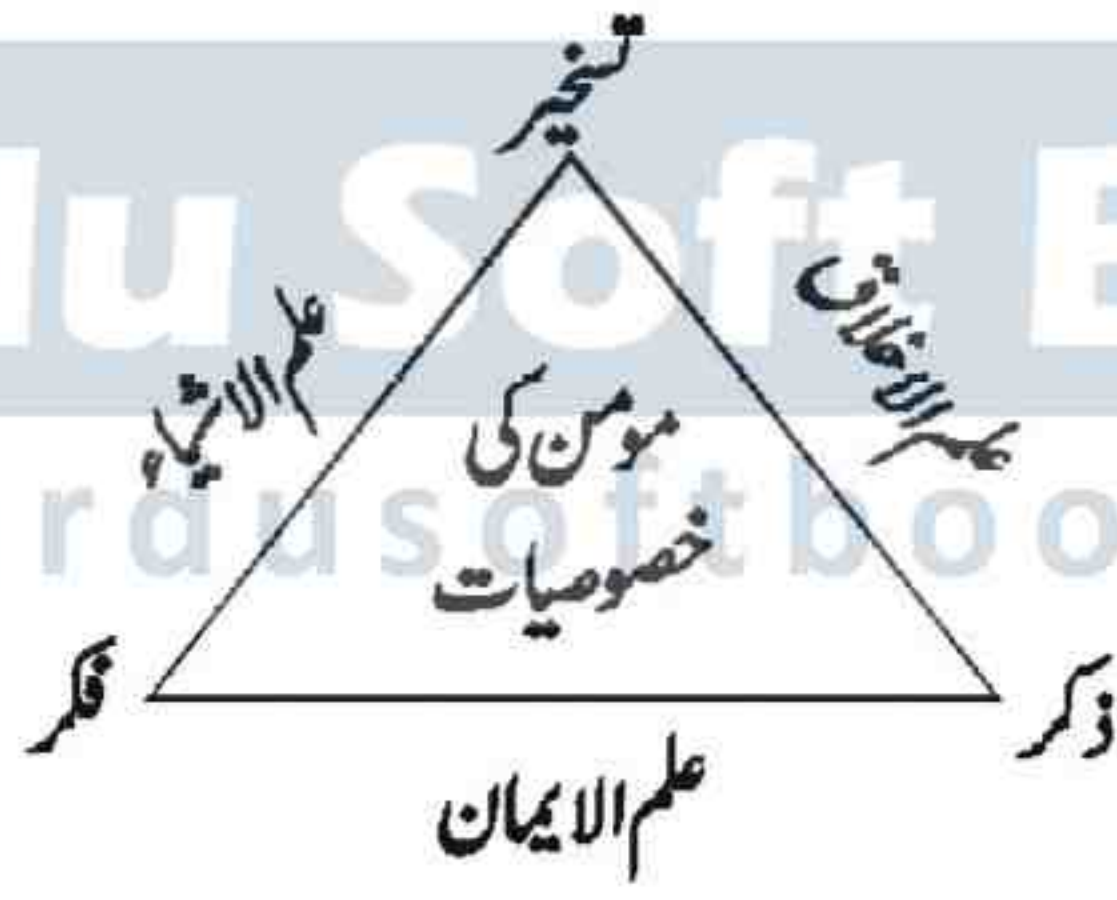
خدائے لم یزل کا دستِ قدرت تو، زباں تو ہے
یقیں پیدا کر اے ناداں کہ مغلوبِ گماں تو ہے

--------------------☆--------------------

باب نمبر 2

ظاہر کی دنیا اور کائنات کی حقیقت

ہم ایک وسیع وعریض دنیا میں رہتے ہیں۔ انسان نے جب سے غور کرنا شروع کیا ہے وہ پوچھتا ہے کہ یہ سب کیا ہے؟ یہ کائنات کیسے معرض وجود میں آئی تھی؟ کیسے ختم ہوگی؟ کیا یہ ہمیشہ سے ہے یا اسے کوئی بنانے والا بھی ہے؟ اور پھر ہم خود کون ہیں؟ اس طرح کے سوالات تمام سوچنے والے انسانوں کے اذہان کو مصروف رکھتے آئے ہیں اور اپنے اطمینان کے لئے اس نے ان کے جواب بھی ڈھونڈ لئے۔ اگرچہ یہ کتنا ہی مضحکہ خیز کیوں نہ معلوم ہو لیکن یہ حقیقت ہے کہ ابھی چند صدیوں پہلے تک اس سوال کے جواب میں کہ زمین نیچے کیوں نہیں گر جاتی، ہندوؤں نے کہا اسے ایک بہت بڑے بیل نے اپنے سینگوں پر اُٹھایا ہوا ہے، چینی کہتے تھے کہ اسے کسی عظیم کچھوے نے اٹھایا ہوا ہے۔ لیکن یہ سوچنے کی زحمت نہ کی کہ بیل یا کچھوا کس چیز پر کھڑا ہے۔ غالباً اس ضمن میں تاریخ میں پہلی بامقصد سوچ (Scientific Rational Thinking) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تھی۔ یہ چار ہزار سال پہلے کی بات ہے۔ انہوں نے کائنات کو سامنے رکھ کر اپنے رب کے متعلق سوچنا شروع کیا۔ ان کے اس ذہنی ارتقاء کو اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں اس طرح بیان کیا ہے:

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّىْۤ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٧٤﴾ وَكَذٰلِكَ نُرِىْۤ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ﴿٧٥﴾ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّىْ ج فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَاۤ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ﴿٧٦﴾ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّىْ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِىْ رَبِّىْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ

الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ﴿۷۷﴾ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّیْ هٰذَآ اَكْبَرُ ج فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۷۸﴾ اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۷۹﴾

''اور جب ابراہیم (علیہ السلام) نے اپنے باپ آزر سے فرمایا کہ کیا تو بتوں کو معبود قرار دیتا ہے؟ بے شک میں تجھ کو اور تیری ساری قوم کو صریح گمراہی میں دیکھتا ہوں۔(74) اور ہم نے اسی طرح ابراہیم (علیہ السلام) کو آسمانوں اور زمین کے انتظامات دکھائے تاکہ وہ کامل یقین کرنے والوں میں سے ہو جائے۔(75) پھر جب رات کی تاریکی ان پر چھا گئی تو انہوں نے ایک ستارہ دیکھا آپ نے فرمایا کہ یہ میرا رب ہے مگر جب وہ غروب ہوگیا تو آپ نے فرمایا کہ میں غروب ہو جانے والوں سے محبت نہیں رکھتا۔(76) پھر جب چاند کو دیکھا چمکتا ہوا تو فرمایا کہ یہ میرا رب ہے لیکن جب وہ غروب ہوگیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر مجھ کو میرے رب نے ہدایت نہ دی ہوتی تو میں گمراہوں میں شامل ہو جاتا۔(77) پھر جب آفتاب کو دیکھا چمکتا ہوا تو فرمایا کہ یہ میرا رب ہے یہ تو سب سے بڑا ہے پھر جب وہ بھی غروب ہو گیا تو آپ نے فرمایا بے شک میں تمہارے شرک سے بیزار ہوں۔(78) میں پورے طور سے اس کی طرف متوجہ ہوتا ہوں جس نے آسمان اور زمین بنائے، میں اسی کا بندہ ہوں اور میں مشرکوں میں

سے نہیں ہوں۔(79) سورۃ الانعام، آیات مبارکہ 79-74)

یوں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کائنات کی حقیقت سے کائنات بنانے والے کی معرفت حاصل کرلی۔

o	مخلوق کی معرفت سے خالق کی معرفت قرآن کریم کا انداز بیان ہے۔
o	کائنات کی حقیقت کو سمجھنے سے اس کے بنانے والے کی معرفت کا ادراک حاصل ہوگا۔
o	حضرت ابراہیمؑ پہلے محقق ہیں جنہوں نے دلیل کے ذریعہ خالق کو سمجھا۔

2.1 تخلیقِ کائنات

سچ یہ ہے کہ بامقصد غور وفکر کے ذریعے ہم اللہ تعالیٰ تک پہنچ سکتے ہیں یعنی حقیقت ازلی کو سمجھنے سے پہلے حقیقت حادث سمجھ آجائے تو آسانی سے آگے چل سکتے ہیں۔اس طرف جو پہلا سوال ذہن میں آتا ہے وہ یہ ہے کہ کائنات کیا ہے؟اس سلسلہ میں یونانی حکماء کا خیال تھا کہ یہ ہمیشہ سے چلتا ایک نظام ہے اور ہمیشہ چلتا رہے گا۔ہم اسی میں پیدا ہوتے ہیں اور اسی میں مرجاتے ہیں۔ ستارے اسی میں پیدا ہوتے ہیں اور اسی میں مرجاتے ہیں۔یوں ہمارا جینا اور مرنا کسی خارجی طاقت کا نتیجہ نہیں بلکہ زمانہ کا فعل ہے۔اگر کوئی خدا ہے تو یہی خدا ہے۔چونکہ زمانہ کو دہر کہا جاتا ہے اس لئے اس تھیوری پر ایمان رکھنے والوں کو دہریہ کہا جاتا ہے۔یہ اللہ تعالیٰ کا انکار کرتے ہیں۔ہندوؤں میں بھی یہ نظریہ بہت مقبول ہوا۔فراعنہ نے بھی یہی کہا۔یہ نظریہ بظاہر اتنا مضبوط تھا کہ سائنسی حلقوں میں بیسویں صدی میں بھی اس کو تسلیم کیا جاتا تھا۔انیسویں صدی میں **Atheism** کا جو سیلاب آیا تھا اس کے پیچھے بھی یہی نظریہ تھا کہ جب کائنات ہمیشہ سے ہے تو خدا کی ضرورت کیا ہے؟ کائنات کی ہمیشگی کے اس نظریے کو **Steady State Universe** کا نظریہ کہا جاتا ہے کہ یونیورس یعنی کائنات جاری وساری ہے۔اسکا نہ کوئی آغاز ہے نہ اختتام اور انسان اس میں ایک حادثہ ہے۔

کائنات کی تخلیق کے متعلق نظریات

- کائنات ہمیشہ سے ہے (غلط ثابت ہو چکا ہے)۔
- کائنات کا اچانک آغاز ہوا مستقبل کا پتہ نہیں۔
- کائنات کا آغاز بھی ہے اور اختتام بھی۔
- کائنات سے پہلے زمان و مکان بھی نہیں تھے۔

بیسویں صدی کے شروع میں ایک پیش رفت **Development** یہ ہوئی کہ 1920ء کی دہائی میں ایک امریکی سائنسدان ہبل **(Hubble)** نے دیکھا کہ ستارے اپنی اپنی جگہوں سے پیچھے ہٹتے جا رہے ہیں۔ ہر ستارہ ایک دوڑ میں لگا ہوا معلوم ہوا۔ آج اگر یہاں ہے تو کل کسی اور جگہ پر ہوگا۔ کوئی ستارہ بھی اپنی جگہ پر قائم نہیں ہے۔ سبھی دور دور ہٹتے جا رہے ہیں۔ **They are rushing away from one another.** پروفیسر ہبل نے ستاروں کو جب گننا شروع کیا اور انہیں طاقتور دوربینوں سے دیکھا تو پتہ چلا کہ کھلی آنکھوں سے جو چند ہزار ستارے نظر آتے ہیں دراصل وہاں لاکھوں ستارے ہیں اور جو آسمان سامنے ہے اس میں جب حساب لگایا گیا تو معلوم ہوا کہ یہ لاکھوں، کروڑوں، اربوں نہیں بلکہ کھربوں سے بھی زیادہ ہیں اور ستاروں کی یہ دنیا اربوں نوری سالوں میں پھیلی ہوئی ہے (ایک نوری سال کا مطلب وہ فاصلہ ہے جو روشنی ایک سال میں طے کرتی ہے جو تقریباً آٹھ کھرب کلومیٹر ہے)۔ اس حساب سے سورج زمین سے اوسطاً تقریباً 18 کروڑ کلومیٹر ہے۔ زمین کا اس کے اردگرد حرکت کا بیضوی مدار ہونے کی وجہ سے فاصلہ کم زیادہ ہوتا رہتا ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ روشنی کی کرن وہاں سے ہم تک پہنچنے میں اوسطاً تقریباً دس منٹ لے لیتی ہے۔

ان دریافتوں سے ہبل اور انکے دیگر ساتھی سائنسدانوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ غیب کی دنیا یعنی چھپی ہوئی کائنات **(Hidden World)** درحقیقت اس ظاہری کائنات سے بہت بڑی ہے۔ اتنی بڑی کہ اس کا حساب و شمار بھی ناممکن ہے۔ یعنی لامحدود ہے۔ دوسرے یہ کہ ستارے ایک جگہ

پر قائم نہیں ہیں بلکہ سارے کے سارے حرکت میں ہیں اور ہم سے کہیں دور، بہت دور جا رہے ہیں انہی میں ہمارا سورج بھی مسلسل سفر میں ہے۔ لیکن کہاں جا رہا ہے؟ یہ سوال ابھی تک حل طلب ہے۔

ہر شے مسافر، ہر چیز راہی

کیا چاند، تارے، کیا مرغ و ماہی

سورج کہاں بھاگا جارہا ہے کل بھی اسکے متعلق علم نہیں تھا آج بھی نہیں ہے۔ سورۃ یٰسین آیت 38 میں ہے:

وَالشَّمۡسُ تَجۡرِىۡ لِمُسۡتَقَرٍّ لَّهَا ؕ ذٰلِكَ تَقۡدِيۡرُ الۡعَزِيۡزِ الۡعَلِيۡمِ O

"اور سورج اپنے مستقر کی طرف رواں دواں ہے۔ یہ پروگرام شدہ حساب ہے زبروست علم والے کا" (سورۃ یٰسین، آیت 38)

یہ بات جدید سائنس کے لئے یقیناً حیران کن ہوئی کہ کیسے اللہ تعالیٰ نے ساڑھے چودہ سو سال پہلے اپنے نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے دنیا والوں کو بتادیا کہ **الشمس** یعنی یہ سورج **تجری** جاری وساری ہے **لمستقرلها**، اس کیلئے ایک مخصوص منزل یا مستقر ہے اور وہ اس منزل کی طرف رواں دواں ہے۔ قرآن کے 13 سو سال بعد یہی بات ہرشل (Harshal) نے دریافت کی اور ہبل (Hubble) نے بھی اور انہی دریافتوں پر انہوں نے Nobel prize جیتے۔

پچھلی صدی کے آغاز تک یہی سمجھا جاتا تھا کہ سورج اور ستارے ساکن ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم کی یہ بات (**كُلٌّ فِىۡ فَلَكٍ يَّسۡبَحُوۡنَ**) "تمام (آسمانی دنیائیں) اپنے اپنے مدار میں گھوم رہی ہیں، **وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجۡعِ**" اور آسمان (کائنات) جس کی فطرت میں گھومنا ہے

"(سورہ الطارق آیت ١١) کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی لیکن سائنس نے اب یہ دریافت کرلیا ہے کہ کائنات پھیل رہی ہے اور اس میں ہر چیز ایک دوسرے سے دور ہوتی جا رہی ہے یہ کوئی جامد گولا نہیں ہے بلکہ بے انتہا جہتوں (Multi-Dimentional) والا ایک متحرک نظام ہے۔ بالکل وہی بات جو قرآن کریم میں ساڑھے چودہ سو سال پہلے بتائی جا چکی تھی۔(تفصیل کے لئے آخری باب قرآن، اسلام کا روڈ میپ دیکھیں) افسوس کہ ان حقائق کو جانتے ہوئے بھی وہ قرآن کو نہیں مانتے شاید قصور ہم مسلمانوں کا ہے کہ ان تک کسی نے قرآن کریم کی یہ معجزانہ باتیں پہنچائی ہی نہیں ہیں۔

لمحۂ فکریہ

- o کائنات میں ہر چیز اتنی ساری حرکتوں کے زیر اثر ہونے کے باوجود ایک توازن کے ساتھ قائم ہے۔
- o باہمی توازن کو قائم رکھنے والی قوتیں انتہائی مضبوط ہیں لیکن نظر نہیں آتیں۔
- o کائناتی نظام اس قدر مربوط اور حساس ہے کہ بقول نیوٹن اگر ایک انگلی کو حرکت دی جائے تو ہر چیز پر وہ حرکت اثر پذیر ہوتی ہے۔

ے لے سانس بھی آہستہ کہ نازک ہے بہت کام
آفاق کی اس کارگر شیشہ گری

- o اس نظام کو باہم قائم رکھنے والی قوت نام کششِ ثقل ہے۔

2.2 مقصد کائنات کی حقیقت

یہ کائنات کیوں بنائی گئی؟ یہ ایک بہت بنیادی سوال ہے جس کا موجودہ سائنس کے پاس کوئی جواب نہیں۔ اسی لئے بہت سے سائنسدان نہ صرف کائنات کو بے مقصد سمجھتے ہیں بلکہ یہاں کی ہر چیز بھی انہیں فضول دکھائی دیتی ہے۔ اس فریب کی وجہ یہ ہے کہ وہ خالق کائنات کا انکار کرتے ہیں۔ لیکن جب ایک بامقصد سائنسدان کائنات کیوں بنائی گئی کے سوال پر غور کرتا ہے تو وہ

اس کا جواب اس حقیقت میں پاتا ہے کہ کائنات میں ہر چیز کی حقیقت اس کا مقصدِ تخلیق ہے۔یعنی کائنات ایک مکمل سسٹم ہے جس میں ہر چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی چیز اس نظام کا ایک اہم اور ضروری پرزہ ہے۔کوئی چیز بھی یہاں بیکارِ محض نہیں سبھی ایک دوسرے کی خدمت پر لگی ہیں۔اگر یہی کلیہ کائنات پر لگائیں تو پھر لازم ہو جاتا ہے کہ کائنات کی تخلیق بھی کسی بڑے مقصد کو پورا کرنے کے لئے کی گئی ہے۔اس سلسلہ میں قرآن کریم سے جو رہنمائی ملتی ہے وہ یہ ہے کہ انسان ''غایت کائنات'' ہے چنانچہ بالواسطہ یا بلاواسطہ ہر چیز انسان کی تخلیق، اس کی نشونما، بقاء اور ترقی کے لئے ہے اور مجموعی حیثیت میں ٹوٹل کائنات بھی یہی کام کر رہی ہے:۔

وسخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا

''اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں سارے کا سارا ہے وہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری خدمت کے لئے بنایا ہے''۔(سورۃ الجاثیہ، آیت 13)

اس فلاسفی کے مطابق انسان کائنات کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ کائنات انسان کی وجہ سے ہے۔اسی سلسلہ میں خاتم النبیین محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے روایت ہے کہ ''کائنات کی تخلیق سے پہلے اللہ تعالیٰ کی مثال ایک مخفی خزانہ کی تھی اس نے چاہا کہ وہ پہچانا جائے تو اس نے انسان بنانے کا سوچا، اسکے لئے کائنات وجود میں لائی گئی''۔مطلب یہ کہ کائنات کے ڈیزائن کی بنیاد (Design Basis) انسان ہے اور یہاں کی ہر چیز کی آخری حقیقت انسان ہے۔

نہ تو زمین کے لئے نہ آسمان کے لئے
جہاں ہے تیرے لئے تو نہیں جہاں کے لئے

ایٹم بھی اسی کیلئے کام کرتا ہے اور بڑے سے بڑے ستارے بھی اسی کے لئے پیدا ہوئے اور اسی کے لئے مرتے ہیں تاکہ انسان کی تخلیق میں کام آنے والے عناصر بن سکیں جو صرف ستاروں کے زبردست دھماکہ خیز (Supernova) میں بنتے ہیں۔حاصل کلام یہ ہے کہ کائنات اور اسکی ہر چیز انسان کے لئے ہے اور انسان اپنے رب کے لئے ہے۔

☆ انسان غایتِ کائنات ہے۔
☆ کائنات انسان کے لئے ہے نہ کہ انسان کائنات کیلئے۔
☆ کائنات کی حقیقت انسان کی حقیقت کے اندر پنہاں ہے۔
☆ کائنات اور اس میں ہر چیز کے ڈیزائن اور وجود کی بنیاد (Design Basis) انسان ہے۔
☆ ہر چیز بالواسطہ یا بلاواسطہ انسان کی کسی نہ کسی خدمت پر متعین ہے۔
☆ اللہ تعالیٰ کو سمجھنا ہو تو انسان کو سمجھو، اور انسان کو سمجھنا ہے تو کائنات کو سمجھو۔

2.3 کششِ ثقل (Force of Gravity) کی حقیقت

جب نیوٹن نے سیب کو زمین کی طرف گرتے دیکھا تو سوچا کہ یہ سیب زمین کی طرف کیوں گرا؟ اس بات پر غور وفکر سے نیوٹن کو یہ حقیقت سمجھ آئی کہ زمین سیب کو اپنی طرف کھینچ رہی ہے۔ سادہ سی بات تھی۔ اوپر اس لئے نہیں گیا کہ اوپر کوئی کھینچنے والی قوت نہیں تھی۔ مزید غور وفکر سے وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ کائنات میں ہر چھوٹی بڑی چیز ایک دوسرے کو کھینچ رہی ہے۔

اس کی حقیقت یہ ہے کبھی وہ سب ایک ہی تھیں۔ ان کا خمیر ایک ہی رتق (ایک بند وجود) سے اٹھا تھا یعنی کششِ ثقل کی حقیقت وحدت میں گم ہو جانے کی محبت ہے۔ کائناتی پھیلاؤ سے چیزیں دور دور ہوتی گئیں لیکن اپنے اصل کو نہیں بھولیں اور یوں وہ کششِ ثقل کے ذریعہ اپنے ماضی کے تعلق کو برقرار رکھنا چاہتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بڑی چیز میں کھینچنے کی قوت زیادہ ہوتی ہے وہ چھوٹی چیز کو اپنی طرف گرا لیتی ہے۔ نیوٹن نے اس طاقت کا نام کشش ثقل (Force of Gravity) رکھا۔

ہبل (Hubble) کی تحقیق نے بتایا تھا کہ کائنات پھیل رہی ہے۔ اب اگر کشش ثقل اور کائناتی پھیلاؤ کے نظریات کو ماضی کے تناظر میں دیکھا جائے تو صاف ظاہر ہے کہ جو آج دُور

ہے وہ ماضی میں قریب تھا۔ یوں جب کائنات میں سارے ستارے قریب قریب تھے تو آپس میں کھینچنے والی قوت بہت زیادہ ہوگی۔ انتہائی ماضی میں یہ ایک ہی جگہ ایک ہی چیز ہوں گے ایک ایسی چیز جس کا وزن بہت زیادہ ہوگا اور حجم بہت ہی کم۔ پھر کشش ثقل ہی کے زیر اثر یہ وجود مزید اندر کو کھنچتی جا رہی ہوگا اور یوں ایک نقطہ پر مرکوز ہوگیا یعنی کائنات کے آغاز میں اسکی حقیقت محض کشش کی طاقت کا ایک نقطہ تھا۔ حجم میں صفر لیکن طاقت میں لا انتہا (Infinite)۔

اس حقیقت پر قرآن پاک میں دی گئی معلومات پر اگر غور کریں تو عقل حیران رہ جاتی ہے کہ وحی الٰہی نے ساڑھے چودہ سو سال پہلے ہی یہ بتا دیا کہ پیدائش کے وقت زمین و آسماں ایک ہی وجود تھے جسے قرآن کی زبان میں رتق کہا گیا ہے۔ اور فرمایا:۔

اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ۭ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۭ اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ O

''کیا ان لوگوں نے نہیں دیکھا جو (قرآن کا) انکار کرتے ہیں کہ ایک وقت تھا جب تمام آسمان و زمین ایک ہی وجود تھے۔ پس ہم نے انہیں علیحدہ علیحدہ کر دیا۔ اور ہم نے ہر زندہ چیز کو پانی سے پیدا کیا۔ تو کیا وہ اب بھی ایمان نہیں لائیں گے؟''۔ (سورۃ الانبیاء، آیت 30)

رتق عربی میں ایک بند پیک مرکب کو کہتے ہیں جس کا انگریزی ترجمہ **Primordial Fluid** ہو سکتا ہے یعنی تمام چیزوں کا مرکب مجموعہ جو کہ اپنی اکائی میں بند اور محفوظ تھا۔ اب سائنسی طریقوں سے یہ حقیقت ثابت ہوئی کہ **In remote possible time universe was concentrated in a very small volume.** اس وقت نہ ستارے علیحدہ تھے، نہ سورج علیحدہ تھا، نہ زمین علیحدہ تھی، بلکہ یہ سارا نظام کائنات ایک رتق **(Extremely high density plasma of gases)** کی طرح تھا۔ انتہائی بے ہنگم افراتفری کی حالت

میں۔اس آیہ مبارکہ میں ایک مزے کی بات اس کا آغاز ہے۔"کیا ان لوگوں نے جو (قرآن کا) انکار کرتے ہیں نہیں دیکھا کہ۔۔۔۔۔۔"یعنی یہ خطاب کافروں سے ہے کہ انہوں نے دیکھ لیا ہے کہ ابتداء میں کائناتی مادہ ایک ہی جگہ اکٹھا تھا۔ جو ایک بہت بڑی پیشگوئی ہے کہ کائنات کی تخلیق کے بارے میں یہ دریافت مسلمان نہیں بلکہ کافر کریں گے۔

جیسے جیسے رتق پھیلتا چلا گیا اس میں توازن آنے لگا۔رتقی مادہ مختلف عناصر کے ایٹموں میں تبدیل ہو گیا۔مزید کھلنے پر رتقی گیسوں کے مرغولے بن گئے اور پھر اسی میں سے ستاروں نے جنم لینا شروع کر دیا۔غرض کائنات کے پھیلاؤ میں ہی اس کا ٹھہراؤ تھا۔قرآن کریم نے کائنات کے پھیلاؤ اور ٹھہراؤ کی ساری سائنسی کہانی جس پر ضخیم کتابیں لکھی گئی ہیں کو ایک ہی آیت میں بیان فرما دیا ہے۔سبحان اللہ کیا کمال ہے۔فرمایا:۔

وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ

اور ہم نے آسمانوں کو بلند کیا اور توازن قائم کر دیا۔(سورۃ الرحمٰن آیت 7)

اگر یہ ساری کائنات ایک ہی جگہ تھی، ایک ہی گولا تھی تو لازماً وہ بڑا وزنی گولا ہوگا کیونکہ زمین کا وزن آپ دیکھ لیں کتنا زیادہ ہے اور اس طرح کی اور کھربوں زمینیں ہیں۔سورج کا وزن آپ دیکھ لیں کہ کتنا زیادہ ہے اور اس طرح کے کھرب ہا کھرب سورج ہیں تو اس سارے مجموعہ وجود کا کتنا زیادہ وزن ہوگا۔بہر حال جب یہ سب کچھ ایک جگہ اکٹھا تھا تو اسی لحاظ سے اندر کی طرف مسلسل کشش ثقل Gravity کھینچ رہی تھی۔ جب انتہائی مزید اندر کی طرف کھینچتی جا رہی تھی تو آخر کار کیا ہونا چاہیئے؟ یوں رتقی گولے کے چھوٹے ہونے پر اندر کی طرف کشش کی طاقت اور بڑھ جائیگی اور رتق چھوٹے سے چھوٹا ہوتا جائے گا۔ساتھ ساتھ کششِ ثقل مزید بڑھتی جائے گی۔
آپ کو نیوٹن کے اس فارمولے کا پتہ ہے کہ کشش ثقل (Force of Gravity) برابر ہے۔
مقدار مادہ (Mass) x مقدار مادہ (Mass) تقسیم دونوں کے درمیان فاصلہ کا مربع (Mass

Multiplied by the mass, divided by the Square of the distance between them)۔ اگر ایک ماس کو M1 اور دوسری کو M2 اور ان کے مراکز کے درمیان باہمی فاصلہ کو R سے ظاہر کیا جائے تو کشش ثقل کا فارمولہ حسب ذیل ہوگا۔

G = Constant of Gravitation

Fg = Force of Gravity

M1 = Mass one

M2 = Mass two, R = Distance between centers of masses

$$Fg = G (M_1 M_2) \div (R^2)$$

If $M_1 = M_2$, then

$$Fg_1 = G (M^2 / R^2$$

M1
Fg
M2
R
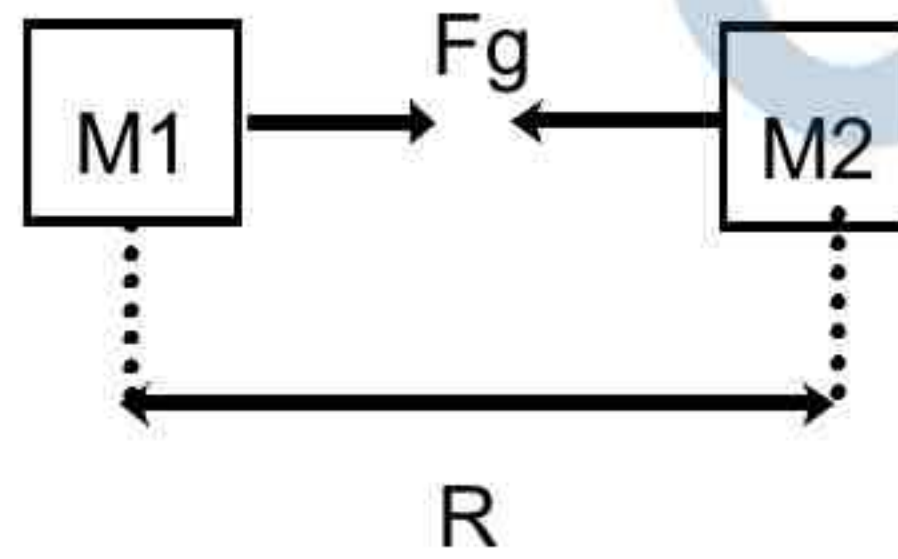
اب دیکھیں کہ R اگر چھوٹا ہوتا جائے تو کشش **Force of Gravity** زیادہ ہوتی جائیگی اور جب R صفر ہوجائیگا تو کشش یقیناً لا انتہا **Infinite** ہوجائیگی یعنی وہ چیز غائب ہوجائیگی باقی صرف اور صرف باہمی طاقت کا نشان رہ جائے گا۔ چنانچہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ انتہائی ابتدا میں کائنات صرف ایک لاوجود حقیقت **Invisible Reality** تھی ۔ بے جسم **Zero Volume** کی ایک طاقت تھی جس کا کوئی حجم نہیں تھا۔ اس کا کوئی وجود نہیں تھا محض تناؤ کی ایک لاانتہائی **(Infinite)** طاقت تھی جس میں زمان ومکان بند تھے ہم سب اسکے اندر تھے، جیسے بیج کے اندر درخت ہوتا ہے۔

وقت **(Time)** کو بھی اس نے اپنے اندر بند کیا ہوا تھا اور مکاں **Space** کو بھی یعنی کائنات کی اس حقیقت میں زمان ومکاں **Time** اور **Space** کی کوئی علیحدہ شناخت نہ تھی۔ یہ محض ایک طاقت تھی جو ایک نقطے پر مرکوز تھی اور اس نقطے کا کوئی وجود نہیں تھا۔ بڑی عجیب سی بات نظر آتی ہے کہ نہ وقت تھا نہ سپیس **Space** تھی، کچھ بھی نہیں تھا کلی انہونی **Totally**

Nothingness کی حالت تھی۔اس انہونے میں وہاں طاقت کا ایک نقطہ تھا لیکن زمان ومکاں کے لحاظ سے اس نقطے کا بھی کوئی وجود نہیں تھا۔

یہ بات ہماری سمجھ میں آئے یا نہ آئے لیکن جدید سائنس اس پر اسی طرح ایمان رکھتی ہے جیسے ہم اللہ تعالیٰ کو بن دیکھے مانتے ہیں۔یہ ہماری کائنات کی ابتدائی حقیقت تھی۔ایک عظیم طاقت جس کا عقل ادراک نہیں کرسکتی۔قرآن کریم ہمیں بار بار یاد دلاتا ہے کہ:

"بے شک تمہارا رب عظیم طاقت والا زبردست ہے"۔

آغاز کائنات کی اس مثبت انتہا Positive Infinity اور منفی انتہا Negative Infinity کے بیک وقت ہونے اور نہ ہونے والی دنیا میں ہماری سوچیں بند ہو جاتی ہیں کیونکہ ایسی کوئی چیز ہم سوچ نہیں سکتے جو ہو بھی اور نہ بھی ہو۔یہ وجود اور لاوجود کے درمیان ایک تیسری تکوین ہے مادہ سے سراسر خالی۔طاقت ہی طاقت۔نور ہی نور۔

کائنات کی پہلی حقیقت
ایک لاوجود۔طاقت ہی طاقت۔توانائی۔نورعلیٰ نور۔زمان ومکاں جس کے اندر بند تھے۔لامکانی (Spaceless)، لازمانی (Timeless) دنیا۔ایک تبادلہ

"اللہ تعالیٰ نُور ہے آسمانوں اور زمین کا اس کے نُور کی مثال ایسی جیسے ایک طاق کہ اس میں چراغ ہے، وہ چراغ ایک فانوس میں ہے، وہ فانوس گویا ایک ستارہ ہے موتی سا، چمکتا روشن ہوتا ہے برکت والے پیڑ زیتون سے، جو نہ پورب (مشرق) کا نہ پچھم (مغرب) کا، قریب ہے کہ اس کا تیل بھڑک اُٹھے، اگرچہ اسے آگ نہ چھوئے،

نُور پرنُور ہے، اللہ تعالیٰ اپنے نُور کی راہ بتاتا ہے جسے چاہتا ہے، اور اللہ تعالیٰ مثالیں بیان فرماتا ہے لوگوں کے لئے، اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے O

پھر اس طاقت میں کچھ ہوا کہ لا وجود وجود میں بدل گیا۔ ایسا کیوں اور کیسے ہوا؟ ہمیں معلوم نہیں ہے کہ یہ طاقت جو ہمیشہ سے چلی آرہی تھی۔ کیوں پھٹ پڑی کہ حالت صفر کا لا وجود (Zero State) لاانتہا وجود Infinity بن گیا، منفی اور مثبت وجود، اور یوں عدم سے سب کچھ وجود میں آ گیا۔ لیکن کون کہتا ہے کہ صفر انہونا ہے؟

اسلامی صوفیاء اسے عدم کہتے ہیں ایک ایسی سادہ ترین ذات جس میں بیک وقت سب کچھ ہے، اور نہیں بھی ہے۔ اس لئے کہ عدم میں جمع اور منفی ایک ہی وقت میں اپنی ذات کو مٹا کر اکٹھے رہتے ہیں۔ یوں صفر برابر جمع ایک اور منفی ایک ہوتا ہے۔ جمع ایک ارب اور منفی ایک ارب بھی صفر ہے۔ جسے حساب میں 0 = (1+) + (1-) اب فرض کریں کہ (1-)Minus one اگر Infinite ہوں یعنی اربوں، کھربوں کی گنتی سے کہیں آگے اور اتنے ہی (1+) ہوں تو جب اکٹھے ہونگے تو سبھی Zero ہوجائینگے تو اس سے ثابت ہوا کہ زیرو کے وجود کے اندر لاانتہا جوڑے (Infinitely Plus and Minus Pairs) ہیں یعنی لاوجود میں لاانتہا مثبت وجود اور منفی وجود شامل ہیں۔ جب یہ پھٹ پڑا تو اس میں سے لاانتہا پلس (+) اور لا انتہا Minus(-)، وجود علیحدہ علیحدہ اچانک ظہور میں آگئے اور قائم رہنے (Survival) کی خواہش کی وجہ سے علیحدہ علیحدہ ہوگئے۔

ENERGY ⇄ MATTER

$E = MC^2$

PARTICLES

ZERO → ZERO

ANTI-PARTICLES

کن ← فیکون ← کن ← فیکون
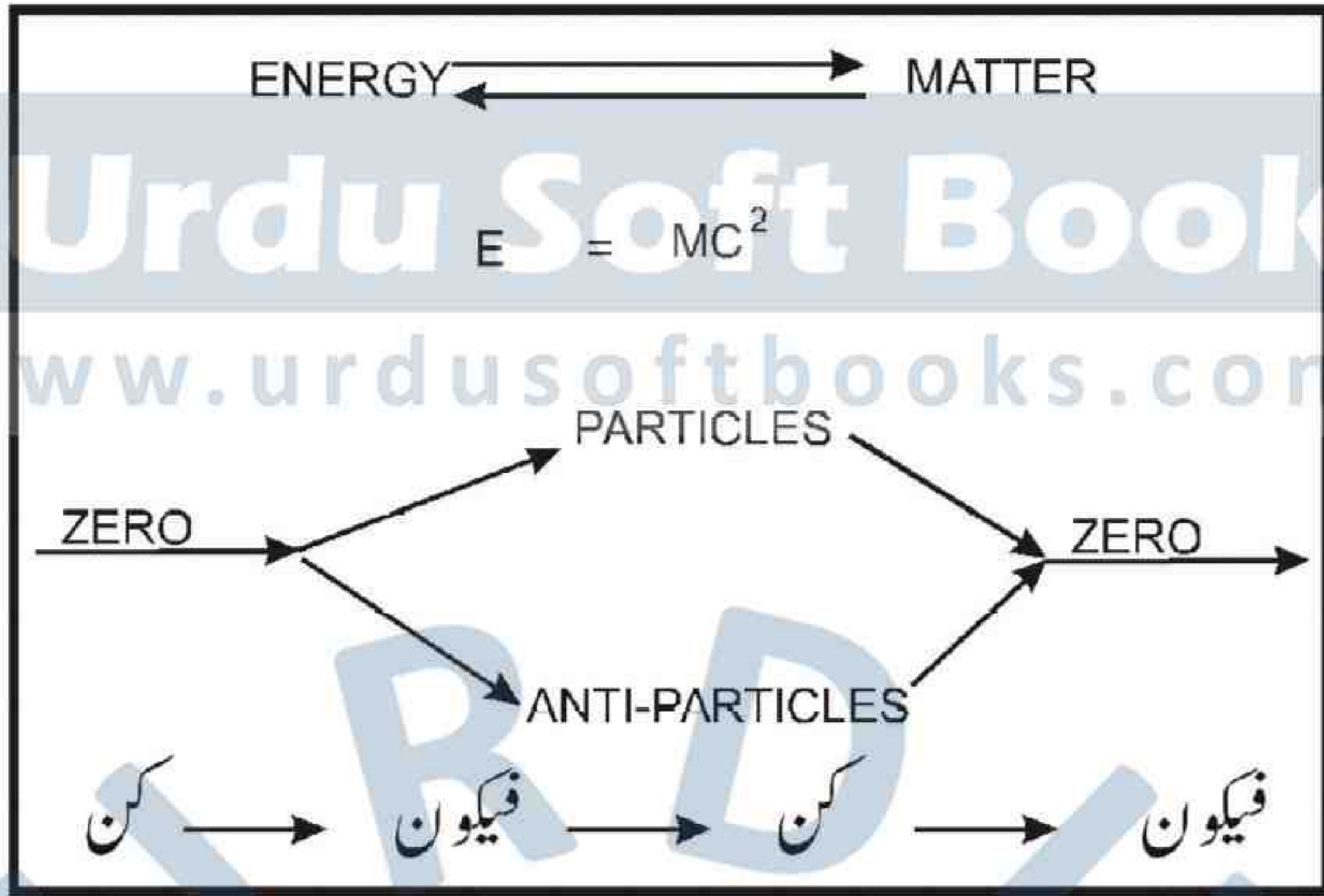
چنانچہ آغاز کے لحہ امر کن کے ساتھ ہی لاوجود میں پھٹنے کے اس عمل سے ہر طرف بے شمار منفی اور مثبت ذرات Particles بکھر گئے ,(-1),(+1),(-1),(+1),(-1),(+1) (-1),(+1),(-1),(+1),(-1),(+1)۔جن کا حاصل جمع زیرو ہی تھا۔ یہ عمل انتہائی تیز رفتاری سے (at a termendous speed) ہوا۔سائنس نے اس عمل کا نام "Big Bang" رکھا ہے۔ہمارے رب نے قرآن کریم میں یہ فرمایا ہے کہ جب میں چاہتا ہوں کہ کوئی چیز ہو جائے میں اسے ''انہونے'' Nothingness سے پیدا کر دیتا ہوں۔امرِ ربی ہوتا ہے، **کُــــنْ** 'ہو جا'۔ **فَیَکُون** ''پس وہ ہو گیا'' ہو جاتا ہے۔:۔

بَدِیۡعُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ۔ وَاِذَا قَضٰۤی اَمۡرًا فَاِنَّمَا یَقُوۡلُ لَهٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ (سورۃ البقرہ آیت 117)

یعنی Big Bang کی حقیقت دراصل فرمانِ ربی ''کن اور فیکون'' کی حقیقت ہے۔

سوچنے کی بات ہے کہ ساڑھے چودہ سو سال پہلے عرب کے صحراؤں میں جہاں نہ کوئی مدرسہ یا یونیورسٹی تھی، نہ ہی کوئی پڑھانے والا معلم تھا اور اس وقت دنیا بھر میں کوئی دوسرا بھی نہیں جانتا تھا،

وہاں ایک فرد آ کر کہتا ہے کہ کائنات کا وجود **کُـنْ** سے ہوا تھا۔یعنی اچانک ہوا تھا۔سائنس کے میدان میں یہ عظیم دریافت بیسویں صدی کی چوتھی دہائی میں ہوئی اور محققین نے بڑے بڑے انعامات حاصل کئے۔

لیکن افسوس کہ اس حقیقت کو سب سے پہلے واضح کرنے والی کتاب سے سائنسدان بالکل ناواقف ہیں۔"**کــن**"ہی کے اصول پر 1930ء کے بعد کوانٹم مکینکس Quantum Mechanics کی بھی بنیاد رکھی گئی جس کا بنیادی نقطہ یہ ہے کہ چیزوں کے معرضِ وجود میں آنے کی حقیقت کا راز 'کن' میں ہے۔یعنی لاوجود سے وجود ہمیشہ اچانک 'کن' سے ہوتا ہے۔چیزوں کی ترقی ایک ارتقائی عمل ہے لیکن عالم غیب سے عالم شہود میں نزول فوری ہے:۔

- **اِنَّمَآ اَمۡرُهٗۤ اِذَآ اَرَادَ شَيۡـًٔـا اَنۡ يَّقُوۡلَ لَهٗ كُنۡ فَيَكُوۡنُ**
  اس کا امر تو صرف یہ ہے کہ وہ جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اسے کہتا ہے ہوجا تو وہ فوراً ہوجاتی ہے(سورہ یٰسین،آیت،82)
- لاوجود سے وجود کی حقیقت،ایک جست(Quantum Action)میں ہوتی ہے۔
- وجود کی ترقی ایک سست ارتقائی(Slow evolution) عمل ہے۔
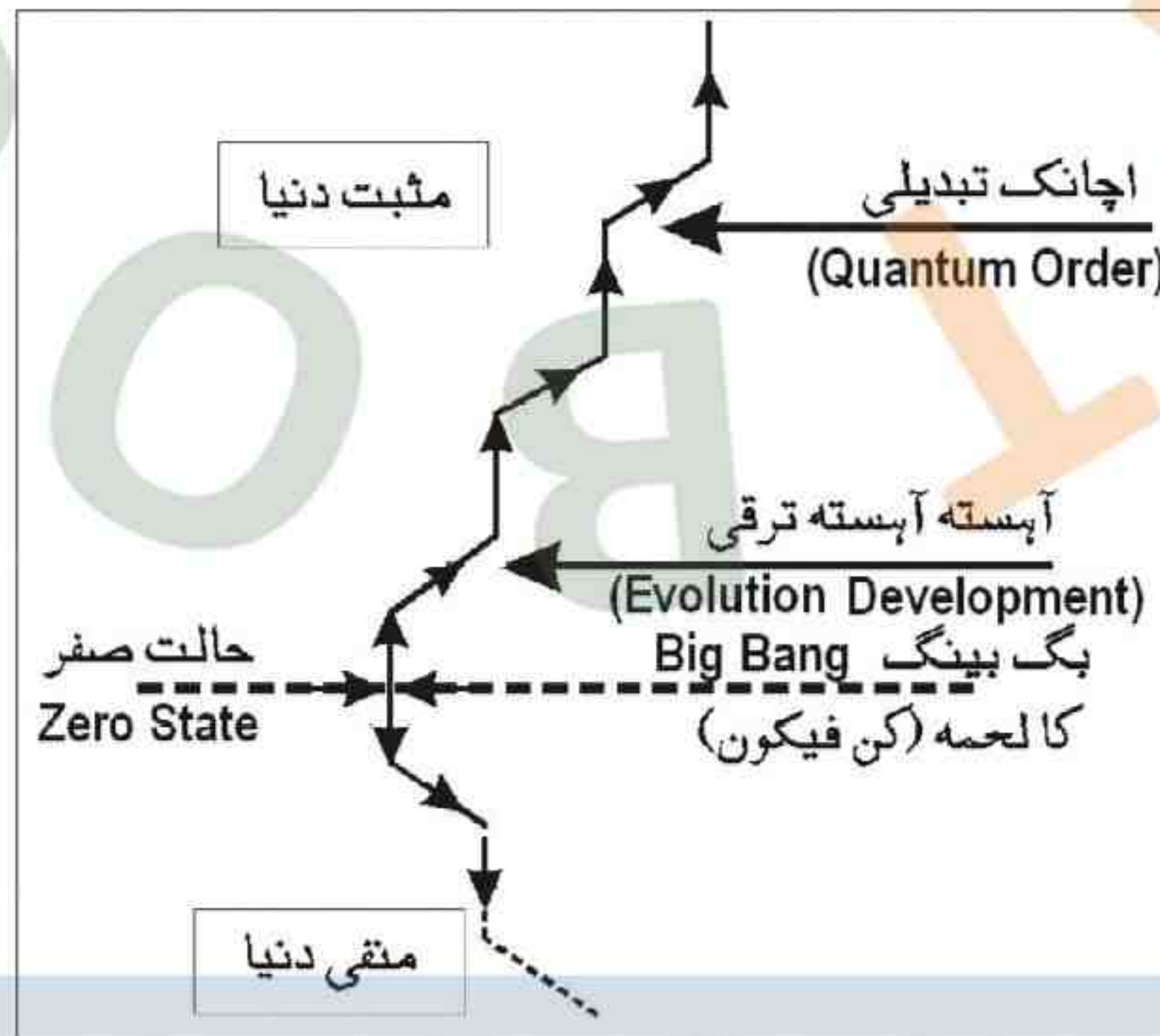
کائنات میں تمام بڑی بڑی تبدیلیاں خالق کے اچانک امر کن (Quantum Change) کا نتیجہ ہیں، جبکہ معمولی تبدیلیاں ماحول کے مطابق آہستہ آہستہ عمل ارتقاء (Evolutionary Development) کے ذریعہ ہوتی ہیں۔

2.4 جوڑوں کا قانون (Law of Pairs) اور باہمی محبت کی حقیقت

چیزوں کی باطنی حقیقت کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ''کُــن'' کے فارمولے کے ساتھ دوسرا فارمولا یہ بھی بتایا کہ وہ ہر چیز جوڑوں (Pair) میں پیدا کرتا ہے۔ اسکے سوا دوئی ہی دوئی ہے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کسی چیز کی دریافت کی تکمیل اس وقت ہوگی جب مثبت کے ساتھ اس کا منفی جوڑا بھی معلوم ہو جائے۔ یہ کہ ہر تخلیقی امر جوڑوں میں ہوتا ہے قرآن کریم کا یہ قانون قدرت مندرجہ ذیل آیت سے ظاہر ہے:۔

وَمِنْ كُلِّ شَىْءٍ خَلَقْنَازَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ

''اور ہم نے ہر چیز کو جوڑے جوڑے میں پیدا کیا ہے تا کہ تم سمجھ سکو'' (سورۃ الذاریات، آیت 49)

تخلیق کے اس عمل میں پہلا جوڑا زمان و مکاں (Time - Space) کا تھا۔ جو کائنات کے وجود کے لئے بنیادی اوامر ہیں اس کے ظہور کے لئے بگ بینگ ہوا اسی جوڑے سے مثبت اور منفی توانائی پیدا ہوئی اور توانائی سے مثبت اور منفی ذرات Particles and Antiparticles) وجود میں ہوئے۔ یوں زمان و مکاں کے دھارے پر تبدیلی کا عمل شروع ہو گیا۔ اور کائنات وجود میں آنے لگی۔ حالات میں تبدیلی کے عمل کو ہم واقعات (Event) کا نام دیتے ہیں۔

Time
Space
+E
-E
Matter
Antimatter
Antimatter
Matter
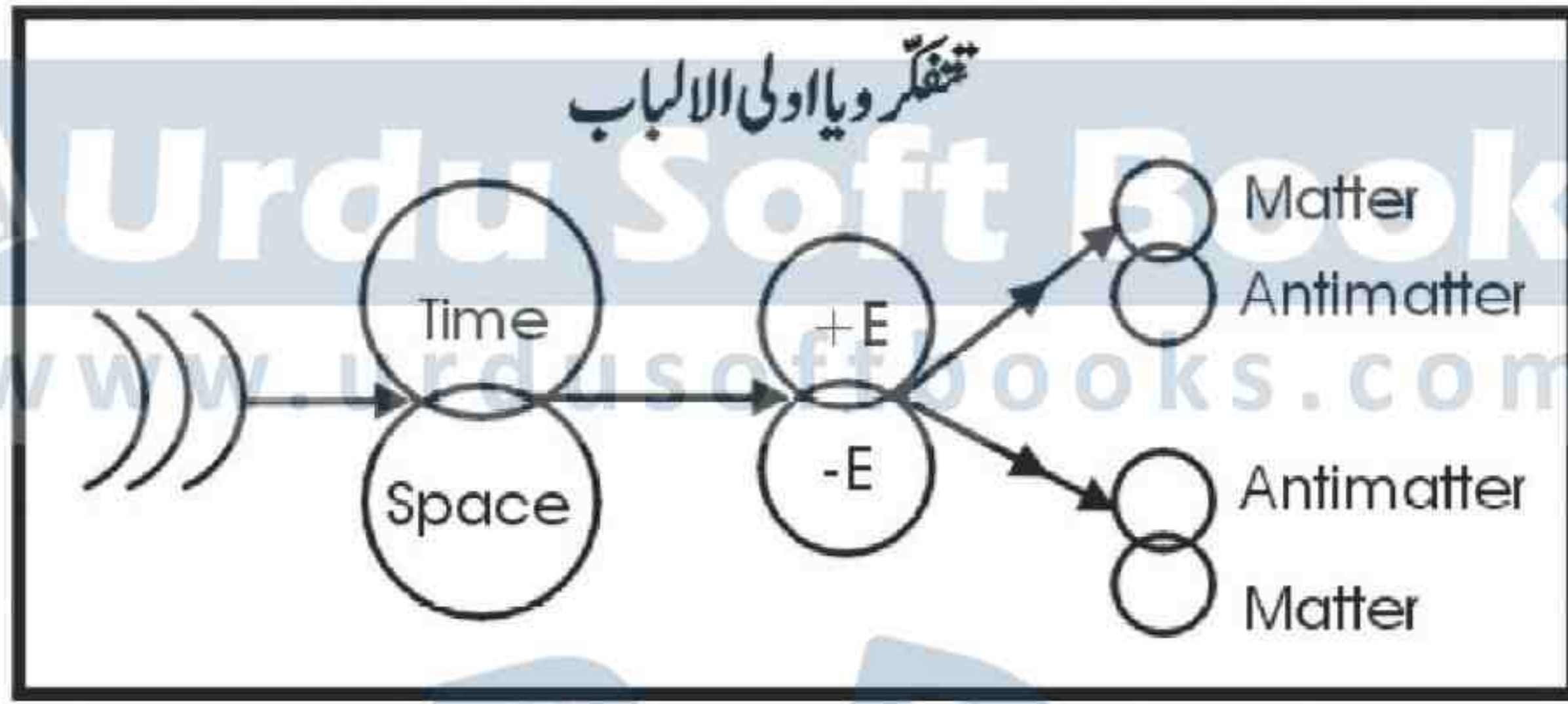
1933ء میں اس قانون کی ایک سمت مشہور سائنس دان ڈیراک (Deraq) نے معلوم کی کہ کائنات کی تخلیق بھی جوڑوں کے اصول پر ہوئی۔ڈیراک نے یہ ثابت کیا کہ ابتدائی مادہ جو پیدا ہوا اس میں دو جوڑے تھے۔ کچھ Particles تھے کچھ Anti-Particles تھے یعنی لاوجود حقیقت سے جتنا مثبت مادہ (Matter) پیدا ہوا اتنا ہی منفی مادہ بھی پیدا ہوا۔ابتدائے تخلیق (Primordial Creation) مثبت اور منفی کا ایک بہت بڑا گولا تھا جس میں منفی اور مثبت برقالے (charge) انتہائی ہل چل کی حالت میں ساتھ ساتھ تھے۔یعنی آغاز کائنات مثبت اور منفی کی یکمشت موت وحیات کا کھیل تھا۔یہ اتنی اہم دریافت تھی کہ ڈیراک کو اس پر نوبل پرائز ملا۔ اس سے پہلے بیسویں صدی کے شروع میں آئن سٹائن دریافت کر چکا تھا، کہ مادہ (Matter) اور توانائی (Energy) آپس میں ادل بدل (Convertible) سکتے ہیں۔-($E=MC^2$)- یہاں E انرجی کیلئے M مادہ یا (Mass) کیلئے اور C روشنی کی رفتار کیلئے ہے۔ بگ بینگ میں مثبت مادہ اور منفی مادہ Anti-Matter اور Matter کے ذرات Particles برابر برابر تھے اس لمحہ وہاں منفی اور مثبت توانائی کے مرغولے پلس اور مائنس [(-E) & (+E)] کی صورت میں تھے۔

Matter
±
Energy
Anti
Matter
Matter
±
Energy
Anti
Matter

جس طرح خالق کے امر سے کائنات شروع ہوئی اس طرح اس کے امر سے یہ مادی کائنات توانائی کے بگولہ میں تبدیل ہو جائے گی۔
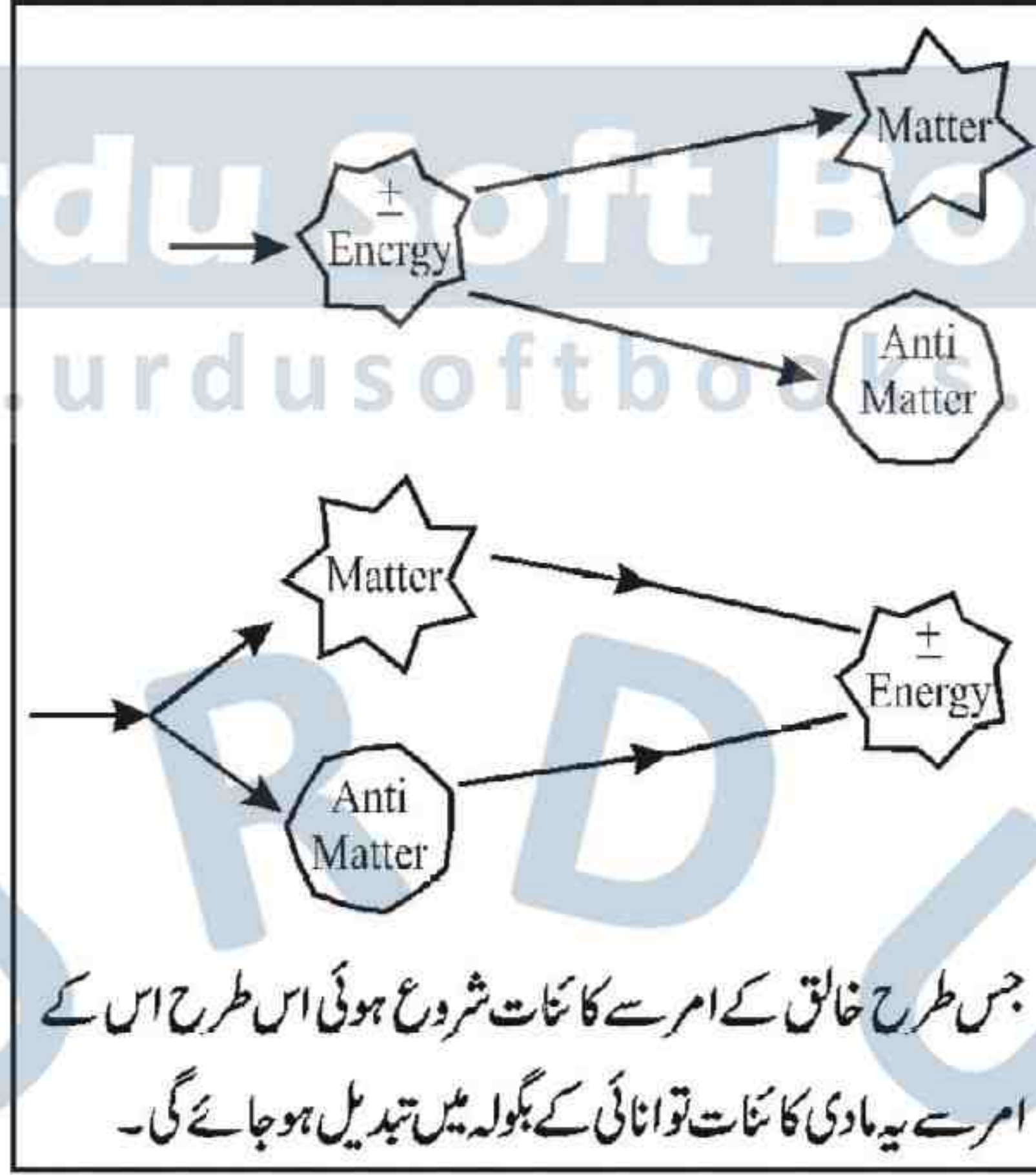
اس رتقی گولہ میں توانائی اور مادہ ہر دم ادل بدل رہے تھے، منفی اور مثبت توانائی کے مرغولے، منفی مادہ اور مثبت مادہ کے ساتھ ساتھ ہی وجود پا لیتے تھے۔ یعنی کائنات کی حقیقت ایک طوفانی حقیقت تھی جس میں منفی اور مثبت وجود کے پیدا ہونے اور پیدا ہو کر مر جانے کے انگنت امکانات تھے۔ دوبارہ معدوم ہو جانے سے بچنے کے لئے اس نے پھیلنا شروع کر دیا اور یوں آہستہ آہستہ توازن آنے لگا۔ جیسا کہ سورۃ الرحمٰن میں ارشاد ہے:۔

وَ السَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ۝

''اور آسمان کو اللہ تعالیٰ نے وسعت بخشی اور یوں میزان قائم ہوا''۔

(سورۃ الرحمٰن، آیت 7)

2.5 حقیقت زمان و مکاں او بگ بینگ سے پہلے کی دُنیا

بگ بینگ (Big Bang) سے پہلے کی دنیا لازمانی (Timeless) اور

لامکانی (Spaceless) دنیا تھی۔ جنکی مخلوقات بھی زمان ومکاں کی قیود سے آزاد فرشتے، جنات اور ارواح تھیں۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے لئے ہمیں زماں اور مکاں کی اپنی حقیقت کو سمجھنا ہوگا۔ شاہد (Observer) کہ مطابق وقت کی پہچان تبدیلی سے ہوتی ہے۔ جلدی تغیّر پذیر چیزوں پر وقت تیزی سے گزرتا ہے اور وہ چیزیں جن میں تبدیلی سست رو ہے ان پر وقت آہستہ گزرتا ہے۔ یعنی وقت کے پیمانے کا انحصار تبدیلی کے عمل پر ہے مثلاً کلاک پر ٹائم کا شمار سوئیوں کی حرکت میں تبدیلی پر منحصر ہے۔ اگر کسی چیز میں تبدیلی روک دی جائے تو اس پر وقت بھی رک جائے گا۔ (معراج شریف کی رات کو بھی یہی عمل ہوا تھا۔ ہر چیز اپنے مقام پر جامد ہوگئی یوں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ساری کائنات کا سفر کر کے جب واپس آئے تو بستر گرم تھا۔ کنڈی ہل رہی تھی اور وضو کا پانی اپنی جگہ پر بہہ رہا تھا)۔ بہرحال وقت کی حقیقت تبدیلی ہے۔ چونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات میں تبدیلی ناممکن ہے۔ وہ صمد ہے اس لئے وہ الحیئ القیوم بھی ہے۔ اس پر وقت نہیں گزرتا بلکہ وقت اس سے ہے۔ اس کے علاوہ سب کچھ تغیر پذیر ہے۔

مکاں (Space) کی حقیقت وجود کا پھیلاؤ ہے۔ وجود جب حالت صفر میں تھا تو وہ اسکی لامکانی (Spaceless) حالت تھی۔ چونکہ مادہ کا وجود مکاں (Space) سے مشروط ہے اس لئے لامکانی دنیا کی مخلوق صرف روحانی مخلوق ہی ہوسکتی ہے۔ یعنی لازمانی اور لامکانی دنیا ایک روحانی دنیا ہے۔ جس میں موجود مخلوقات بھی صرف غیر مادی غیر فانی ہی ہوسکتی ہیں، مثلاً خالص طاقت (Pure Force)، فرشتے، جنات اور ارواح۔ یوں جنت اور دوزخ بھی لازمانی اور لامکانی دنیائیں ہیں جہاں ہر چیز اپنی حالت میں تغیّر سے پاک قائم ودائم رہتی ہے۔ کوئی بوڑھا نہیں ہوتا، کوئی مرتا نہیں، سدا ایک سی حالت۔ ہماری اس کائنات سے پہلے بھی یہی حالت تھی اسکے بعد بھی یہی ہوگی اس لئے اصل دنیا لازمانی اور لامکانی (Metaphysical) ہی ہے۔ جبکہ جسمانی کائنات تغیر کا نام ہے۔

زمان ومکاں (Time and Space) دراصل باطنی حقیقت کے لئے اظہار کا ذریعہ ہیں۔ حقیقت اولیٰ نے جب چاہا کہ میں اظہار کروں تو اس نے زمان ومکاں کو کھول دیا۔

ہم پہلے دیکھ چکے ہیں جوڑوں میں تخلیق کی حقیقت بھی وحدت میں پنہاں ہے۔ جیسے صفر (Zero) میں سب کچھ ہے یا سفید روشنی (White Light) میں سات رنگ (Spectrum of Light) چھپے ہوتے ہیں۔ وجود میں آنے کے بعد اجزاء اپنا ماضی بھولتے نہیں، بلکہ ان کے درمیان ملنے کی کشش درحقیقت وحدتِ اولیٰ جوان سب کی اصل ہے میں گم ہو جانے کی خواہش (Crave) ہے۔ بجلی کا منفی چارج مثبت چارج، مقناطیس کا نارتھ پول ساؤتھ پول، مثبت ذرات منفی ذرات غرض تمام جوڑوں میں اکٹھا ہو جانے کی زبردست خواہش ہے، اسلئے کہ کبھی وہ لاوجود میں اکھٹے تھے۔ انسان کا مابعد الطبعیات اور ماورائی مخلوقات کی طرف رجحان بھی دراصل اپنی پہلی حقیقت کی یاد (Memory) کی وجہ سے ہے۔ (مزید تفصیلات کیلئے 3.12 ملاحظہ فرمائیے)

2.6 کائنات کے پھیلاؤ کی حقیقت

آیئے اب واپس تخلیق کائنات کی طرف آتے ہیں۔ بگ بینگ کے بعد توانائی اور مادے کا انتہائی کثیف گولا اپنی پیدائشی طاقت کے زور سے پھٹ کر پھیلنے لگا اور اس وقت سے مسلسل پھیل رہا ہے۔

کلام اللہ میں اس حقیقت کو مندرجہ ذیل آیت مبارکہ سے واضح کیا گیا ہے:۔

وَالسَّمَآءَ بَنَيۡنٰهَا بِاَيۡٮدٍ وَّاِنَّا لَمُوۡسِعُوۡنَ

''اور ہم نے آسمان (کائنات) کو ہاتھ کے بل سے پیدا کیا اور یقیناً ہم اسے مسلسل پھیلانے والے ہیں'' (سورۃ الذرایات، آیت 47)

قرآن کریم میں وحی کی گئی یہ بہت بڑی حقیقت ہے جس کی اہمیت کو بیسویں صدی کے

درمیانی حصہ میں سمجھا گیا۔ یہاں استعارہ کی زبان میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ کے بل کے زور سے کائنات کے انتہائی ابتدائی سیلنڈر کو حرکت دی جیسے لٹو کو ہاتھ سے گھمایا جاتا ہے۔ اس وقت سے یہ گھوم رہی ہے اور گھومنے کے زور سے ہی کائنات مسلسل پھیل رہی ہے۔

چنانچہ بعد میں جو ''ہرشل'' نے معلوم کیا تھا کہ کائنات پھیل رہی ہے دراصل یہ سب کن (ہوجا) کی طاقت سے ہو رہا ہے ۔یہ قدرت کے قانون حفاظت (Law of conservation of matter and energy) کے تحت ہو رہا ہے جو سترہویں 17th صدی میں نیوٹن نے دریافت کیا تھا کہ اگر کوئی چیز حرکت میں ہے تو وہ حرکت میں رہے گی جب تک کہ اس کو روکا نہ جائے اور اگر کوئی چیز ساکن ہے تو ساکن رہے گی تاوقتیکہ اسے طاقت کے زور سے چلایا نہ جائے۔

کائنات مسلسل پھیل رہی ہے۔

وَاِنَّالَمُوْسِعُوْنَ ۝

2.7 کائنات گھومنے کی حقیقت

کائنات کی حقیقت کے متعلق ایک اور بہت اہم دریافت یہ ہوئی کہ اس میں ہر چیز گھوم رہی ہے ایٹم کے اندر الیکٹرون گھوم رہے ہیں اس سے باہر زمین گھوم رہی ہے، سورج گھوم رہا ہے، سورج کا سارا خاندان گھوم رہا ہے، کہکشاؤں کا پورا نظام گھوم رہا ہے غرض ایٹم سے لیکر آسمان تک کائنات میں ہر چیز گھوم رہی ہے۔ قرآن کریم نے اس عظیم حقیقت کو اس طرح واضح کیا کہ

کائنات کی فطرت ہی میں گھومنا ہے۔

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجۡعِ

''اور آسمان جس کی فطرت میں گھومنا ہے'' (سورۃ الطارق، آیت، 11)

لیکن ایسا کیوں ہے؟ یہ سوال ابھی تک حل طلب ہے، لیکن سورۃ الطارق کی آیت 11 جو اوپر دی گئی ہے، کے مطابق گھومنے کی وجہ یہ ہے کہ بگ بینگ کے وقت اللہ تعالیٰ نے پیدائش کے نکتہ آغاز کو ایسے گھمادیا جیسے لٹو گھمایا جاتا ہے، پس لٹو کی طرح کے اس گھماؤ کی طاقت سے الیکٹران سے لیکر ساری کائنات گھوم رہی ہے اور ایک ہی طرف گھوم رہی ہے یہ وہی سمت ہے جس پر لوگ کعبہ کا طواف کرتے ہیں۔ اگر کسی جگہ استثنٰے ہے وہ بعد کے کسی بیرونی ٹکراؤ کی وجہ سے ہوگا۔

2.8 کائنات کی موت کی حقیقت

سائنس اب اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ کائنات کا وجود، اس کی حرکت اور پھیلاؤ ہمیشہ کے لئے نہیں قرآن کریم میں اس حقیقت کو یوں واضح کیا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ کسی چیز کو دوام حاصل نہیں۔ ہر ایک کی پیدائش کے اندر اس کی موت پہلے ہی سے لکھی جا چکی ہے۔ اس بات کو سورۃ الرحمٰن میں مندرجہ ذیل طریقہ سے فرمایا گیا ہے:۔

كُلُّ مَنۡ عَلَيۡهَا فَانٍ o وَّيَبۡقٰى وَجۡهُ رَبِّكَ ذُوالۡجَلٰلِ وَالۡاِكۡرَامِ o فَبِاَىِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ o

ہر شے فنا ہونے والی ہے۔ صرف تیرے رب کی ذات باقی رہ جائے گی جو عظمت والا اور بزرگی والا ہے۔ پس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

(سورۃ الرحمٰن، آیات 28-26)

چنانچہ کائنات بھی اپنے بچپن جوانی اور بڑھاپے سے گذر کر ایک دن مرنے والی ہے۔

ایسا کب ہوگا؟ کوئی نہیں جانتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا اپنا راز ہے کلام پاک میں فرمایا گیا ہے یہ کوئی انوکھی بات نہیں ہوگی۔ جیسے پہلے دن اس کائنات کو پیدا کیا تھا بالکل اسی طرح اسے ختم کر دیا جائے گا اور پھر ہم اس کو دوبارہ پیدا کریں گے۔

يَوْمَ نَطْوِي السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ط كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ط وَعْدًا عَلَيْنَا ط اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ o

(جب قیامت آئے گی) ہم اس دن لپیٹ لیں گے آسمان کو جیسے لپیٹا جاتا ہے مکتوب(Scroll) کو۔جس طرح ہم نے شروع کی تھی پہلی پیدائش بالکل اسی طرح ہم اسے دوبارہ پیدا کریں گے اور یہ وعدہ ہے ہمارے ذمہ۔ہم اسے ضرور پورا کرنے والے ہیں۔(سورۃ الانبیآء،آیت،104)

2.9 کائنات میں ٹھہراؤ اور سکڑاؤ

مندرجہ بالا آیت کریمہ میں بھی کائنات میں پھیلاؤ پھر ٹھہراؤ اور اس کے بعد سکڑاؤ کی حقیقت کو نہایت شاندار انداز میں بیان فرمایا گیا ہے۔یہ ایسے ہے جسے طومار (Scroll) کو کھولا جاتا ہے،اور پھر لپیٹ لیا جاتا ہے۔یوں کائنات کچھ عرصہ تک کھولی جائے گی اور پھر لپیٹ لی جائیگی۔

کائنات کھل رہی ہے

کائنات لپیٹ لی جائے گی
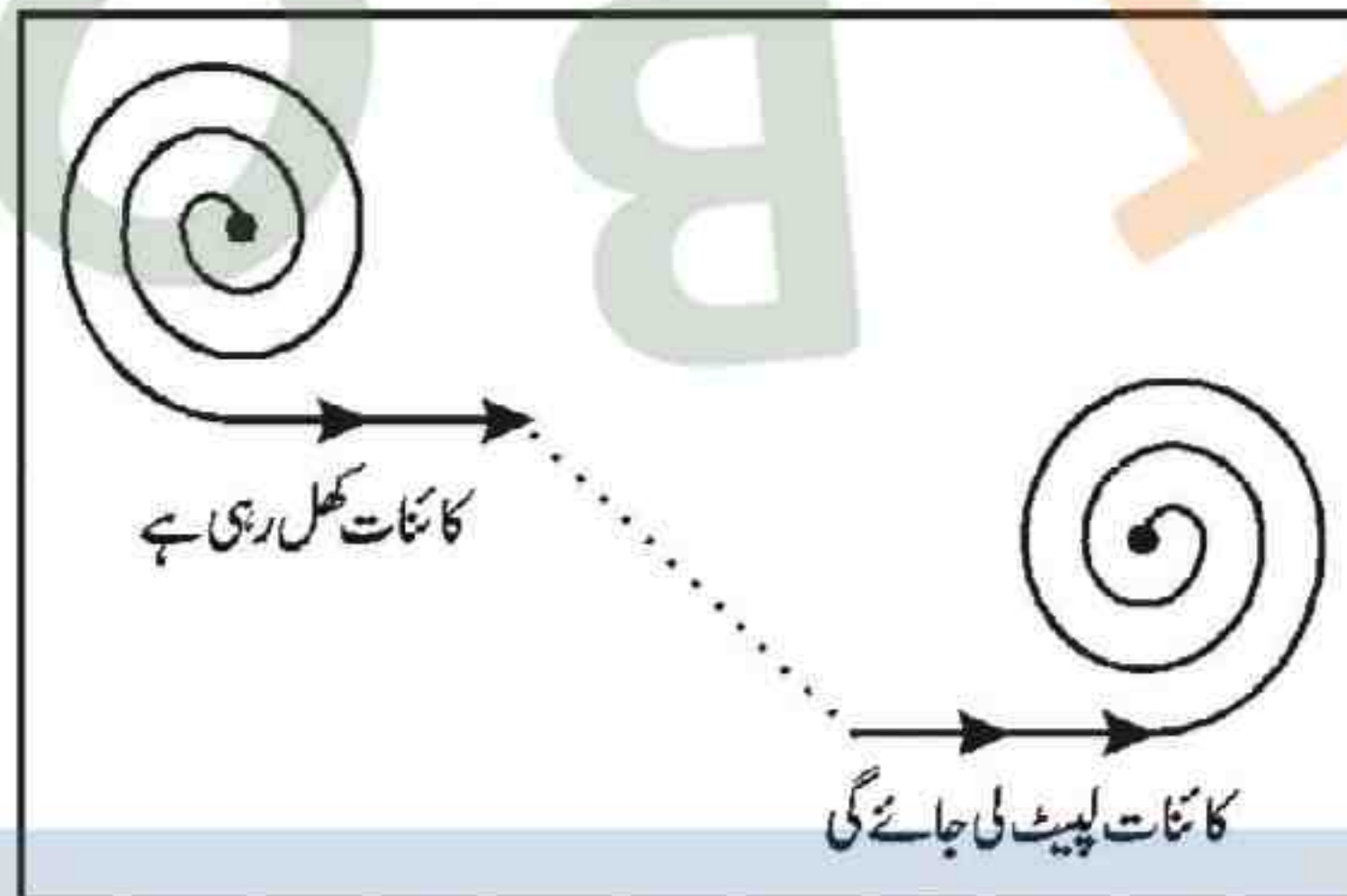
اسی بات کو سائنس اپنے طریقے سے بیان کرتی ہے۔ نیوٹن کے اصول حرکت کے مطابق یہ جو اجرام فلکی ابھی دور بھاگ رہے ہیں تاوقتیکہ کوئی طاقت انہیں نہ روکے یہ یونہی چلتے رہیں گے۔ قرآنی زبان سے یہ صورِ اوّل سے ایسا ہورہا ہے اور صورِ دوم کے امر سے اس میں ٹھہراؤ شروع ہوگا۔ صورِ دوم کے بعد یہ حرکت الٹ جائے گی۔ جیسے پہلے بھی بتایا جاچکا ہے سارے کے سارا نظام الٹ About Turn ہوجائے گا۔ دور جانے والے قریب اور نزدیک والے قریب تر ہوتے جائیں گے۔ پھر کشش ثقل (Gravity) کا عمل اس کام کو تیز تر کردے گا۔ کشش کی طاقت Attraction مسلسل بڑھتی جائیگی اور ساتھ ساتھ ہی اندر کی طرف کھنچنے کی رفتار (Speed) بھی بڑھتی جائیگی۔ ہر طرف سے کائنات میں موجود وجود آپس میں ٹکراتے ہوئے، ٹھاہ ٹھاہ کرتے ہوئے ایک نقطے میں مرکوز ہوجائیں گے وہی آغاز والی حالت۔ اور پھر کچھ باقی نہیں ہوگا ماسوائے رب تعالیٰ کی ذات پاک کے۔

عظیم سکڑاؤ (Big Crunch) والی اس حقیقت کو اب جدید سائنس بھی تسلیم کرتی ہے۔ اس کی مثال یہ دی جاسکتی ہے کہ فرض کریں آپ کے پاس ایک چھڑی ہے اس چھڑی پر آپ نے ایک لمبی رسی لپیٹی ہوئی ہے۔ جس کے آخر میں ایک پتھر باندھا ہوا ہے۔ اب آپ اسے زور سے کھولنا شروع کرتے ہیں تو وہ کھلتی جاتی ہے، کھلتی جاتی ہے لیکن پھر اپنی ہی طاقت سے واپس لپٹنا شروع ہوجاتی ہے۔ اسی طرح کائنات جو اب کھل رہی ہے آخر میں اپنے ہی اوپر چڑھنے لگے گی۔ سائنس کے خیال میں کائنات کے لپیٹے جانے کی ایک وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ اس میں بہت زیادہ غیبی مادہ (Hidden Matter) ہے جو پھیلاؤ کے خلاف بریک کا کام کررہا ہے۔ آخر کار یہ کامیاب ہوگا اور کائنات کا پھیلاؤ رک جائے گا۔ جب ایسا ہوگا تو پھر کشش ثقل اسے وہاں بھی ٹھہرنے نہیں دے گی۔ بالآخر کائنات اپنے نقطہ آغاز پر پہنچ جائے گی۔ دوبارہ وجود لاوجود میں گم ہوجائے گا اس عظیم "انہونے" میں سب "ہونا" بند ہوگا، میں آپ اور ہم سب انکے اندر ہونگے جو کچھ کائنات میں ہوا وہ سب سکڑ کر اس لاوجودی نقطہ کے اندر ہوگا۔ ساری تاریخ، سارا جغرافیہ اسکے اندر ایک دفعہ دوبارہ کھلنے کے لئے محفوظ ہوگا۔ قرآن کریم کے مطابق یہ پہلے سے صادر شدہ حکم ربی ہے۔ اس لئے ایسا ہو کر رہے گا۔

یوں وجود پھر سے لاوجود میں غائب ہوجائے گا۔ اس کے بعد کیا ہوگا؟ سائنس اس سوال کے جواب میں مایوس نظر آتی ہے لیکن قرآن حکیم یہاں خوشخبری دیتا ہے کہ اس مرمٹنے میں کائنات کی دوبارہ حیات ہے۔ پھر لاوجود پہلے کی طرح وجود میں بدل جائے گا جہاں سے ایک شاندار نئی کائنات کا آغاز ہوگا۔ جس میں پہلی کائنات کی ساری یادیں ایک ایک کر کے اس میں کھل رہی ہوں گی۔ سائنس اس منظر کو عظیم اچھال (Big Implosion) کا نام دیتی ہے۔

کائنات کی ہلاکت کے اس عمل کو جدید سائنس حرارت کے دوسرے قانون (2nd Law of Thermodynamics) سے بھی ثابت کرتی ہے جیسے کہ قرآن کریم کی سورۃ القصص، آیت نمبر 88 میں بھی بتایا گیا ہے۔ اس قانون کے تحت آخرکار ہر چیز کی قسمت میں بکھر جانا ہے۔ ہر منظّم حالت (Order) آخرکار غیر منظّم (Disorder) میں بدل جائے گی۔ چنانچہ وقت کے ساتھ ساتھ خرابی کا عمل (Entropy) بڑھ رہا ہے۔ اس لئے چیزوں کا انجام ان کی موت ہے۔ تباہی کی طرف اس جاری عمل کو روکنا اسی صورت میں ممکن ہے جب کوئی فعال ہستی ایسا کرنا چاہے۔ ورنہ وقت کے ساتھ ہر چیز تباہ ہوجائے گی۔

کائنات کی تباہی کی ایک ممکنہ وضاحت سائنس نے یہ بھی کی ہے کہ اسکے اندر انگنت کہکشائیں ہیں اور ہر کہکشاں میں اربوں ستارے ہیں۔ اسکے درمیان ایک انتہائی طاقتور کششِ ثقل کا گولہ ہے جسے بلیک ہول (Black Hole) کا نام دیا گیا ہے اسکے اردگرد اس خطہ کے ستارے چکر کاٹتے ہیں۔ بلیک ہول کی خاصیت یہ ہے کہ یہ اپنے پاس سے گذرنے والی ہر چیز حتیٰ کہ روشنی کو بھی اپنے اندر کھینچ کر جذب کر لیتا ہے اگر پھیل جائے تو یہ اپنی کہکشاں کو کھا جائے گا اور پھر نگلنے کا یہ عمل معمول کی بات ہوگی حتیٰ کہ سب کچھ بلیک ہول میں دفن ہوجائے گا۔

وجہ کوئی بھی ہو یہ حقیقت ہے کہ سب کی آخری حقیقت موت ہے۔مخلوقات کی قسمت میں مرنا ہے۔ثبات صرف خالق کے لئے ہے:۔

وَلَاتَدۡعُ مَعَ اللّٰہِ اِلٰـهًا اٰخَرَ ۘ لَاۤ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ كُلُّ شَىۡءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجۡهَهٗ ‌ؕ لَـهُ الۡحُكۡمُ وَاِلَيۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ ۝

’’اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہ بلاؤ،نہیں کوئی معبود مگر وہ۔ہر چیز ہلاک ہوجانے والی ہے،سوائے اس کی ذات کے۔حکم اسی کا ہے اور اسی کی طرف لوٹ جاؤ گے‘‘۔
(سورۃ القصص،آیت 88)

---------------------☆------------------------

باب نمبر 3

عالَمِ باطِن کی حقیقت

ابھی تک ہم نے ظاہر کی بات کی تھی۔ کائنات کی تخلیق اور اس کے آغاز اور انجام کی بات کی ہے لیکن اب ہم چیزوں کے باطن میں جھانکنے کی کوشش کریں گے۔

3.1 چیزوں کے ظاہر کی حقیقت

چیزوں کی حقیقت کیا ہے؟ اس حقیقت کی طرف سب سے پہلے ایک یونانی (Greek) سائنسدان فیثا غورث نے پیش رفت کی۔ یہ وہی فیثا غورث ہے جنہوں نے جیومیٹری کے حساب کی بنیاد رکھی اب بھی سکولوں میں اس کی قائمہ زاویہ والی مثلث (Right Angle Triangle) کی مساوات (Equation) پڑھائی جاتی ہے۔

فیثا غورث نے یہ سوچا کہ دراصل ہر چیز چھوٹے چھوٹے ذرات (Particles) سے مل کر بنی ہے، دریاؤں میں جو ریت آتی ہے وہ کبھی کسی پہاڑ کے ٹکڑے تھے ہیں ریت کے بھی آگے کئی ٹکڑے ہوں گے۔ اس سوچ سے فیثا غورث اس نتیجے پر پہنچا کہ بڑی بڑی چیزیں دراصل چھوٹی چھوٹی چیزوں سے بنی ہوئی ہیں۔ جو مزید چھوٹی چیزوں سے بنی ہیں۔ یوں چیزوں کو چھوٹا کرتے جائیں تو ایک حد پر وہ اتنی چھوٹی ہو جائیں گی کہ نظر بھی نہیں آئیں گی۔ چھوٹی سے چھوٹی چیز جو مزید چھوٹی نہ ہو سکے (The Smallest Particle of matter which cannot be further subdivided) اس نے اسے ایٹم کا نام دیا۔ عربی میں اسے ذرّہ کہتے ہیں۔ ہر چیز اپنے ایٹموں سے بنی ہوئی ہے جو اتنے باریک ہیں کہ انہیں دیکھنے کے لئے ایٹمی آنکھ چاہیے۔

فرض کریں اگر آپ وہ ایٹمی آنکھ ہوں تو پھر آپ کے لئے ظاہر کی دنیا پردہ غیب میں چلی

جائے گی اور باطن کی دنیا پردہ کے سامنے آجائے گی۔ اس وقت آپ کے سامنے صرف ایٹمی دنیا ہوگی چیزوں کا ڈیزائن آپ کی نظروں سے اوجھل ہو جائے گا۔ یعنی ایٹم کی سطح پر چیزوں کی باطنی حقیقت ان کا ایٹمی وجود ہے۔

1	4	16	64	256	3024

کسی بھی چیز کو توڑتے جاؤ۔ توڑتے جاؤ اگر توڑنے کا عمل جاری رہے تو آخر کار وہ ذرہ جس کو آپ معمول کے طریقوں سے مزید تقسیم نہیں کرسکتے آجائیگا اسے ایٹم کہا جاتا ہے۔ یہ انتہائی چھوٹا ہوتا ہے اس کے حجم کا یوں اندازہ لگالیں کہ ہائیڈروجن عنصر کے ایک گرام میں 6.24×10^{23} ایٹم یعنی (624000000000000000000000) ایٹم ہوتے ہیں
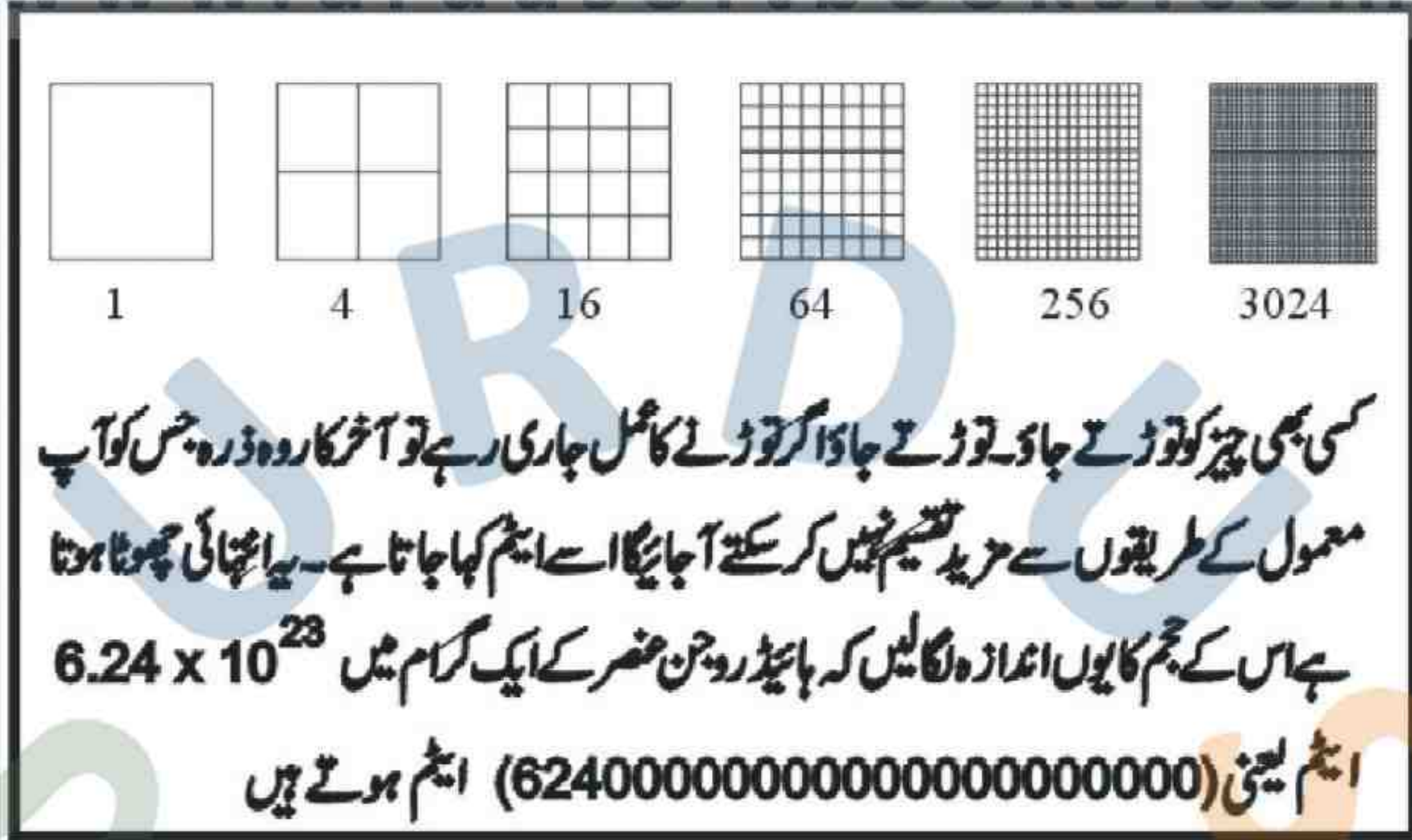
3.2 حقیقت اور سراب

ہم چونکہ چیزوں کی دنیا میں رہتے ہیں تو ہمیں چیزیں نظر آتی ہیں۔ مثلاً میز، کرسی، پنکھا، مکان، درخت اور پہاڑ نظر آتے ہیں۔ یہ ظاہر کی دنیا کے حقائق ہیں لیکن باطن کی دنیا میں ایسا نہیں۔ باطن کی نظر میں چیزوں کا ظاہر، ان کی اصل حقیقت نہیں ہے۔ باطن کے اندر جائیں یا جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے جب آپ ایٹم بن کر دیکھیں گے تو چیزوں کی یہ شکلیں نہیں ہونگی ان کی جگہ آپ کو ایٹم ہی ایٹم نظر آئیں گے۔ وہاں اس دنیا کی جگہ ایک ایٹمی دنیا **(Atomic World)** ہے یعنی اب جس کے متعلق آپ پوری اتھارٹی سے کہہ سکتے ہیں کہ یہ میز ہے ایٹمی دنیا میں وہ میز نہیں ہے۔ یہ صرف ظاہری بصارت کیلئے میز ہے۔ اپنے باطن میں یہ انتہائی رفتار سے حرکت کرتے ہوئے ایٹمی ذرے ہیں۔ کچھ لوہے کے، کچھ کاربن کے، کچھ ہائیڈروجن کے ان میں سے کوئی بھی میز نہیں ہے۔ اس مقام پر ڈیزائن، نظم اور ترتیب پردہ غیب میں چلے جاتے ہیں۔

یوں تمام حقیقت پل بھر میں بدل گئی۔

یا اولی الالباب

- حقیقت کے لامحدود مقامات (Levels) ہیں حقیقت کے اندر ایک اور حقیقت فطرت کا اصول ہے جو کچھ ظاہر میں نظر آتا ہے وہ باطنی حقیقت نہیں ہے۔ اور جو باطنی حقیقت ہے وہ بھی آخری حقیقت نہیں۔
- حقیقت ایک نسبتی چیز ہے جس کا تعلق شاہد (Observer) ہے۔
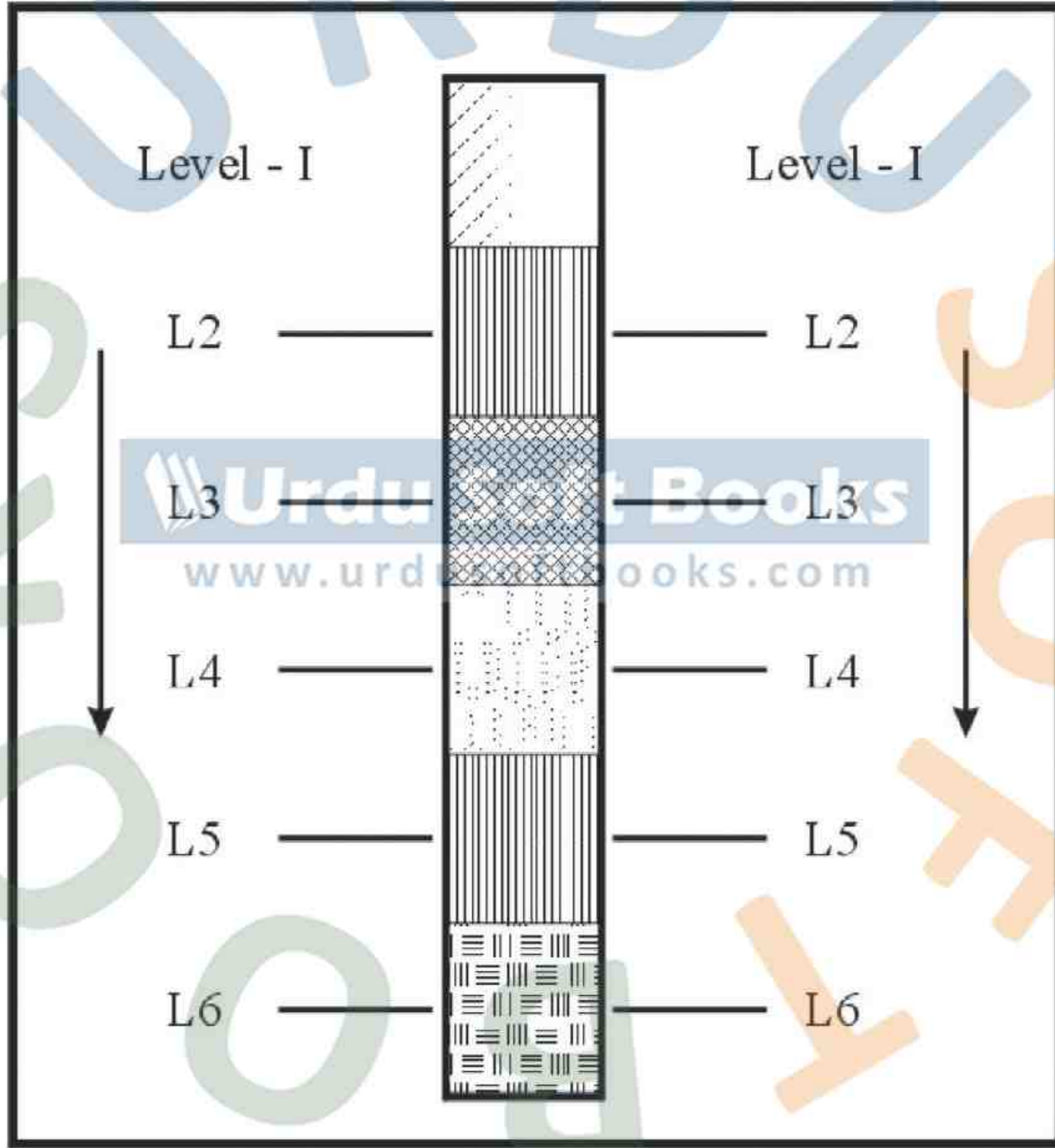
وجود کے بہت سے درجات (Levels) ہیں۔ ہر لیول اپنی جگہ ایک حقیقت ہے لیکن ہر دوسرے لیول پر بات بدل جاتی ہے۔ یعنی حقیقت کا تعلق مشاہدہ سے ہے "Reality is relative to the observer." یوں ہر لیول کی اپنی حقیقت ہے۔ جو لیول ون (Level

(One) کی حقیقت ہے وہ لیول ٹو (Level Two) میں جا کر ختم ہو جاتی ہے۔ لیول ٹو میں لیول ون کی حقیقت نہیں ہے اور لیول تھری میں لیول ٹو کی حقیقت نہیں ہے یوں یہ سب کچھ نسبتی امر Relative کی بات ہے جس پر انحصار اس پر ہے کہ کن حالات میں کس ماحول (Environment) میں کس لیول پر یا کس مقام پر بات ہو رہی ہے، یا کون بات کر رہا ہے۔

اس وجہ سے جب مادہ پرست (Materialist) روح کا انکار کرتے ہیں تو وہ ایسا اپنے لیول اور اپنی محدود سوچ کے مطابق کرتے ہیں۔ ان کا یہ کفران کی کم علمی اور کم سمجھی کا نتیجہ ہے۔ وہ انسانوں کے اجسام کو مانتا ہے لیکن ان کی روحوں سے انکار کرتا ہے اس لئے کہ اس کے پاس روحانی آنکھ نہیں ہے۔ وہ لیول ون پر بات کر رہا ہے لیکن جب مزید گہری سطحوں پر جائے گا تو وہاں پر اسے انسانی جسم نظر نہیں آئیں گے وہاں اسے ارواح ہی نظر آئیں گی۔ وہاں کی بات ہی کچھ اور ہے۔

اشیا اور کائنات

مالیکیول (Molecules)

ایٹم (Atom)

ظاہر

فوٹون　الیکٹران　نیوٹران　پروٹون

باطن

قوارکز　لپٹان

کئی قسم کے　کئی قسم کے

قوارکز　لپٹان

؟ ؟ ؟　بنیادی قوتیں　؟ ؟ ؟

ظاہر کی حقیقت مادی اور باطن در باطن کی حقیقت طاقت
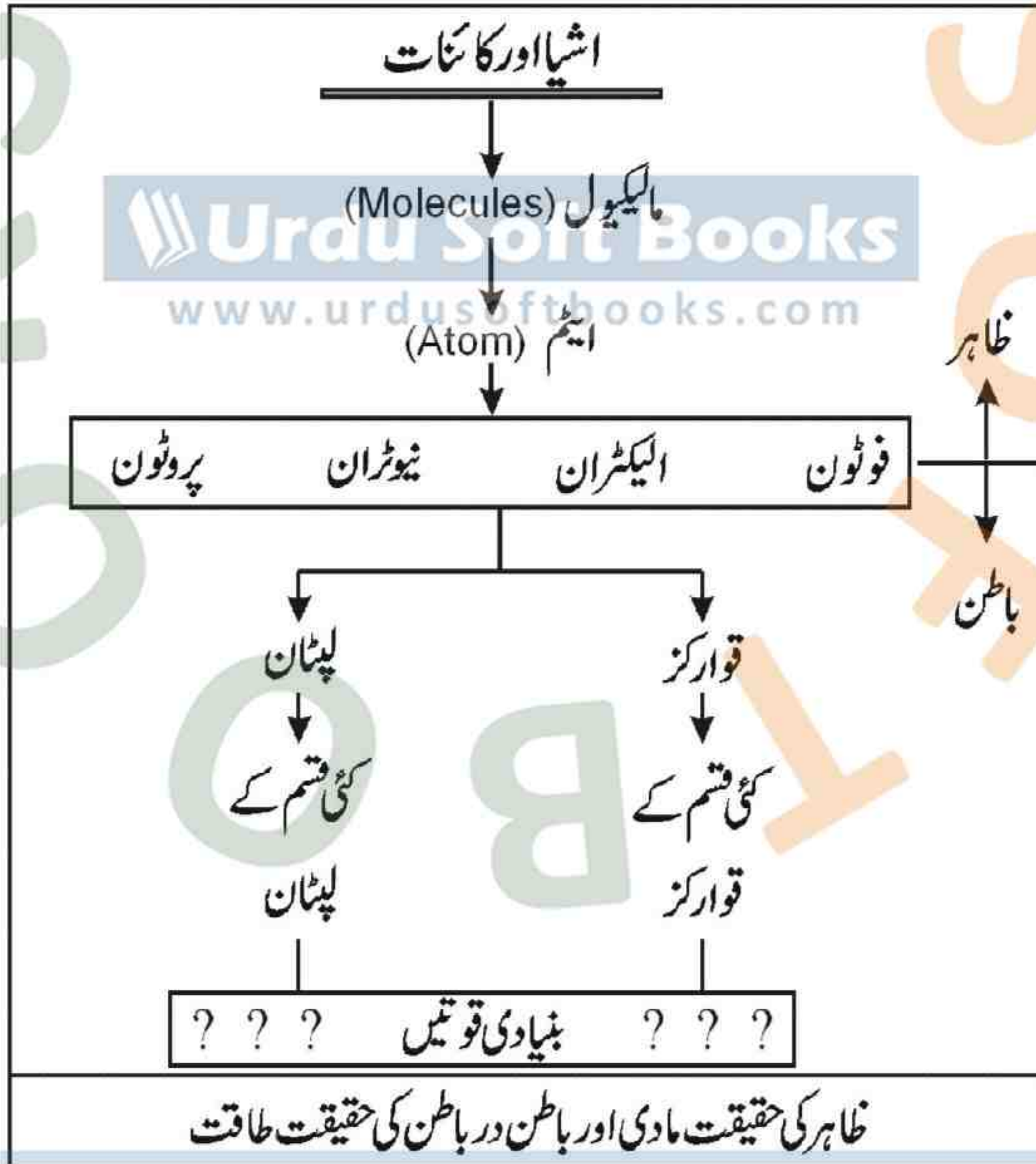
اسی بات کو آپ مندرجہ بالا دیئے گئے خانے (Box) میں دیکھیں۔ ہر مقام کی اپنی اپنی حقیقت ہے۔ عالم ظاہر میں جو تین چیزیں ہیں، ان کے اندر کی حقیقت ان کے عناصر کے ایٹم ہیں۔ ایٹم کی اپنی حقیقت اس کے وہ ذرات ہیں جن سے وہ بنا ہے اور ان ذیلی ایٹمی ذرات کی حقیقت مزید لطیف تر ہے، جس کا کوئی نام نہیں۔

قرآن انسان کو حقیقت در حقیقت کے سفر پر ابھارتا ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ ایک اٹھان کے اندر ایک اور اٹھان ہے اور اسکے اندر ایک اور حکم ربی ہے:۔

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَالْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ Oج
آپ فرمادیں زمین میں (تلاش حقیقت کے لئے) سفر کرو پھر دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے کیونکر چیزوں کو آغاز سے بنایا، اسکے بعد پھر اللہ تعالیٰ کیسے دوسری اٹھان اٹھاتا ہے؟ بے شک االلہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ (سورۃ العنکبوت، آیت 20)

3.3 عالم الغیب کی حقیقت

سمجھ میں آئے یا نہ آئے لیکن جیسے عالم شہادت ہے عالمِ غیب کی حقیقت بھی اپنی جگہ قائم دائم ہے۔ قرآن پاک میں آپ سورۃ البقرہ میں پڑھتے ہیں:

الٓمّٓ ﴿۱﴾ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۲﴾ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ

الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳﴾

"یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک وشبہ کی بات نہیں ہے" ان لوگوں کیلئے یہ ہدایت ہے جو متقی ہیں (اور متقی کون ہیں) جو **یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ** ہیں یعنی جو غیب پر ایمان لانے والے ہیں اور قائم کرتے ہیں نماز، اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا اس میں سے خرچ کرتے ہیں"۔

(سورۃ البقرہ، آیات 1-3)

عالم الغیب وہ عالم ہے جسے سمجھنے کے لئے ہمارے نارمل احساسات اور آلات کافی نہیں لیکن جیسے جیسے آلات ترقی کرتے جاتے ہیں اسی نسبت سے غیب عالم حاضر میں داخل ہوتا جاتا ہے۔ یوں سائنسی دریافتوں کی بنا پر وقت کے ساتھ ساتھ عام آدمی بھی عالم الغیب کی حدود میں آگے بڑھتا رہتا ہے۔ اسے معلوم ہوتا رہا ہے کہ یہ جو نظر آتا ہے وہ حقیقت کا صرف ایک رخ ہے باقی سب کچھ عالم الغیب میں ہے۔

غیب کے لامحدود مدارج (Infinite Levels) ہیں ان میں سے ایک ایک ہستی کا باطن ہیں یوں جو حقیقت ہمارے سامنے ہے اس کے پیچھے بھی بہت کچھ ہے۔ اس دیوار کے پیچھے دنیا ختم نہیں ہوگئی بلکہ کئی اور دیواریں ہیں۔ اس کمرے کے پیچھے مزید کمرے بھی ہیں۔ اس وجود کے باہر بھی بے شمار وجود ہیں اور اس کے اندر بھی مزید وجود ہیں۔ اگر انسان کسی چیز کو دیکھ نہیں سکتا تو اسکا یہ مطلب نہیں کہ وہ چیز نہیں ہے۔ اگر مشاہدہ میں اجسام ہیں تو باطن میں ان کی روحیں بھی ہیں۔

ساری بات ادراک (Perception) کی ہے مثلاً آپ جسے گرمی کہتے ہیں، اٹامک سائنٹسٹ اسے مالیکولز کی حرکت کہتا ہے، آپ کہتے ہیں یہ رنگ نیلا ہے، اور یہ رنگ سبز ہے لیکن سائنسدان کہتا ہے کہ رنگوں کا یہ ذہنی ادراک دراصل روشنی کی مختلف فریکیونسی (Frequencies) کا کمال ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ زمین ساکن ہے اور سورج چل رہا ہے جب کہ آئین سٹائن کہتا ہے

کہ آپ کا اپنا مشاہدہ ہے۔

ادراک کے حوالہ سے آسان مثال پانی کی ہے۔ عام حالات میں یہ مائع ہے لیکن یہ بھاپ بھی ہوسکتا ہے اور پتھر کی طرح سخت برف بھی۔ چیز ایک ہی ہے لیکن ادراک کی تین بالکل مختلف حالتیں ہیں۔ ایک باریک بین سائنسدان کے نزدیک پانی نہ برف ہے نہ بھاپ یہ تو ہائیڈروجن اور آکسیجن کے ایٹموں کا کیمیائی مرکب ہے یعنی اسکے نزدیک پانی کی اصل حقیقت ہائیڈروجن اور آکسیجن ہے، اس سے بھی باریک بین کے لئے پانی صرف پروٹون، نیوٹرون اور الیکٹران کی ایک خاص تنظیم (arrangement) کا نام ہے یعنی حقیقت دراصل دیکھنے والی آنکھ کے مختلف ادراک (Perceptions) کا نام ہے۔ سب ہی اپنی اپنی جگہ پر سچے ہیں تو پھر لڑائی کس بات کی۔

قرآن ہمیں ادراک کی گہرائیوں میں اتر کر چیزوں کی حقیقت جاننے کی دعوت دیتا ہے اسکے نزدیک سب سے بڑا گناہ وہ جہالت ہے جو انسان کو حقیقت کے انکار پر اکساتی ہے جبکہ قرآن کریم بتاتا ہے کہ حقیقت تمہارے سامنے ہے بشرطیکہ تم اسے تلاش کرو۔ بار بار تلاش کرو۔ فرمایا:۔

اَلَّذِیۡ خَلَقَ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ؕ مَا تَرٰی فِیۡ خَلۡقِ الرَّحۡمٰنِ مِنۡ تَفٰوُتٍ ؕ فَارۡجِعِ الۡبَصَرَ ۙ هَلۡ تَرٰی مِنۡ فُطُوۡرٍ ﴿۳﴾ ثُمَّ ارۡجِعِ الۡبَصَرَ کَرَّتَیۡنِ یَنۡقَلِبۡ اِلَیۡکَ الۡبَصَرُ خَاسِئًا وَّ هُوَ حَسِیۡرٌ ﴿۴﴾

"پاک ہے وہ ذات جس نے سات آسمان بنائے طبق در طبق کیا۔ کیا تو رحمٰن کے بنانے میں کوئی کمی دیکھتا ہے؟ پس نگاہ اٹھا، دوبارہ دیکھ، تجھے کوئی نقص نظر آیا؟ بار بار نگاہ دوڑاؤ تیری نظر تیری طرف پلٹ آئے گی حیرت زدہ اور عاجز ہو کر (لیکن تجھے کجی نظر نہیں آئیگی)" (سورۃ الملک، آیات 4-3)

مطلب یہ ہے کہ ریسرچ کرتے رہو بار بار نگاہ دوڑاؤ۔ خوب غور وفکر کرو تا کہ رحمٰن کی تخلیقات کی تہہ تک پہنچ سکو، اور وہاں سے اپنے خالق کی معرفت حاصل کرو۔ درحقیقت یہ حقیقت کے ایک درجہ سے دوسرے درجہ، اور وہاں سے تیسرے درجہ، اور پھر آگے بڑھتے جانے کا عمل ہے۔ حقیقت (جیسا کہ صوفیائے کرام کا کہنا ہے) ستر ہزار پردوں میں گم ہے۔ پردے کے باہر بھی حقیقت ہے اور جو پردے کے اندر بیٹھا ہے وہ بھی حقیقت ہے۔

3.4 مادہ اور توانائی کی حقیقت

جب آئن سٹائن نے یہ معلوم کرلیا کہ مادہ (Matter)، توانائی (Energy) میں تبدیل ہوسکتا ہے اور توانائی (Energy)، مادہ (Matter) میں تبدیل ہوسکتی ہے تو اس دریافت

حقیقت کا مشاہدہ ایک نسبتی امر ہے۔

حقیقت درحقیقت کی کچھ مثالیں

- ☆ ذرات (Molecules) کی حرکت کا نام Heat گرمی ہے۔
- ☆ چیزوں کی ظاہری حقیقت ان کے ڈیزائن میں ہے۔
- ☆ ایٹم کی حقیقت پروٹون، نیوٹران، الیکٹران کی باہمی تنظیم میں ہے۔
- ☆ پروٹون، نیوٹران اور الیکٹران کی حقیقت لپٹان اور کوارک جیسے لطیف تر ذرات ہیں۔
- ☆ رنگوں میں فرق دراصل روشنی کی فری کیونسی Frequency کی وجہ سے ہے۔
- ☆ آکسیجن اور ہائیڈروجن کے ایک خاص مرکب کا نام پانی ہے۔
- ☆ توانائی اور مادہ باہم شکل بدل سکتے ہیں۔
- ☆ بجلی، گرمی، رنگ سب مقناطیسی شعاؤں (Electromagnetic Radiation) کے مختلف درجات کے ادراک ہیں۔

کے بعد ایٹم کے ناقابل تقسیم حقیقت (Non-destructive Reality) ہونے کی بات ختم ہوگئی۔ سائنسدانوں کے سامنے نئے نئے جہاں کھلنے لگے۔ معلوم ہوا کوئی بھی چیز ہمیشہ کے لئے قائم ودائم نہیں ہے۔ قرآن کی بات سچ ثابت ہوگئی۔ ہر چیز فانی ہے، ایٹم بھی فانی ہے، یہ تباہ بھی ہوسکتا ہے اور تباہ ہوکر توانائی میں بدل سکتا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا اگرچہ توانائی کی حقیقت مادہ کی حقیقت سے مختلف ہے لیکن مختلف ہونے کے باوجود دونوں ایک ہی ہیں۔ مادہ اور توانائی ایک ہی وحدت کے جوڑے ہیں جن کا باہمی تعلق $E = MC^2$ کے فارمولے سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس فارمولے میں E توانائی، M مادہ اور C روشنی کی رفتار کو ظاہر کرتی ہے۔ یعنی مادہ اور توانائی کی باہمی حقیقت کا تعلق روشنی کے نور میں ہے۔

$$E = MC^2$$

$$E \overset{C^2}{\rightleftarrows} M$$

آئن سٹائن کی ان دریافتوں سے حقیقت جو فیثا غورث کے وقت سے Level One پر اٹکی ہوئی تھی، آگے بڑھ کر سے Level Two میں داخل ہوگئی۔

حقیقت کے اس مقام پر نہیں کہا جاسکتا کہ ''میں مادہ ہوں یا توانائی ہوں'' مادہ توانائی میں تبدیل ہوسکتا ہے اور توانائی مادہ میں تبدیل ہوسکتی ہے اور تبدیلی کا عمل ہر لمحہ جاری وساری ہے۔ ایٹم کے اندر بے سکونی کی وہ حالت ہے جو ہر آن بدلتی رہتی ہے۔ Transit Condition اس لئے قائم ودائم کیفیت ایٹم کی نہیں ہے یوں وہ لوگ جو کہتے تھے کہ ایٹم آخری حقیقت ہے اور اگر خدا ہے تو یہی ہے، غلط ثابت ہوگئے۔ حی وقیوم کوئی اور ہی اتھارٹی ہے۔

انیسویں صدی والے ایٹم کے قائم ودائم نظریہ کے حوالہ سے جہاں ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ دہریوں (Atheists) نے یہ سوال بھی اٹھایا کہ کیا تمہارا خدا ایٹم کو توڑ سکتا ہے؟ اگر توڑ نہیں سکتا تو پھر ایٹم خود خدا ہے۔ لیکن آئن سٹائن کی مادہ اور توانائی کے درمیان تعلق والی مساوات نے ان کی اس دلیل کی بھی نفی کردی۔ اس کے بعد یہ بات کھل کر واضح ہوگئی کہ مادہ میں صمدیت

نہیں ہے۔اس لئے وہ آخری حقیقت نہیں ہوسکتا۔آخری حقیقت تو الصمد ہی ہوسکتا ہے جو اپنی ذات میں بٹتا نہیں ہے۔جو اپنی ذات میں بٹ گیا وہ لاشریک رہا نہ وہ احد، نہ وہ صمد ہوا اور نہ ہی حی قیوم بے شک حقیقت اولی اللہ پاک کی ذات ہے:۔

اَللّٰہُ الصَّمَدُO لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْO وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ O

3.5 طبیعات اور مابعد الطبیعات کی حقیقت

علم کی اڑان اور سائنسی دریافتوں کے عمل کو جاری رکھنے کے لئے غیب پر ایمان لازمی شرط ہے اسی طرح روحانی مراتب میں متقی وہ ہوگا جو غیب کی حقیقت کو مانتا ہے۔ظاہر کی دنیا، آسمان وزمین، پہاڑ، پتھر، پانی، نباتات وحیوانات ہر ایک کے اندر لاانتہا باطن چھپے ہیں۔ان سے ماورا مزید لطیف تر حقائق بھی ہیں جن کے آگے عالم امر کی دنیا ہے جہاں وجود ختم ہو جاتے ہیں اور لاوجود کے حقائق شروع ہو جاتے ہیں۔وہاں کی دنیا کمپیوٹری زبان میں ہارڈ ویئر (Hardware) کی نہیں سافٹ ویئر (Software) کی ہے وہاں چیزیں نہیں بلکہ ان کا ڈیزائن ہے اس کے اوپر کی حقیقت روح ہے اور اس کے اوپر ارادہ (امر) ہے اور ارادہ کے اوپر ارادہ کرنے والا اولو الامر ہے۔فرمایا: **قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ** ''کہہ دو کہ روح میرے رب کا امر ہے'' وہاں 'کن' کا حکم ہے اور 'فیکون' کے احوال ہیں۔وہ ما بعد طبیعات کی دنیا ہے (Metaphysical World) لیکن تنہا نہیں بلکہ طبیعیات کی دنیا (Physical World) کے اندر ہی سے شروع ہوتی ہے۔دونوں دنیائیں آپس میں متصل بھی ہیں لیکن علیحدہ علیحدہ بھی۔ مثلاً اسلام میں عبادت کی شرط طہارت ہے جو کہ ایک طبیعیاتی بات ہے، صلواۃ کی شرط رکوع وسجود ہیں جو جسم کے طبیعیاتی عمل ہیں، زکواۃ کا عمل اپنی ملکیت کا کچھ حصہ حاجت مندوں تک پہنچانے میں ہے حج کا انحصار اسباب پر ہے۔یوں مابعد طبیعیات کی دنیاؤں کا راستہ طبیعیات سے ہو کر جاتا ہے۔اسی لئے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا تھی **رب ارنی حقائق الا شیاء**

اور آدم علیہ السلام کا اعزاز بھی علم الاشیاء تھا۔یعنی کمالِ باطن، کمالِ ظاہر میں ہے۔

امر Amr → مابعدالطبیعیات Metaphysics | طبیعیات Physics → واقعات Events

طبیعیات اور مابعدالطبیعیات کی دنیائیں علیحدہ علیحدہ بھی ہیں اور آپس میں متصل بھی۔ واقعات (Events) طبیعیاتی حالات میں تبدیلی کا نام ہیں جو پہلے باطن کی دنیا یعنی مابعد الطبیعیات میں جنم لیتے ہیں اور وہاں سے اتر کر طبیعیات کی دنیا میں ظہور پزیر ہوتے ہیں۔
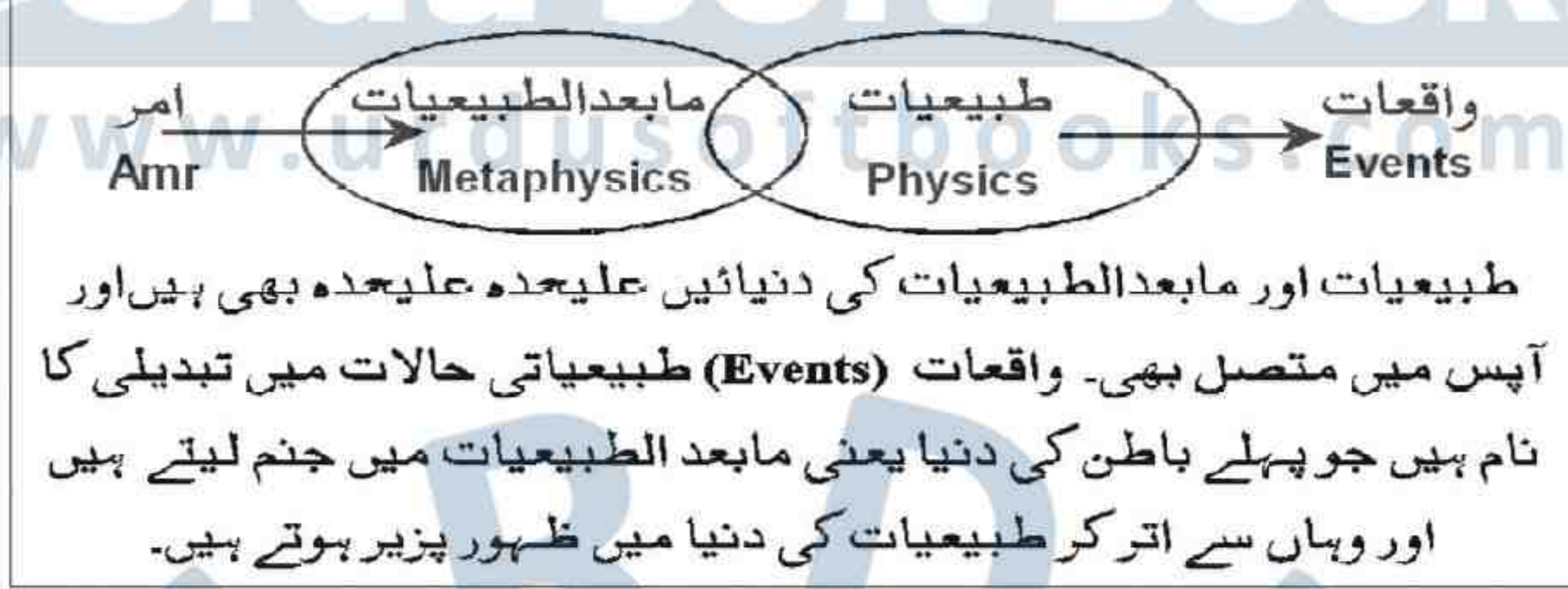
نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کائنات کی تخلیق سے پہلے اللہ تعالیٰ مانند ایک مخفی خزانہ کے تھا۔اس نے چاہا کہ میں اپنا عارف بناؤں جس کیلئے اس نے یہ سب کچھ پیدا کیا،یعنی انسان غایت کائنات ہے اور کائنات اسکے خالق کے وجود کی سب سے بڑی گواہی ہے۔اسی لئے قرآن کریم میں بار بار طبیعیاتی مظاہر مثلاً آسمانوں،سورج،ستاروں،زمین،دریا،سمندر،پہاڑوں، جمادات،نباتات وحیونات پر غور کی دعوت دی گئی ہے۔اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''ایک رات کا غور وفکر عابد کی سال بھر کی عبادت سے افضل ہے''۔سائنس کا عمل بھی اسی غور وفکر کا حصہ ہے۔اسلئے حقیقت تک پہنچنے کیلئے سائنس اور مذہب دونوں لازم وملزوم ہیں۔خالق مخلوق سے علیحدہ نہیں اور مخلوق کو خالق سے علیحدہ نہیں کیا جاسکتا،ظاہر باطن کے اندر ہی سے نکلتا ہے۔ روح اور جسم کا تعلق بھی یہی ہے۔خالی روحانیات ایک سراب ہے اور محض مادیات بھی ایک دھوکہ ہے۔حقیقت کے کلی ادراک کیلئے دونوں کا ساتھ ضروری ہے۔جیسے نماز کیلئے وضو۔عمل کیلئے نیّت۔

3.6 ایٹم کی شناخت

1920 تک ایٹم کو ایک ایسا ٹھوس ذرہ Particle سمجھا جاتا تھا جس کے مزید حصے بخرے نہیں ہوسکتے تھے یوں مشاہدہ کے لحاظ سے وہ حقیقت کی آخری منزل تھے لیکن 1928 میں برطانوی سائنسدان رتھر فورڈ (Ruther Ford) اور 1932 میں سویڈن کے سائنس دان نیل

بوہر (Neil Bohar) نے اعلان کیا کہ ایٹم درحقیقت مزید چھوٹے ذرات کا مجموعہ ہے۔ اسکی ساخت میں ایک نیوکلیس (Nucleus) ہے جس میں نیوٹران (Neutron) اور پروٹون (Proton) ہوتے ہیں اوراس کے باہر الیکٹران ہیں جو اپنے اپنے مدار میں رہ کر نیوکلیس میں موجود ذرات کا ہر وقت طواف کرتے رہتے ہیں۔

تتفکّروا یا اولی الالباب

- کیا ایٹم چیزوں کی آخری حقیقت ہے؟
- نہیں۔ ایٹم بذات خود مزید لطیف ذرات کا مجموعہ ہے۔
- کیا یہ لطیف ذرات چیزوں کی آخری حقیقت ہیں؟
- آئن سٹائن نے کہا۔ نہیں۔ مادہ توانائی میں تبدیل ہوسکتا ہے۔
- کیا توانائی آخری حقیقت ہے؟
- نہیں یہ بھی نہیں۔۔۔۔

Nucleus
Electrons
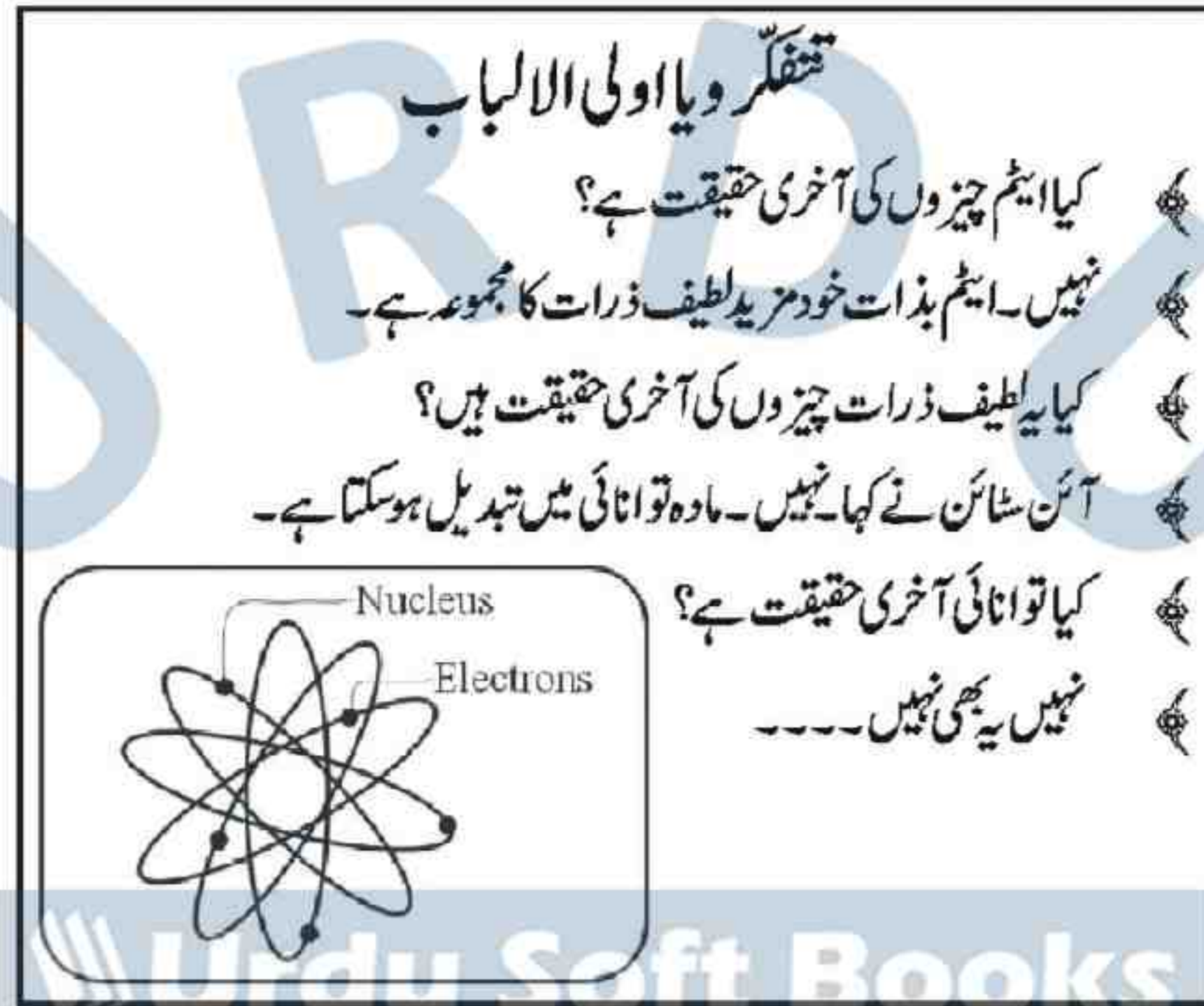
یوں ایٹم کی حقیقت Level -3 سے Level -4 تک پہنچ گئی۔ حقیقت کی طرف سفر میں یہ ایک بہت بڑی چھلانگ تھی۔ اس کے فوراً بعد دیگر سائنسدانوں نے یہ سوچنا شروع کیا کہ کیا پروٹون آخری حقیقت ہے؟ صمد پروٹون ہے، نیوٹران ہے یا الیکٹران ہے؟ مزید دریافتوں سے معلوم ہوا کہ ان میں سے کوئی بھی صمد نہیں۔ یہ تو بذات خود مزید چھوٹے چھوٹے نہ نظر آنے والے ذرات invisible particles سے بنے ہوئے ہیں۔ جن ذرات سے نیوٹران اور پروٹون بنتے ہیں ان کا نام انہوں نے قوارک (Quark) رکھ دیا، بات یہی نہیں رکتی بلکہ مزید چھان بین سے معلوم ہوا کہ الیکٹران بھی آخری حقیقت نہیں بلکہ وہ بھی اپنے سے مزید چھوٹے ذرات particles سے بنا ہوا ہے جس کا نام لیپٹان (Lepton) رکھا گیا لیکن یہ بھی آخری بات ثابت نہ ہوئی مزید تحقیق سے معلوم ہوا کہ قوارک اور لیپٹان بھی کئی قسموں کے ہیں جیسے ایک خاندان کے

افراد کے نام، شکلیں اور رنگ روپ ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔اسی طرح قوارک بھی کئی اقسام کے ہیں اور بہت سارے ہیں۔اس نئی حقیقت نے واضح کر دیا کہ الیکٹران اور ان سے چھوٹے ذرات (Sub Particles) میں بھی صمدیت نہیں ہے کیونکہ یہ مزید سادہ اجزا Simpler Particles سے بنے ہوئے ہیں۔ 80-1970ء کے درمیان یہ دریافت ہوا کہ نہیں یہ بھی صمد نہیں ہیں ۔ یہ تو صرف اور صرف توانائی کے مرگولے ہیں۔ یہ Energy کے چھوٹے چھوٹے گولے ہیں جن کا نام فوٹان Photon رکھ دیا گیا جو مادہ اور توانائی پر مشتمل ایک ایسی حقیقت ہے جہاں یہ دونوں میں اپنا اپنا مقام بدلتے رہتے ہیں۔کبھی مادہ (Matter) اور کبھی توانائی (Energy) کی صورت میں ہوتے ہیں۔یوں معلوم ہوا کہ مادہ کی آخری حقیقت شاید مادہ اور توانائی کا ملغوبہ ہے لیکن جرمن سائنس دان ہیزن برگ (Hezen Burgh) نے تمام سائنسی مفروضوں کو یہ ثابت کر کے چکنا چور کر دیا کہ کسی سائنسی پیائش کے بارے میں یقین (Certainity) سے کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا۔یعنی انسان حقیقت تک کبھی بھی نہیں پہنچ سکے گا۔اس نظریہ کو ہیزن برگ کا غیر یقینی والا نظریہ (Hezen Burgh's law of uncertainity) کہا جاتا ہے۔

ادراک حقیقت (Perception of Reality)

- o چیزوں کا ظاہر ان کے باطن سے مختلف ہے۔
- o مکان کی حقیقت عمارتی میٹریل جمع محنت جمع ڈیزائن ہوتی ہے۔
- o عمارتی مواد کی حقیقت ان کے عناصر، ڈیزائن کی حقیقت خواہش، محنت کی حقیقت توانائی اور عناصر کی حقیقت ان کے مسالے اور ایٹم ہیں۔
- o ایٹم کی حقیقت ان کے پروٹون اور نیوٹرون اور الیکٹران ہیں۔
- o پروٹون اور نیوٹرون کی حقیقت قوارک (Quarks) ہیں۔
- o الیکٹران کی حقیقت لیپٹان Lepton ہیں۔

- قوارک اور لیپٹان کی حقیقت توانائی کے مرغولے اور انہیں جوڑنے والی بنیادی قوتیں ہیں۔
- قوتوں کی حقیقت قوتِ واحدہ (Singularity) ہے۔
- قوت واحدہ رب تعالیٰ کے امر کا اظہار ہے۔
- امر ربی کی حقیقت رب تعالیٰ کی اپنی ذات پاک ہے۔

3.7 سائنس کی انتہاء

ایٹم کی ساخت کے متعلق، حقائق کو آگے بڑھاتے ہوئے پاکستان کے نوبل انعام یافتہ سائنسدان ڈاکٹر عبد السلام اور کچھ چینی سائنسدانوں نے 1970 - 1960 میں یہ ثابت کیا کہ انتہائے حقیقت میں ایٹم صرف چند قوتوں کا مجموعہ ہے جو بظاہر چار ہیں لیکن اصل میں یہ چاروں بھی ایک ہی قوت کے چار مظہر ہیں۔ جیسے بھاپ اگر چہ اپنی نوعیت میں بہت مختلف ہے لیکن ہے پانی کا ہی مظہر۔ انہوں نے کہا توانائی بھی انہی قوتوں کی مظہر ہے۔ یہ کام کرنے کی صلاحیت ہے۔ (Energy is the capacity to do work). مثلاً میں نے اس گلاس کو اٹھایا تو میں نے کچھ توانائی (Energy) صرف کی ہے۔ یہ بھی نہیں بلکہ میں نے اس طاقت کی مخالفت کی ہے جو چیز کو اپنی پہلی حالت پر رکھنے کے لئے مصر ہے اس لئے توانائی (Energy) اصل بات نہیں ہے اصل بات طاقت (Force) ہے، وہی طاقت (Force) جو بگ بینگ Big-Bang میں تھی وہاں بھی ایک Force ہی تھی، وجود نہیں تھا۔

یوں حقیقت کا نیا روپ سامنے آیا کہ بڑی سے بڑی چیز کی حقیقت اور چھوٹی سے چھوٹی چیز کی حقیقت ایک ہی ہے۔ Universe کی حقیقت بھی Force ایٹم کی حقیقت بھی Force ہے۔ اسی طاقت سے ہر چیز اپنے محور پر گھوم رہی ہے اور قائم ہے۔

سائنسدانوں نے کہا کہ یہ طاقت (Force) چار اقسام کی ہے۔

1۔ کشش ثقل کی طاقت (Force of Gravity) (جس کے متعلق ہم پہلے بات کر

چکے ہیں)

2۔ برقی مقناطیس (Electro Magnetic Froce)۔بجلی، مقناطیس، ٹیلی ویژن کے سگنلز، یہ سب Electro Magnetism ہیں۔

3۔ ان کے علاوہ ایک فورس وہ ہے جو ایٹم کو پکڑے ہوئے ہے جسے مرکزی مضبوط طاقت (Strong Nuclear Force) کا نام دیا گیا ہے

4۔ چوتھی فورس وہ ہے جو ایٹم کے مرکز کو توڑنے کے عمل (Radioactivity) میں مشغول ہے جسے (Weak Nuclear Force) کا نام دیا گیا ہے۔ ایٹم جب اوپر کے درجہ سے نیچے کی طرف گرتا ہے تو اسی طاقت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اس عمل کو ریڈیائی موت (Radioactive Decay) کہتے ہیں جو اکثر عناصر میں ہوتا رہتا ہے۔یعنی ایٹم کے اندر ہی اس کی حیات اور موت کا سامان بند ہے۔

حقیقت کے اس سفر پر اگر آپ غور کریں تو ہماری سوچ کہاں سے کہاں پہنچ گئی ہے۔ایٹم کو غیر منقسم ماننے کے بعد ہم ایٹم سے پروٹون، نیوٹران اور الیکٹران کی حقیقت تک پہنچے اور وہاں سے لیپٹان اور قوارک تک پہنچ گئے لیکن یہ بھی آخری ثابت نہ ہوئی۔یعنی دراصل ایٹم کی حقیقت کا انحصار بھی مشاہدہ پر ہے۔ ظاہری آنکھ جسے ایٹم کہتی ہے وہ اندر سے ایک پوری دنیا (Atomic World) ہے۔اس میں اگر آپ لیپٹان (Lepton) بن کر دیکھیں گے تو پھر آپ کے نزدیک نہ نیوکلیس (Nucleus) ہیں نہ کچھ اور ہم تو بس Lepton ہیں اور دنیا محض Lepton کے لئے ہے۔لیکن اگر طاقت (Force) بن کر سوچیں گے تو کہیں گے کہ سارا کھیل طاقتوں (Forces) کا ہے۔ مطلب یہ کہ حقیقت درحقیقت ایک نسبتی امر ہے۔کوئی مشاہدہ کرنے والا اپنے مقام کی نسبت سے جسے حقیقت قرار دیتا ہے کسی دوسرے مقام سے مشاہدہ کرنے والے کے نزدیک وہ غلط بھی ہو سکتا ہے۔شاید اسی لئے قرآن حکیم میں کہا گیا ہے ہر عالم کے اوپر ایک اور عالم ہے۔

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم استغفر اللہ استغفر اللہ بہت پڑھا کرتے تھے۔ایک دفعہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھی

لیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو گناہوں سے پاک ہیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کس بات کا استغفار کرتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں کل والے مقام سے توبہ کرتا ہوں اور مزید فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم جس مومن کا آج اس کے کل سے بہتر نہیں وہ خسارے میں رہ گیا۔ یعنی مومن کو سچائی کے راستہ پر مسلسل درجہ بدرجہ آگے بڑھتے رہنا چاہیے۔ اولی الالباب کے لئے حقیقت کی رسائی کا سفر قربِ الٰہی کی طرف بڑھتے ہوئے درجات کا سفر ہے۔

3.8 طاقتوں کی حقیقت قوت واحدہ

فورسز کی بات ہو رہی تھی۔ ڈاکٹر عبدالسلام اور ان کے کچھ ساتھی سائنسدانوں نے کہا کہ ایٹم بظاہر چار فورسز کا مجموعہ ہے لیکن ہوسکتا ہے کہ یہ بھی ایک ہی چیز کے چار مختلف رنگ (Colours) ہوں۔ ایسے جیسے پانی گلاس میں پڑا ہوا ہے تو یہ مائع (Liquid) ہے اگر فرش پر گر گیا تو تھوڑی دیر کے بعد بخارات (Vapour Form) میں تبدیل ہو جائے گا، ریفریجریٹر (Refrigerator) میں رکھ دیا تو یہ برف بن جائے گا۔ اگر کسی شخص نے پانی کو بخارات یا ٹھوس حالت میں نہیں دیکھا وہ کہے گا کہ پانی تو بس مائع ہی ہوتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ آپ جس حقیقت کو جانتے ہیں اسی کا پرچار کرتے ہیں۔

اسی طرح ایٹم کی بناوٹ میں چار طاقتیں (Forces) درحقیقت ایک ہی طاقت کے چار رخ ہوسکتے ہیں۔ عبدالسلام اور ان کے ساتھیوں نے دو فورسز کو ایک ثابت کر کے دکھا دیا جس بات پر انہیں Noble Prize مل گیا۔ اب نظر آتا ہے کہ بقیہ طاقتیں بھی ایک قوت واحدہ کی ہی مختلف شکلیں ہیں۔ قوت واحدہ سائنس کی انتہا ہے اسکا نام (Grand Singularity) رکھا گیا ہے۔ اسلام کی یہیں سے ابتدا ہوتی ہے۔ اس قوت واحدہ کا سبب وہی بگ بینگ والا امر ''کن'' ہے۔ جو ہر چیز کا سبب ہے، ظاہر میں نظر آنے والی چار قوتیں بھی امر ربی کے ہی مختلف رنگ (Reflections) ہیں۔ یعنی طبعیات کی آخری حقیقت وحدت ہے، جو قرآن کریم کی ابتداء

ہے۔اسی لئے ہم کہتے ہیں جو سائنس کی انتہا ہے وہ کلامِ الٰہی کی ابتدا ہے۔
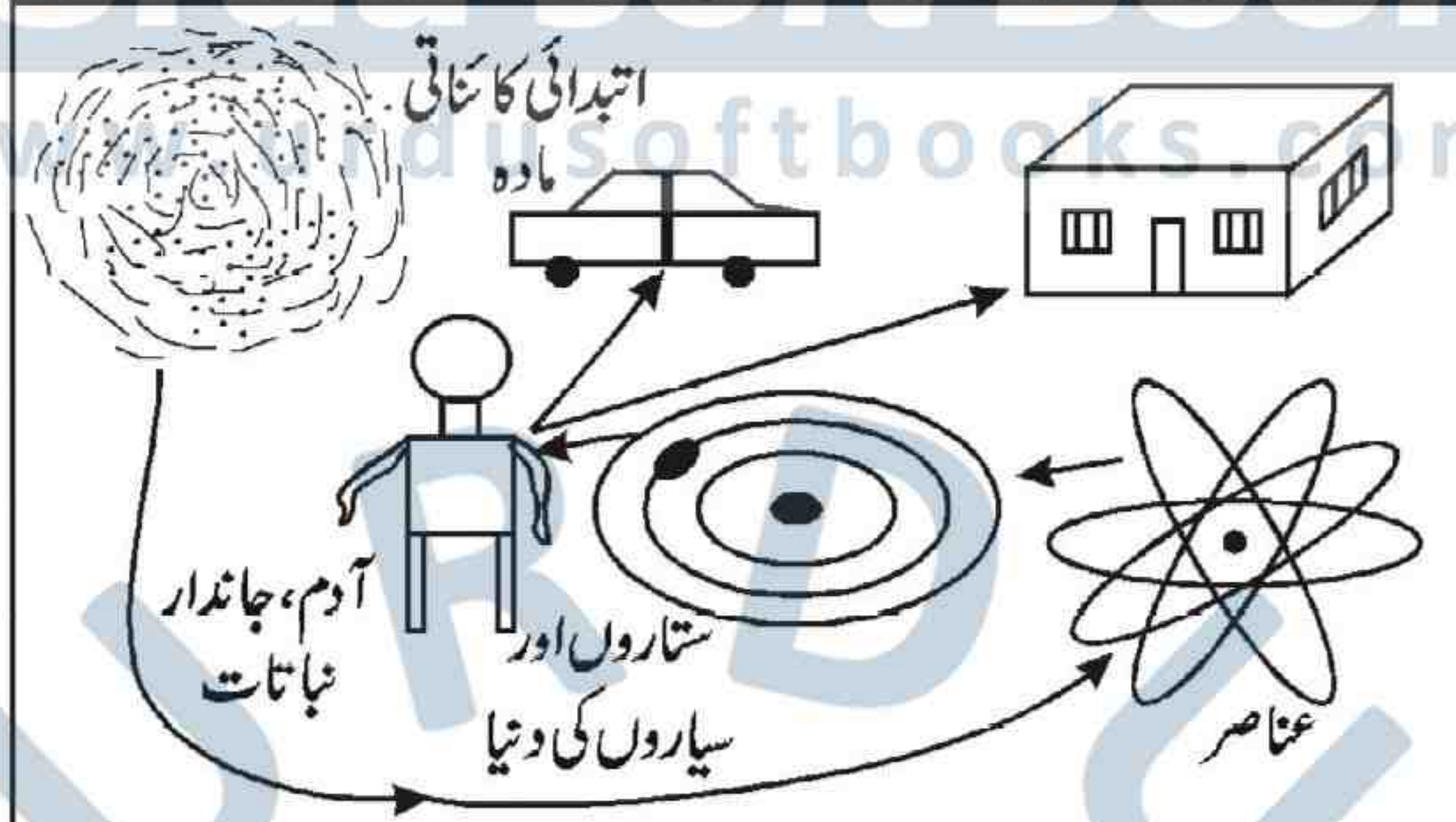
تمام چیزیں ایٹوں کا مجموعہ ہیں اور ایٹم چند طاقتوں کا مظہر ہے یعنی چیزوں کی انتہائی باطنی کیفیت وہی طاقت ہے جس سے ایٹم قائم ہے اور اپنی ابتدائی حقیقت ہیں یہ سب ایک رتق (Primodial Matter Energy Soup) میں بند تھے۔

3.9 ارادہ اور امر کی حقیقت

اب یہاں پر پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ طاقت (Force) کیسے کام کرتی ہے اور اس سے کون کام کرواتا ہے؟ ابھی ہم ذکر کر چکے ہیں کہ فورس کام کرنے کی صلاحیت کا نام ہے۔فرض کریں میں ایک گلاس اٹھاتا ہوں۔فورس لگائی اور کام ہوگیا۔آپ چل رہے ہیں لکھ رہے ہیں غرض کچھ بھی کر رہے ہوں، اُٹھتے بیٹھتے سوتے، ہر وقت ہم سب طاقت Force صرف کر رہے ہیں۔ لیکن کیوں؟ کیا Force سے آگے بھی کچھ ہے جو اسے کام پر لگاتا ہے؟ مثلاً میں گلاس اٹھا رہا ہوں۔اس کے لئے میں اپنے ذہن میں ایک ارادہ کرتا ہوں۔میرا گلاس اُٹھانا اس ارادہ کی تکمیل ہے۔ ہر کام کے پیچھے کسی نہ کسی کا ارادہ چلتا ہے، ارادہ حکم دیتا ہے۔وہ میرے دماغ کے کچھ Cells کو چلاتا ہے اس کے بعد ضروری حساس تار (Neurons) حرکت میں آجاتے ہیں ایک ہلچل مچ جاتی ہے کہ فلاں چیز اٹھانی ہے اور فلاں طریقے سے اٹھانی ہے۔دل و دماغ کے

لاکھوں حساس خلیات میں تیزی آ جاتی ہے صرف ایک ارادے پر۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آخری حقیقت قوت بھی نہیں ہے۔حقیقت کا ایک اور لیول ہے اور وہ ہے ارادہ۔ارادہ کو عربی میں امر کہتے ہیں۔ تو بنیادی Fundamental حقیقت امر ہے۔ خیال (Thought) منصوبہ بندی (Plan) اور ڈیزائن (Design) یہ سب امر کی ثانوی شکلیں ہیں اور آخری حقیقت امر والا ہے۔مسبب الاسباب۔

اس سے ثابت یہ ہوتا ہے کہ کسی بھی کام کا اصل محّرک کسی کا ارادہ ہے۔روزمرہ کے کاموں میں ارادہ فرد واحد کا چلتا ہے جتنا بڑا ارادہ اتنا ہی بڑا کام۔یوں بڑے آدمی اور چھوٹے آدمی میں فرق ارادے کی مضبوطی اور بڑائی کا ہے۔فرد کے ارادہ کے علاوہ کسی بھی سوسائٹی کا ایک مجموعی ارادہ بھی ہوتا ہے۔یہ افراد کے ارادوں کا ہی نتیجہ ہوتا ہے لیکن اس پر کسی ایک فرد کا کنٹرول نہیں ہوتا۔ماب سائیکالوجی (Mob Psychology) کی بھی یہی حقیقت ہے۔چونکہ بہت سے معاشروں کا مجموعہ قوم ہوتی ہے اس لئے قوم کا مجموعی شعور اور ارادہ بھی اسکے تمام افراد کے مجموعہ کا ارادہ (Collective Thinking) ہوتا ہے۔ترقی یافتہ اقوام اور غیر ترقی یافتہ اقوام میں فرق بھی ان کے مجموعی شعور کی وجہ سے ہے۔قرآن کریم سے ظاہر ہوتا ہے کہ کسی قوم کی حالت اس قوم کے افراد کے مجموعی مائنڈ (Mind) کی حالت کے مطابق ہوتی ہے اور بے شک جیسے قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے:۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُوْا مَا بِقَوْمٍ حتّٰی يُغَيِّر مَا بِاَنفُسِهِم

بے شک اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت کو اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ بدل نہیں لیتے جو ان کے نفوس میں ہے۔(سورۃ الرعد، آیت 11)

افراد کے ارادے	←	سوسائٹی کا ارادہ
سوسائٹیوں کے ارادے	←	قوم کا ارادہ
قوم کا ارادہ	←	قوم کی قسمت

ہوسکتا ہے آپ اپنے ارادہ کے خود خالق نہ ہوں بلکہ اسکا کوئی اور سبب ہو اس سبب کے پیچھے بھی کوئی اور سبب ہوسکتا ہے۔ یوں ہر امر کے اوپر ایک اور امر کام کرتا ہے اس طرح امر کی حقیقت بھی حقیقت در حقیقت ہے اور آخری امر (Ultimate Order) اللہ تعالیٰ کا امر ہے جسے قرآن حکیم 'امر ربی' کا نام دیتا ہے۔ اگر وہ نہ چاہے تو ہم چاہ بھی نہیں سکتے لہذا Ultimate Reality کیا ہے؟ امر ربی۔ صرف امر ربی۔ ہمارا ہر فعل، سوچ، حرکت امر ربی کی اجازت کے اندر مضمر ہے۔ یہی اجازت ہماری تقدیر ہے جسے محنت اور سوچ سے بروئے کار لانا ہوتا ہے لیکن اگر قادر مطلق کی اجازت نہ ہو تو پھر کچھ بھی نہیں ہوسکتا۔

یوں Universe کا اندر اور باہر دراصل ایک ہی چیز ہے۔ ایک فورس جس کے کئی رنگ ہیں۔ وحدہ لاشریک کا امر۔ یہ وہ قوت واحدہ ہے جس کا نام سائنسدانوں نے Singularity رکھا ہے۔ تو آخری حقیقت کیا ہے؟ قوت واحدہ، تمام فورسز اور تمام طاقتوں کا وہی منبع ہے، تمام وجودوں کا وہی وجود ہے جس نقطے پر انسان آج بیسویں صدی کے آخر میں پہنچا ہے۔ ساڑھے چودہ سو سال پہلے اس حقیقت کو **لا الٰہ اِلّا اللّٰہ** کے فارمولا میں بتا دیا گیا جو اسلام کی بنیاد ہے۔

یا اولی الالباب

- o ہر حقیقت اپنے اظہار کے لئے بیتاب ہے۔ ڈھونڈنے والے کو پکار رہی ہے۔
- o حقیقت کا ادراک ایک نسبتی (Relative) امر ہے جس کا انحصار شاہد (Observer) پر ہے۔
- o آخری حقیقت خالق کا امر ہے۔
- o حقیقتِ اولیٰ **لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ** کا راز ہے

3.10 امر ربی

ابھی تک ہم یہ کہہ چکے ہیں چیزوں کی حقیقت نسبتی ہے۔ حقیقت کا ایک لیول دوسرے

لیول پر ایک سراب (deception) کی حیثیت رکھتا ہے۔تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ لیول ون، لیول ٹو، لیول تھری حتیٰ کہ آخری حقیقت کا (Level Infinity) ہے جو سب کا انتہائی باطن ہے۔ نسبتاً یہ سب لیول دھوکے (deception) ہیں **اِلّا مَاغرور**۔ حتیٰ کہ ہمارے ارادے بھی ہمارے نہیں ہیں کسی اور کے ارادے ہیں۔ہم چاہ بھی نہیں سکتے اگر وہ نہ چاہے (الا ماشاء اللہ)۔ اُسکی اجازت کا نام امر ربی ہے۔اسی لئے جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہودیوں نے پوچھا کہ روح کیا ہے؟ تو آپ اس بحث میں نہیں پڑے کہ وہ ایک نوری جسم (Energy body) ہے یا Energy (توانائی) کی کوئی اور حالت ہے۔آپ نے آخری بات کہہ دی کہ **قل الرّوحُ مِنۡ اَمۡرِ ربّی** یعنی روح میرے اللہ تعالیٰ کے امر سے ہے۔(سورۃ بنی اسرائیل، آیت 85)۔وہ جو ہر چیز کی آخری حقیقت ہے۔

امر دراصل حکم ہے جو کسی ارادہ کو عملی جامہ پہنانے کے لئے دیا جاتا ہے۔فرمایا:۔ ''بیشک اسکا امر یہ ہے کہ جب اس نے ارادہ کیا کسی چیز کا تو اسکو کہہ دیا ہو جا، پس وہ ہوگئی'' (سورۃ یٰسین، آیت، 82)۔یہ تو اللہ تعالیٰ کی بات ہے۔انسان بھی جب کوئی کام کرتا ہے تو پہلے اسکے ذہن میں ایک ارادہ پیدا ہوتا ہے۔پھر وہ ارادہ ایک منصوبہ بنتا ہے پھر ایک امر پیدا ہوتا ہے جو انسان کے دماغ اور جسم کو اس منصوبہ کو پورا کرنے کی طرف لگا دیتا ہے اور انسان کی یہ قوتیں حاصل اسباب کا استعمال کرتی ہوئی اسے عملی جامہ پہنانے کی طرف لگ جاتی ہیں۔غرض واقعات کیوں معرض وجود میں آتے ہیں؟ اسکی وجہ امر ہے، وہ کیسے وجود میں آتے ہیں؟ اسکی وجہ قوت ہے جو امر کے حکم پر حرکت میں آتی ہے۔قوت پھر مادی ذرائع کو کام پر لگاتی ہے یوں لا وجود سے امر اتر کر عالم شہود میں وجود بن کر نظر آنے لگتا ہے۔اس طرح امر جس کا تعلق مابعد الطبیعیات سے ہے اور قوت جسکا تعلق طبیعیات سے ہے اِن کے باہمی عمل سے واقعات تخلیق ہوتے ہیں۔اور یہ سب حقیقت کل (Absolute Reality) کے تابع ہیں۔

حقیقت اولیٰ

عالم مابعد الطبیعیات

عالم طبیعیات

امر

اسباب

واقعات
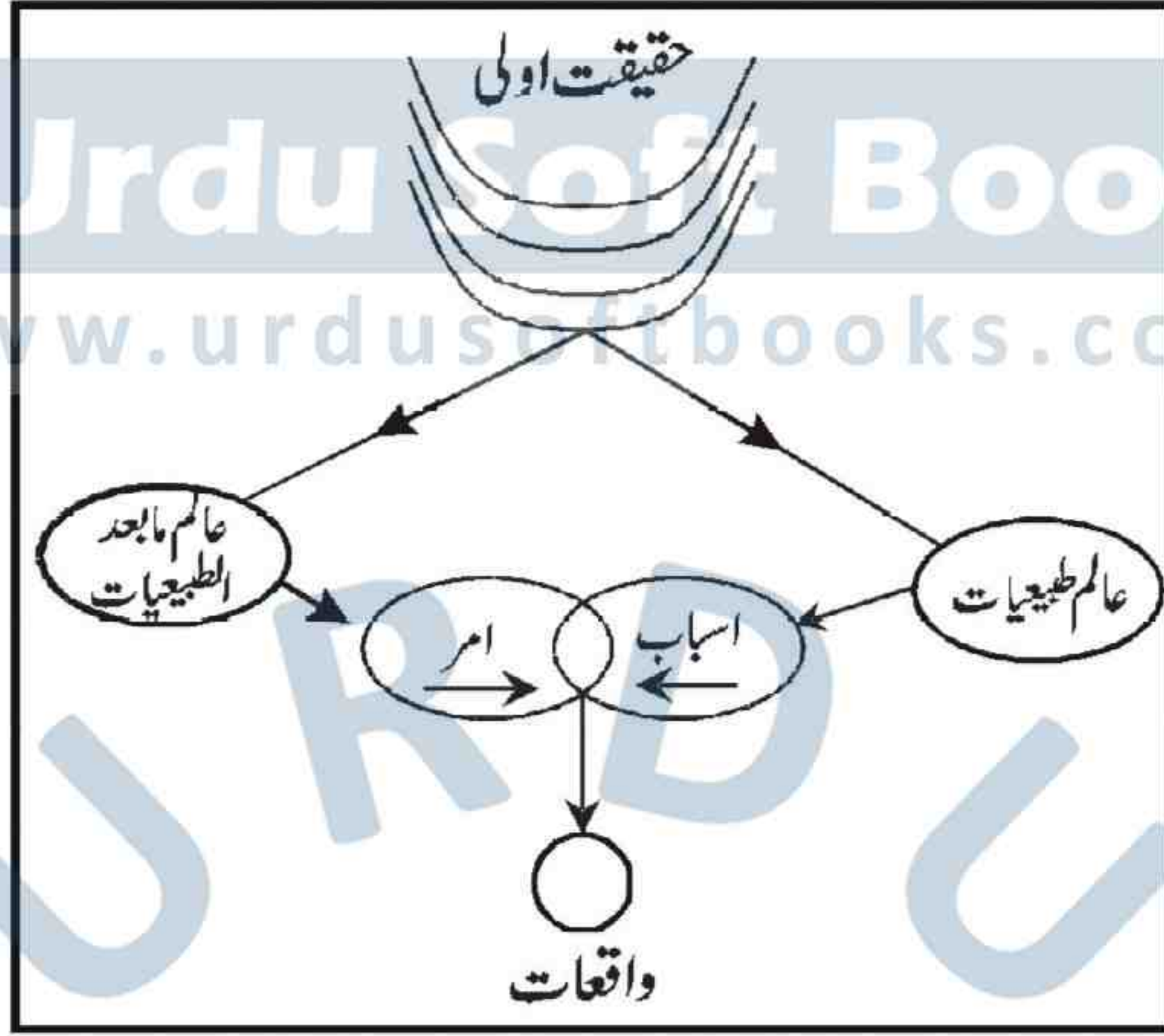
3.11 وجود اور خلا کی حقیقت

اب میں آپ کی توجہ ایک اور چیز کی طرف دلانے لگا ہوں کہ جسے آپ ٹھوس یا مائع وجود سمجھتے ہیں یہ بھی نظر کا دھوکا ہے۔ حقیقت میں 99.9999 فیصد خلا ہے آپ جانتے ہی ہیں کہ ایٹمی لحاظ سے مادہ کا ایک لیول Nucleus ہے۔ جس کے اردگرد الیکٹران طواف کر رہے ہیں۔ نسبتی طور پر اگر کہا جائے کہ اس نظام میں نیوکلیس Nucleus کا سائز ایک سینٹی میٹر ہو تو اس نسبت سے الیکٹران کا پہلا مدار (Shell) مرکز سے دو لاکھ سینٹی میٹر کے فاصلے پر ہوگا۔ ان کے درمیان کیا ہے؟ Vaccuum؟ ہم ہائیڈروجن کے دو ایٹم لے کر آکسیجن کے ایک ایٹم سے ملا کر پانی کا مالیکیول بنا دیتے ہیں۔ اس مالیکیول میں ہائیڈروجن کے دونوں الیکٹران کے درمیان نسبتی طور پر آٹھ لاکھ سینٹی میٹر کا فرق ہوگا (اگر نیوکلیس ایک سینٹی میٹر کا ہو) یعنی نسبتی سکیل پر ان کے درمیان 8 لاکھ سینٹی میٹر کا سارا خلا Vacuum ہے۔ اس مثال کا مطلب یہ ہے کہ جو چیزیں بظاہر ٹھوس بھی ہیں در حقیقت وہ بھی خلا ہی خلا ہیں۔

ایٹم کے مرکز میں اس کی ماس (Mass) ہے جس کا حجم 10^{-12} سینٹی میٹر یعنی 0.000000000001 سینٹی میٹر۔ اس کے اردگرد الیکٹران کا جالا ہے جو کہ مرکز سے 10^{-8} سینٹی میٹر دُوری پر ہے ان کے درمیان خلا ہے۔ نسبتی طور پر اگر مرکز ایک سینٹی میٹر ہو تو خلا 10000 سینٹی میٹر ہوگا یعنی کسی چیز کی ایٹموں کی باہمی ترتیب میں حقیقت زیادہ تر خلا ہی خلا ہے۔

خلا

خلا

خلا

خلا

خلا

خلا

ایک ایٹم

خلا

دوسرا ایٹم
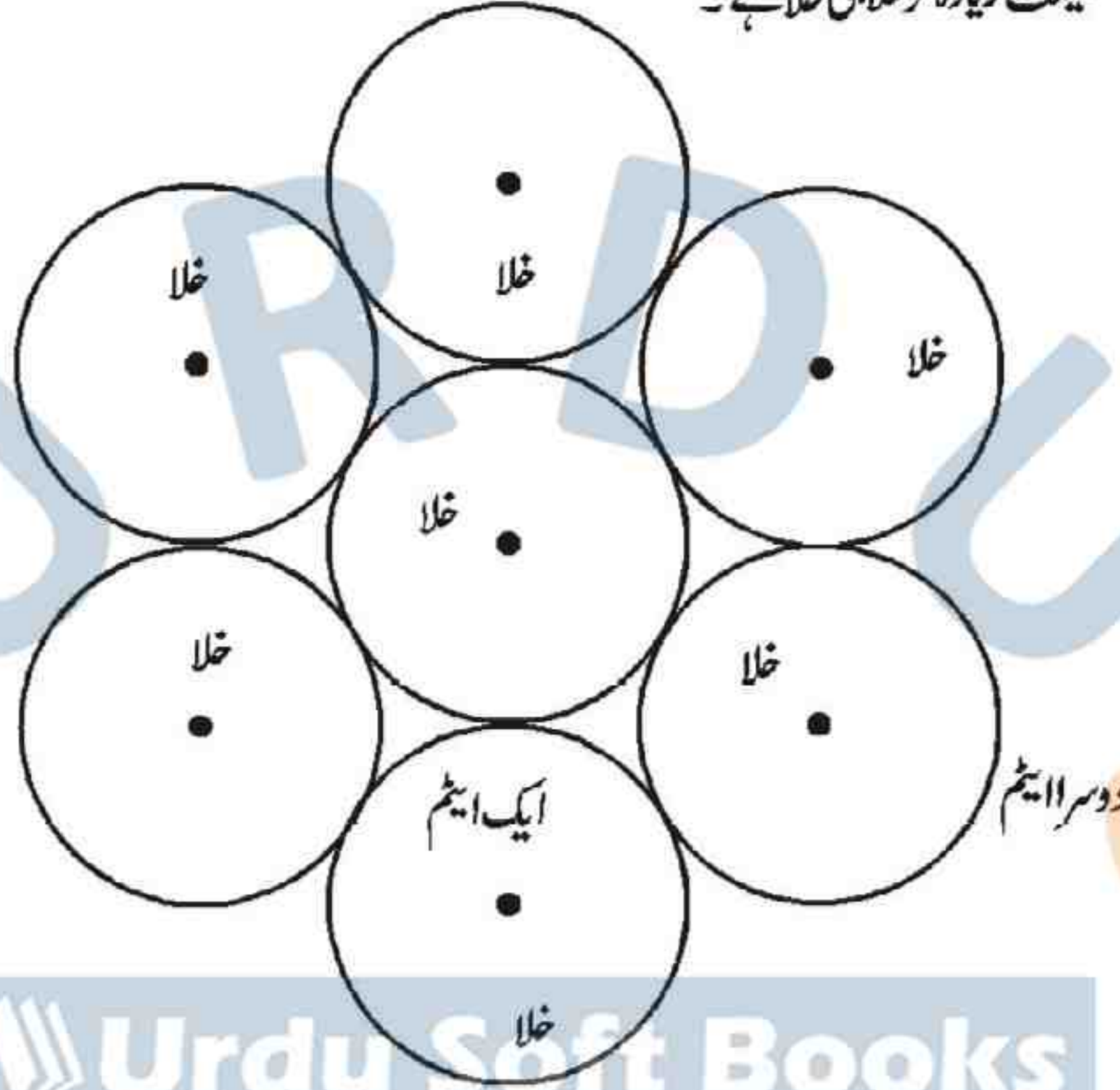
چند ایٹموں کا مجموعہ اور ان کے اندر خلا

یہاں سے چیزوں کی ایک اور حقیقت سامنے آتی ہے کہ تمام وجود دراصل ایٹموں کے مراکز کا جال ہیں جس میں ایک مرکز دوسرے سے بہت دور ہے اور ان کے درمیان میں سارا خلا ہے The major portion of things is vaccuum جو ظاہر ٹھوس اجسام ہیں ان میں 99.99999 خلا ہی ہے۔ خلا کی اس بہتات کے پیش نظر یوں کہا جا سکتا ہے کہ ہر چیز بنیادی طور پر خلا کا ایک وسیع جال ہے اور ہم خلا نورد ہیں۔ .We are all living in Vaccuum اور خود بھی خلا کی تخلیق ہیں۔ اگر فرض کریں کہ آپ Electron ہوں تو آپ ہر چیز میں سے گزر سکیں گے۔ اس لئے آپ کی آنکھوں کے سامنے کوئی چیز نہ ہوگی۔ بس خلا ہی خلا ہے۔ اس خلا میں کہیں کہیں ایٹموں کے مراکز کے نقطے ہیں جن میں ان کی کمیت (Mass) ہے۔

فرض کریں Let's say کہ ایک اور ''کن'' ہو رہا ہے۔ برقی مقناطیسی طاقت (Electormagnetic Force) جو نیوکلیس اور الیکٹران کو الگ رکھ رہی ہے وہ ایک لمحہ کے لئے ختم ہو جاتی ہے۔تو کیا ہوگا؟ کشش ثقل کے تحت تمام مراکز Nucleus آپس میں ٹکراتے جائیں گے اور تھوڑی ہی دیر میں پورا ایٹمی نظام Atomic World زیرو ہو جائیگا۔ پھر سے وجود لاوجود یعنی عالم عدم میں چلا جائے گا۔ بہرحال جس طاقت نے ہمیں قائم رکھا ہوا ہے وہ بہت ہی لطیف ہے۔یعنی ایک مخفی امر ربی ہے جس کی وجہ سے توازن قائم ہے۔ جیسے ہی یہ توازن خراب (disturb) ہوگا تو پوری دنیا ختم ہو جائیگی۔قرآن کریم اس کیفیت کو فنا کا نام دیتا ہے۔

3.12 زمان ومکاں کی حقیقت

زمان ومکاں اور بگ بینگ سے پہلے کی دنیا کی حقیقت کو ہم نے ٹائیٹل 2.5 میں واضح کرنے کی کوشش کی تھی۔ مندرجہ ذیل میں اسی مضمون پر مزید غور وفکر کیا جائے گا۔ کائنات کی تخلیق کے سلسلے میں ہم نے بتایا ہے کہ سائنسدانوں کے نزدیک اس کا آغاز آج سے کوئی پندرہ ارب سال پہلے ہوا۔لیکن اس سے پہلے کیا تھا؟ سائنس ابھی تک اسکا جواب نہیں دے سکی۔ زیادہ سے زیادہ وہ یہ کہتی ہے کہ زمان ومکاں کا آغاز بھی اسی بگ بینگ سے ہوا جس سے کائنات وجود میں آئی۔ اس لئے اس سے پہلے کیا تھا، سائنسدانوں کے نزدیک ایک بے معنی سوال ہے۔ وہ تو اپنی بے بسی کی وجہ سے شاید اسی پر مطمئن ہو جائیں لیکن ماورئی کے کسی طالب علم کیلئے چپ رہنا مشکل ہے۔اسکے دل میں لامحالہ یہ سوال اٹھتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کہاں رہتا تھا؟ یا کیا وہ بھی بگ بینگ ہی کی تخلیق ہے؟ اگر ایسا ہے تو بگ بینگ خدا ہو جاتا ہے۔اس الجھن کی وجہ زمان ومکاں کی نا سمجھی ہے۔

غور کریں کہ ہمیں وقت کا احساس کیسے ہوتا ہے؟ جیسا کہ پہلے کہہ چکے ہیں یہ احساس مشاہدہ میں تبدیلی کی بناء پر ہے مثلاً ہمیں وقت کا احساس دن رات کے آنے جانے، سورج چاند کے گھٹنے بڑھنے، جانداروں کی پیدائش، ان کی جوانی، بڑھاپا اور موت وغیرہ سے ہوتا ہے۔جتنی

جلدی یہ تبدیلی کا عمل ہو اسی نسبت سے اس پر وقت کے گزرنے کا احساس ہوتا ہے۔ چونکہ تبدیلی کا انحصار اس رفتار (Speed) پر ہے جس پر تبدیلی ہو رہی ہے اسلئے سرعت انگیز تبدیلی (Quick Change) ہمیشہ تیز رفتاری کی نسبت سے ہے۔ مثلاً دھماکہ خیز مادہ جب پھٹتا ہے تو بے شمار کیمیکل اور طبیعیاتی تبدیلیاں بہت ہی قلیل عرصہ میں معرض وجود میں آجاتی ہیں۔ یعنی دھماکہ کیلئے وقت میں بہت تیزی آگئی۔ دوسری طرف پہاڑوں کو دیکھیں لاکھوں سالوں میں بہت معمولی تبدیلی آتی ہے۔ زمین پچھلے تین ارب سالوں سے کچھ یونہی چل رہی ہے۔ مطلب یہ کہ پہاڑوں پر وقت بہت آہستہ آہستہ گزرتا ہے۔ اس لاجک (Logic) کے مطابق ہر چیز کا وقت اپنا اپنا ہے جسکا انحصار اس میں تبدیلی کی شرح پر ہے اور واقعات بھی حالت میں تبدیلی کا نام ہیں۔ اگر حالت یکساں رہے تو کوئی واقعہ ظہور پزیر نہیں ہوا۔ اگر کسی چیز میں تبدیلی نہ آئے تو وہ چیز لازوال ہوگئی۔ ایسا تب ہی ممکن ہوگا اگر وہ چیز لازمانی (Timeless) ہو، بگ بینگ سے پہلے کی دنیا بھی لازمانی دنیا (Timeless World) تھی۔ ایک ایسی حالت جس میں وقت جما ہوا (Frozen) تھا

اب ہم مکاں (Space) کی طرف آتے ہیں۔ مکاں کی نسبت جسم سے ہے۔ ایک بہت بڑے جسم کے وجود کیلئے بہت بڑا مکاں چاہیے اسلئے کائنات ٹوٹل مکاں (Space) پر مشتمل ہے۔ جو کائنات کے وجود کی بڑھوتری کی نسبت سے مسلسل پھیل بھی رہا ہے۔ بگ بینگ کے وقت ساری کائنات ایک نقطہ (Point) پر مرتکز تھی۔ جسکا کوئی حجم نہیں تھا یعنی بگ بینگ سے پہلے والی کائنات کی حقیقت اولیٰ لامکانی (Spaceless) تھی۔ ایک ایسی حالت جس میں وجود بغیر حجم کے ہونگے۔

اس لاجک (Logic) کے مطابق یہ ثابت ہوا کہ کائنات سے پہلے (Pre-Big Bang) کائنات لازمانی اور لامکانی (Timeless and Spaceless) کائنات تھی۔ یہ لازمانی اور لامکانی (Timeless and Spaceless) دنیا ہماری زمانی و مکانی دنیا کے ساتھ ساتھ اب بھی موجود ہے۔ جہاں ہر چیز اپنی موت کے بعد چلی جاتی ہے۔ اپنی پیدائش سے پہلے بھی اسی لازمانی اور لامکانی دنیا میں رہتے تھے۔ پیدائش کا تعلق چونکہ جسم سے ہے اس لئے زمانی اور مکانی دنیا میں رہنا لازمی ہوگیا۔ جب جسم چھوڑ دیا تو واپس لازمانی اور لامکانی دنیا میں چلے گئے۔

سب کا مشاہدہ ہے کہ ہماری موجودہ کائنات کم از کم چار سمتی (Four dimentional world) ہے۔اس میں تمام مخلوقات مکان کی تین سمتوں بلندی، چوڑائی اور لمبائی اور زمان کی ایک سمت یعنی Time میں رہتی ہیں۔ جدید سائنس کے نزدیک کائنات ان کے علاوہ بھی بہت ساری سمتوں والی ہے، یہ سمتیں (dimentions) باہمی سکڑی ہوئی بہت ہی قریب بھی ہوسکتی ہیں اور بہت دور بھی چنانچہ وہاں کی تمام مخلوقات بالکل پاس پاس بھی اور بیک وقت علیحدہ علیحدہ بھی ہیں۔

(1)
(2)
(3)
(4)
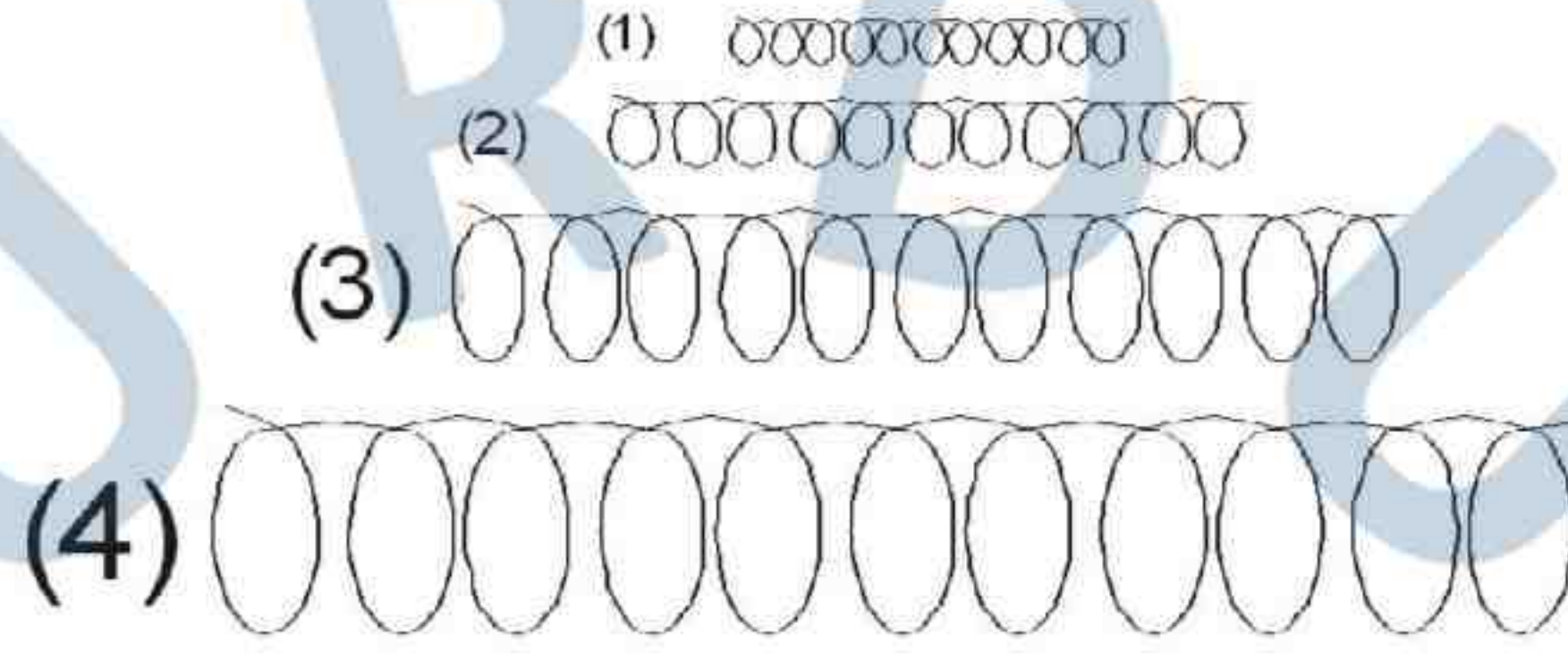
اس کی ایک مثال سپرنگوں سے دی جاسکتی ہے ایک بہت ہی باریک سپرنگ ہے (مثال 1) یہ دور سے صرف ایک سمتی نظر آئیگی لیکن بہت قریب سے یہ بھی بڑے سپرنگ (4) کی طرح 360 ڈگری میں پھیلی ہوئی کئی سمتوں والا ہے، لیکن اس کی باریکی کی وجہ سے وہاں رہنے والوں کو آپس میں بہت ہی کم فاصلہ طے کرنا پڑتا ہے۔ جبکہ سپرنگ (4) کی دنیا کے لوگ دور دور رہتے ہیں۔ یہ ہماری موجودہ دنیا کی مثال ہے یعنی بگ بینگ کے وقت سکڑی ہوئی باطنی دنیا کھل گئی اور متواتر کھل رہی ہے جس سے فاصلے دور ہوتے جارہے ہیں۔

سائنسدانوں کا یہ خیال ہے کہ کائنات کا پھیلاؤ ہمیشہ کے لئے نہیں ہے بلکہ دوبارہ سکڑ کر یہ اپنی پری بگ بینگ والی پہلی حالت میں واپس چلی جائے گی۔قرآن کریم میں قیامت کبریٰ کے حوالہ سے کئی جگہ یہ فرمایا گیا ہے کہ ہر چیز فنا ہوجائیگی ماسوائے ذات باری تعالیٰ کے۔ یوں زمان ومکاں والی کائنات کا انجام واپس لازمانی لامکانی دنیا ہے۔جس کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے **اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡن،** ''بے شک ہم اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانیوالے ہیں''۔یعنی پہلی اور آخری حقیقت اس کی اپنی ذات پاک ہے

باقی سب کچھ ثانوی ہے۔ زمان و مکاں اسی سے ہیں اول و آخر، ظاہر و باطن اسی کی شان ہے۔ کائنات اور اسکی ہر چیز اس کے امر کا ظہور ہے۔

3.13 غیر مرئی مخلوقات کی حقیقت

جیسا کہ اوپر ہم بیان کر چکے ہیں کہ طبعیات (Physics) کا تعلق زمان و مکاں کی دنیا سے ہے اور مابعد الطبیعیات (Metaphysics) کی دنیا لازمانی اور لامکانی ہے، انسانوں کی ارواح (Spirits)، ملائکہ (Angles)، جنات (Jinns) اور تمام دوسری غیر مرئی تخلیقات (Intangible Creatures) کا تعلق بھی اسی لازمانی اور لامکانی دنیا سے ہے۔ اسکے مطابق اپنی دنیاوی حیات سے پہلے ہم لامکانی اور لازمانی دنیا میں رہتے تھے اور اپنی موت کے بعد بھی پھر وہیں لوٹ جاتے ہیں۔ فرشتے بھی اسی دنیا کے باسی ہیں۔ جنت، دوزخ، عالم برزخ، عالم ارواح بھی لازمانی اور لامکانی دنیائیں ہیں۔ وہاں کے باسی وجود رکھتے ہیں لیکن جسم کے بغیر، زندگی ہے لیکن تبدیلی کے بغیر۔
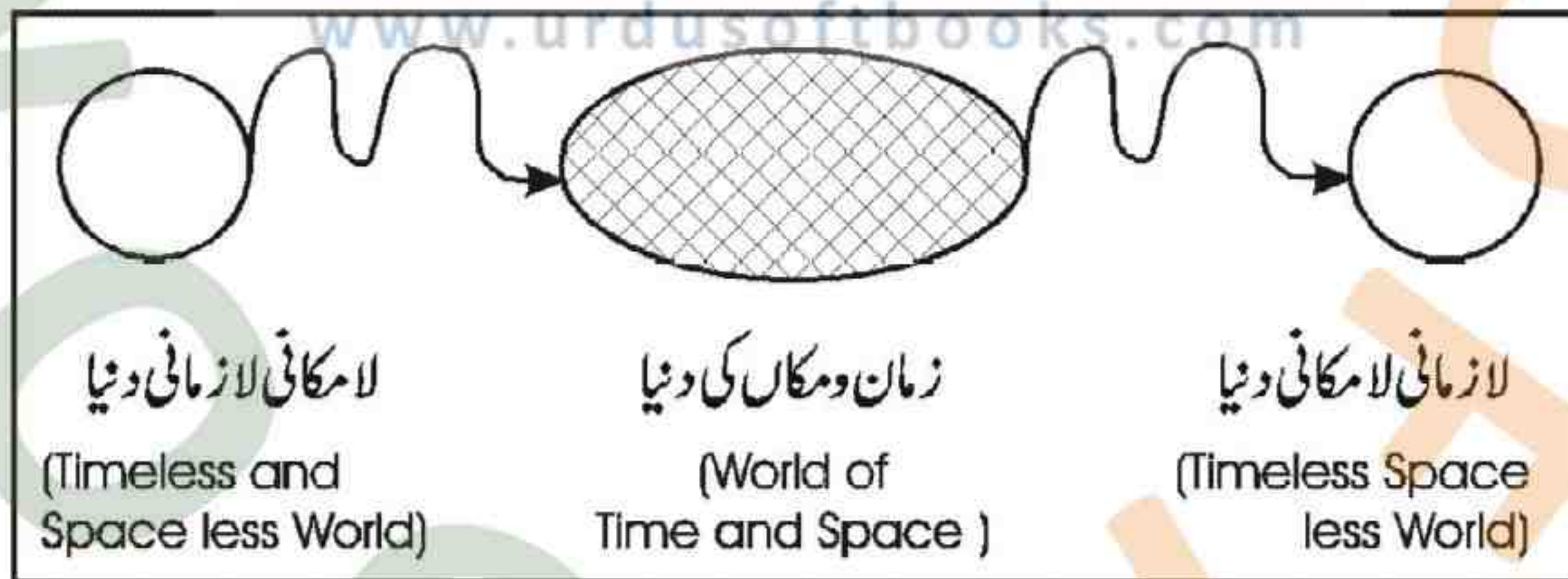
(B)
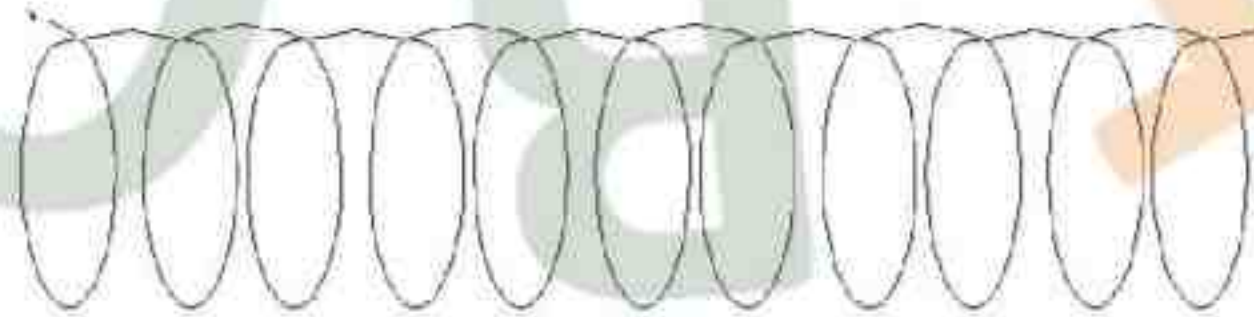
قرآن کریم سے ہم یہ بھی اخذ کرتے ہیں کہ جنات اور ملائکہ دونوں بہت قدیم مخلوق ہیں۔ جنات کی سرشت میں شر ہے جبکہ فرشتوں کی فطرت میں اطاعت اور زہد و عبادت ہے۔ یعنی بنیادی طور پر یہ دونوں منفی اور مثبت اوصاف کی علیحدہ علیحدہ مخلوق ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جب جنت

میں آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو اس سے پہلے یہ دونوں موجود تھے۔ چنانچہ جب علمی امتحان میں کامیابی کے بعد آدم علیہ السلام کو اعزاز بخشا گیا کہ فرشتے اسے سجدہ کریں تو ان میں ابلیس بھی تھا۔ یہ دراصل ملائکہ کی نسل میں سے نہیں تھا بلکہ ایک جن تھا لیکن اپنے زہد و عبادت کی وجہ سے ملائکہ کے ساتھ رہتا تھا۔ اس واقعہ کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

''اور جب ہم نے ملائکہ سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔ وہ قوم جن سے تھا۔ تو اس نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی۔ تو کیا تم اسے اور اسکی اولاد کو میرے سوا اپنا دوست بناتے ہو؟ اور وہ تمہارے صریح دشمن ہیں اور ظالموں کے لئے کیا ہی بدلہ ہے، نہ میں نے آسمانوں اور زمین کو بناتے وقت انہیں گواہ بنایا تھا اور نہ خود ان کو پیدا کرتے وقت، اور نہ میری شان ہے کہ گمراہ کرنے والوں کو اپنا بازو بناؤں''۔ (سورۃ الکھف، آیات 52-51)

اس مضمون کی آیات سے صاف ظاہر ہے کہ ملائکہ اور جنات پیدائشِ آدم سے پہلے موجود تھے چونکہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہے اس لئے اس طرح کی سب مخلوقات بھی بگ بینگ سے پہلے ضرور ہونگی۔ یوں بگ بینگ سے پہلے کیا تھا یہ مسئلہ بھی حل ہوجاتا ہے۔ وہ فرشتوں، جنات اور ارواح کی لازمانی اور لامکانی دنیا تھی۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے۔

فرشتوں اور ملائکہ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایک سوئی کے منہ پر ستر ہزار فرشتے ہوتے ہیں۔ اس طرح شیاطین کی تعداد بھی بہت ہی زیادہ ہے۔ اسکی وجہ انکا لامکانی وجود ہے۔ جیسے چھوٹی چیز بڑی چیز کے اندر رہ سکتی ہے، جنات اور ملائکہ زمانی اور مکانی کائنات کے اندر بآسانی آجاسکتے ہیں لیکن ہم ان کی دنیا میں نہیں جاسکتے۔ موت کے بعد اپنی روحانی وجود کے ساتھ البتہ لازمانی اور لامکانی دنیا میں ہم فرشتوں کے ساتھ اکٹھے ہوجاتے ہیں۔

-------------------☆---------------------

باب نمبر 4

روح اور عالمِ امر کی حقیقت

گذشتہ صفحات میں کائنات کے حوالہ سے ظاہر اور باطن کی حقیقت پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی، اب کچھ روح کی حقیقت کے متعلق معروضات پیشِ خدمت ہیں۔ روح کے بارے میں سوال **وَيَسْئَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ** ۔ یعنی "یہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں" اور اسکے جواب **قُلِ الرُّوحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّي** "میرے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں بتادو۔ روح میرے رب کا امر ہے" (سورۃ بنی اسرائیل، آیت، 5) کا پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ امر ربی کیا ہے؟
یہ کس مقام سے نافذ ہو رہا ہے؟

صوفیاء اسکو عالم امر کا نام دیتے ہیں جب کہ سائنس اسکے بارے میں خاموش ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ یہ سوال حقیقت کے اس درجہ کے متعلق ہے جہاں گنتی digits ختم ہو جاتی ہے۔ یہ طبیعیات اور مابعد طبیعیات کا مقام اتصال یا نقطہ انفصال ہے۔ سائنس اس مقام کو انتہا (Infinity) کہتی ہے اور اسکے اپنے مطابق وہاں سائنس کے تمام قوانین اور حساب فیل ہو جاتے ہیں۔ مثلاً ہر گولے کا صرف ایک ہی مرکز ہوتا ہے لیکن اگر کوئی لاانتہا حجم (Infinite Size) کا گولہ ہو تو اسکے لاانتہا مراکز بھی ہونگے۔ انتہا کے بارے میں یہ بات بھی ہے کہ لاکھوں انتہاؤں کو جمع کریں تو بھی جواب ایک ہی رہے گا۔ انہیں آپس میں ضرب دیں تو بھی جواب ایک ہی رہے گا۔ غرض لاانتہا، سائنسی قوانین اور قیود سے آزاد ہے۔ عالم امر لاانتہا کا مقام ہے اس لئے

وہاں سائنس کی پہنچ ختم ہو جاتی ہے اور صوفی کے مقام کی ابتدا ہوتی ہے۔ اسے سمجھنے کے لئے ہمارے پاس نہ کوئی ترازو ہے نہ کوئی پیمائش کا پیمانہ ہے۔ اس مقام کے اپنے ہی پیمانے ہیں، جنہیں سمجھنے کے لئے ادراک چاہیئے۔ وہاں کی دنیا (World) دماغ یا عقل یا Wisdom کی دنیا نہیں ہے بلکہ قلب و عشق کی دنیا ہے۔ وہاں قلوب کی بات ہوتی ہے اذہان کی بات نہیں ہوتی بلکہ ایمان اور یقین کے ساتھ اگلی حقیقتیں کھلتی ہیں۔

عشق کی اک جست نے طے کر دیا قصہ تمام
اس زمین و آسماں کو بیکراں سمجھا تھا میں

یہ **يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ**. والوں کی بات ہے۔ قرآن حکیم کا آغاز یہاں سے ہی ہوتا ہے۔

الٓمّٓ ﴿۱﴾ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۲﴾ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳﴾

"ال م (یہ حروفِ مقطعات ہیں) O وہ بلند رتبہ کتاب (قرآن) کوئی شک کی جگہ نہیں اس میں ہدایت ہے ڈر والوں کو O وہ جو بے دیکھے ایمان لائیں اور نماز قائم رکھیں اور ہماری دی ہوئی روزی میں سے ہماری راہ میں اٹھائیں O" (سورۃ البقرہ، آیات 3-1)

4.1 حقیقت کی شہادت اور ایمان بالغیب

چونکہ غیب کا ادراک ہمارے حواس خمسہ کے بس کی بات نہیں اس لئے اس پر ایمان شہادت کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ یعنی کہ کوئی قابل اعتبار گواہ ہو تو اسے مان لیا جائے۔ مثلاً میں نے ایٹم

کو آنکھوں سے نہیں دیکھا۔ نہ میرے تجربہ میں وہ بات آئی، نہ میں نے اسے اپنی محسوسات کی دنیا میں محسوس کیا لیکن بتانے والا سائنسدان اس قدر صادق اور قابل اعتبار ہے کہ اسے ماننا پڑتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے انبیاء اور رسول سائنسدانوں سے کہیں بڑے اعلیٰ اور بڑے سچائی کے گواہ تھے ان سب کے اوپر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گواہ ہیں۔ جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سورۃ مدثر کے نزول پر حکم ہوا:۔

یَا اَیُّھَاالْمُدَّثِّر ہ قُمْ فَاَنْذِرْ ہ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ۔

''اے کمبل اوڑھنے والے۔ (اب اس کمبل کو پھینک دے) دنیا کو اس کے انجام سے خبردار کر، اور اپنے رب کی حقیقت کو بلند کر (Glorify Thy Lord)''۔ (سورۃ المدثر، آیات 1-3)

اس وقت نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہر کے اندر ایک پہاڑ پر چڑھے اور مکے والوں کو ان کے نام لے لے کر بلایا۔ ابو جہل آ جاؤ۔ بنی ہاشم آ جاؤ، عمر بن خطاب آ جاؤ۔ سارے لوگ اکٹھے ہو گئے اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''اگر میں تمہیں کہوں کہ پہاڑ کے پیچھے ایک بہت بڑی فوج ہے جو ابھی حملہ آور ہو کر تم سب کو ختم کر دے گی تو کیا تم یقین کر لو گے؟'' انہوں نے فوراً جواب دیا کہ ''ہم یقیناً مان لیں گے کیونکہ آپ صادق بھی ہیں اور امین بھی اور ہمارا تجربہ بھی یہی بتاتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی جھوٹ نہیں بولا'' اس پر آپ نے فرمایا، ''پھر سن لو کہ موت کے بعد زندگی ہے، اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور معبود نہیں ہے''۔

یہ عالم الغیب کی حقیقت کی طرف بلاوا تھا، جہاں ان کے اذہان نہیں پہنچ سکتے تھے۔ اس لئے اکثریت نے کہا ہم آپ کو جھوٹا تو نہیں کہہ سکتے لیکن اس بات کو ہمارے دل نہیں مانتے۔ اگر ہم اس بات کو مان لیتے ہیں تو ہماری ساکھ ختم ہو جائیگی ہم پچھلے سینکڑوں سالوں سے جو پرچار کر رہے ہیں کہ بت خدا کی نمائندگی (Represent) کرتے ہیں جن پر ہماری شناخت کا دارومدار ہے۔

تو کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہماری اس ساری تاریخ کو ملیامیٹ کردینا چاہتے ہیں؟ انہی میں کچھ ایسے بھی لوگ تھے جو رک گئے انہوں نے کہا ''ہم نے خدا کو نہیں دیکھا، نہ قیامت کو دیکھا ہے۔ ہم نے موت کے بعد زندہ ہوتے بھی کسی کو نہیں دیکھا، لیکن آپ سچے ہیں۔ ہمارے درمیان رہ کر جوان ہوئے ہیں۔ اب آپ جھوٹ کیونکر بولیں گے۔ اس لئے آپ کی شہادت کو ہم نے مانا۔ ہم نے تسلیم کیا۔ **لَا اِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ مُحَمَّدُالرَّسُوْلَ اللّٰه**۔

تو ایمان بالغیب یہ ہے کہ اگر صادق اور امین کوئی بات کہے تو بن دیکھے اسے مان لیا جائے۔

حقیقت کی تلاش میں ہم نے مختلف سائنسدانوں کی تھیوریوں پر انحصار کیا ہے۔ ہم نیوٹن، آئن سٹائن، ہرشل، ہبل اور ڈیراک پر ایمان لائے ہیں حالانکہ ہم نے اِن کو آنکھوں سے نہیں دیکھا، نیوٹن کو دیکھا نہ کششِ ثقل کو دیکھا ہے، اس طرح ہم نے پروٹون، الیکٹران اور نیوکلیس کو بھی نہیں دیکھا، نہ ہی ہم نے انہیں تسلیم کرنے سے پہلے ان کے تجربات اور حسابات کی جانچ پڑتال کا کبھی سوچا۔ چونکہ ہمیں یقین ہے کہ یہ سائنسدان سچے لوگ ہیں اس لئے ہم نے ان کی باتوں پر یقین کیا ہے۔ سائنسدانوں سے بھی زیادہ سچے اور حق کے سچے نمائندے وہ لوگ تھے جنہیں اللہ تعالیٰ کے نبی کہا جاتا ہے۔ نبوت سے پہلے کی زندگی ان کے سچا ہونے کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔ ان کے دشمن بھی ان کی سچائی کے معترف تھے۔ ان کی امانت کے متعلق کوئی شک نہیں تھا۔ دنیا نے جب انہیں صادق اور امین تسلیم کرلیا تو اس وقت ان کی زبان سے وحی کا کلمہ کہلوایا گیا: **یَـاَیُّهَا النَّـاسُ قُـوْلُـوْا لَا اِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ تُفْلِحُوْ**۔ ''اے لوگو، لا اِلٰہ اِلا اللہ کہہ دو اور فلاح پا جاؤ''۔ چونکہ لوگوں کے رواج اور ان کے معاشی مفادات کا اس نئی فلاسفی سے ٹکراؤ ہوتا تھا اس لئے اکثریت نے انہیں سچا مانتے ہوئے بھی ان کی بات کو نہ مانا۔ وہ کافر کہلائے، جنہوں نے تسلیم کیا اور مان لیا وہ مومن قرار پائے۔ سو کفر صرف حقیقت کا انکار نہیں بلکہ کسی قابل اعتبار صادق الامین کی بتلائی ہوئی بات کو حقیقت جانتے ہوئے بھی اس کو تسلیم نہ کرنا ہے کفر کا اصلی معنی ہی حقیقت پر پردہ ڈالنا یا حقیقت کو چھپانا ہے۔

یا اولی الالباب

o ہمارا 99.99 فی صد علم ثانوی ہے جسے ہم نے کسی نہ کسی بیرونی ذریعہ سے سیکھا ہے۔ مثلاً ماں باپ، استاد، ماحول، میڈیا وغیرہ

o ہمیں سائنسدانوں کی گواہی پر یقین ہے کہ وہ عموماً اپنی تحقیق کے مطابق سچی بات بتاتے ہیں۔

o سب سے زیادہ سچے لوگ اللہ تعالیٰ کے نبی ہوتے ہیں اسی لئے ان کی شہادت ہمارے لئے معتبر ترین ہونی چاہیے۔

o کفر حقیقت کا انکار نہیں بلکہ کسی قابل اعتبار صادق الامین گواہ کا انکار ہے۔

--------------------☆-------------------

باب نمبر 5

آخری حقیقت۔ حقیقت اولیٰ

یا اولی الالباب۔ تتفکّرو !

جیسے پہلے بتایا جا چکا ہے کہ حساب کی زبان میں ایک لفظ انتہا (Infinity) ہے۔ اگر کسی بھی چیز کو صفر سے تقسیم کریں تو جواب انتہا ہی آئے گا۔ انتہا (Infinity) ایک اتنی بڑی حقیقت ہے کہ اس میں سب کچھ سما جاتا ہے وہ تمام کائناتوں سے بھی بڑی ہے۔ کائناتیں اس کے اندر ہیں اس کی کوئی حد نہیں۔ اسلئے اگر دو یا دو سے زیادہ انتہاؤں کو ضرب دیں تو جواب پھر بھی انتہا ہی ہوگا۔ اگر اربوں انتہاؤں کو جمع کرتے جائیں تو جواب پھر بھی انتہا ہی رہتا ہے اس لئے کہ انتہا کے آگے کچھ نہیں، اس کا نہ ہی کوئی مرکز ہوتا ہے نہ ہی کنارہ، نہ اسکے کوئی اوپر ہوتا ہے اور نہ ہی نیچے۔ وہ سب کی کل ہے اور سب اسکے جز ہوتے ہیں۔ وہ سب کا احاطہ کرتی ہے اور کوئی جز اس کا احاطہ نہیں کر سکتا ہے۔ غرض انتہا (Infinity) کے مقام پر سائنسی قوانین بیکار اور سائنسدانوں کے حساب فیل ہو جاتے ہیں۔ اس لئے انتہا (Infinity) کا ادراک ناممکن ہے پھر بھی حساب میں اسکا ذکر روزمرہ کی بات ہے۔ اگر انتہاء سے آگے کچھ ہو سکتا ہے تو وہ خالق کل کی اپنی ہی ذات پاک ہے۔ کچھ لوگ پھر بھی اللہ تعالیٰ کا انکار کرتے ہیں۔ وہ اس کی حقیقت کو حساب کی زبان سے یا سائنسی پیمانوں سے سمجھنے کی بات کرتے ہیں جب کہ خود ہی کہتے ہیں کہ لا انتہا (Infinity) میں حساب اور سائنس کے قوانین فیل ہو جاتے ہیں۔ کیا یہ عجیب بات نہیں کہ پھر بھی اللہ تعالی کی ذات کو اپنی ناقص عقلوں کے ذریعہ سمجھنا چاہتے ہیں۔

5.1 انسان کا مقام

اللہ تعالیٰ کی ذات پاک انتہاؤں کی انتہاء (Absolute Infinity) ہے۔قرآن کریم کے مطابق ظاہر اور باطن دونوں اس کے مظہر ہیں ۔ ہر جز کی اول اور آخری حقیقت اسکی ذات پاک ہے۔اس نے سب کچھ پیدا کیا ہے اور ان میں اپنا قانون نافذ کر دیا جسے سبھی چھوٹی اور بڑی چیزیں پہچانتی ہیں اور اس قانون کی اتباع (Follow) کر رہی ہیں۔اسی حوالہ سے ہم روح کی حقیقت تک پہنچے اور اللہ تعالیٰ کے فرمان **قُلِ الرُّوحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّی** (سورۃ بنی اسرائیل،آیت ،85) سے ہم نے امر ربی کو سمجھا اور معلوم ہوا کہ ہم سب امر ربی کا حصہ ہیں۔اپنے امر کی بدولت اللہ تبارک وتعالیٰ نے ضرورت کے مطابق ہمیں وہ تمام صلاحیتیں اور خوبیاں ودیعت کر دیں جو اس کی اپنی ذات پاک میں لا انتہا درجہ میں موجود ہیں۔اس نے فرمایا کہ میں اپنی روح سے کچھ نہ کچھ انسان میں پھونک دیا یہ اس کا امر تھا جس کی وجہ سے کسی نہ کسی درجے پر اللہ تعالیٰ کی اپنی صفات ہر انسان میں بھی پائی جاتی ہیں۔چونکہ اللہ تعالیٰ کا امر مستقل غیر فانی (Immortal) ہے اس لئے انسان بھی اپنی حقیقت میں غیر فانی ہے۔اس سفر میں اس کے تین ادوار ہیں۔زمین پر زندگی سے پہلے اور زندگی کے یہ دونوں ادوار باطنی ہیں۔انہیں عالم برزخ بھی کہا جاتا ہے۔جیسے شکل میں دکھایا گیا ہے،سفر جاری رہتا ہے۔

عالم ارواح ← عالم شہادت ← عالم برزخ

علامہ اقبالؒ کے مطابق:

فرشتہ موت کا چھوتا ہے گو بدن ترا
ترے وجود کے مرکز سے دور رہتا ہے

زمینی حیات کا وقفہ انسان کے وجود کی جنت کے لئے اہلیت کو ثابت کرنے کے لئے ہے اس کے لئے اسے زمین پر طرح طرح کے مادی ذرائع کے ساتھ ساتھ عقل اور اختیار کی طاقت بھی عنایت کی گئی ہے اس لحاظ سے وہ زمین پر اللہ تعالیٰ کا نائب ٹھہرا لیکن اس حق کو کس نے کس قدر پورا کیا اس کا تعین صفات الٰہی کو اپنانے کی نسبت سے ہوگا۔اس کا پیمانہ اسماء الحسنٰی ہیں ۔ان کے حوالہ سے ہمیں اپنا محاسبہ کرتے رہنا چاہیے تاکہ ہم اللہ تعالیٰ کی صفات کے زیادہ سے زیادہ مظہر بن جائیں ۔انسانی اعتبار سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان صفات کے اعلیٰ ترین مظہر ہیں ۔یہ دیکھنے کے لئے کہ آپ کا اپنا اللہ تعالیٰ کی جناب میں کیا درجہ ہے، ایک ٹیسٹ کریں ۔فرض کرو کہ نبی پاک کی نسبت سے ہر اسمِ حُسنیٰ کی ہر صفت کے ہزار نمبر ہیں تو اس پیمانہ سے اپنے آپ کو نمبر دے کر دیکھ لیں پھر جمع کر کے دیکھ لیں ۔تو معلوم ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کی ولائت میں آپ کہاں کھڑے ہیں ۔ ہمارا اللہ تعالیٰ کے ساتھ قرب اس کی صفات کو اپنانے میں ترقی کے لحاظ سے قرار پاتا ہے اور اسی نسبت سے انسان مالک کائنات کی حقیقت کا ادراک کرسکتا ہے۔

5.2 حقیقت انسان اور ذات خداوندی

جیسے پہلے کہا گیا ہے حقیقتوں کی حقیقت ذات خداوندی ہے ۔وہ بیک وقت حاضر بھی ہے اور غائب بھی ۔وہ انتہاؤں کی انتہا ہے جس کی کوئی حد نہیں ۔حساب اور سائنس کے قوانین اس کی ذات میں فیل ہو جاتے ہیں ۔اس لئے اس کا ادراک انسانی ذہن کے لئے ناممکن ہے ۔ طبیعیات کا علم اسکی قدرت کا علم ہے لیکن اسکی ذات کا علم مابعد طبیعیات ہے ۔اس لئے اس کی ذات کی معرفت ہم عقل اور قلوب دونوں کے استعمال سے کر سکتے ہیں نہ عقل اکیلی اس کے لئے کافی ہے نہ قلب اور قلوب بھی وہ جو ہدایت کے لئے مخصوص کر دیئے گئے ہوں، اور عقل وہ جو سیدھی طرف سوچنے کے لئے تیار ہو۔

انسان کی شخصیت میں اللہ تعالیٰ کا مقام اسکا قلب ہے ۔کہا جاتا ہے کہ یہ خانہ خدا ہے۔

قلب المومن عرش اللہ ”قلبِ مومن اللہ تعالیٰ کا عرش ہے“۔

اقبال کے عقل ودل کے مکالمے میں دل عقل سے کہتا ہے۔

کس بلندی پہ ہے مقام مرا
عرش ربِّ جلیل کا ہوں میں

اس لئے قلب کو اس ذات پاک کے لئے صاف ستھرا کرتے رہیں۔ دنیا کے بتوں سے پاک رکھیں۔ ایسا صاف ستھرا قلب ہر انسان کا کعبہ ہے۔ ایک زمین پر کعبہ ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتوں سے پاک کیا، خلیل اللہ نے بنایا اور حضرت آدم علیہ السلام نے جس کی بنیادیں رکھیں تھیں۔ یہ وہی کعبہ ہے جس کی طرف نماز میں آپ کی توجہ ہوتی ہے یہ صرف ایک علامت (Symbol) ہے اللہ تعالیٰ کے گھر کی ۔ دوسرا بیت اللہ آپ کا اپنا قلب ہے کی جس حفاظت آپ پر لازم ہے کہ کہیں اس میں شیطان داخل ہو کر اپنا گند نہ پھینک جائے۔

اللہ تعالیٰ ہی کے بارے میں خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتایا کہ اس نے فرمایا ”میں مخفی خزانہ کی مانند تھا، میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں، اس لئے میں نے انسان کو پیدا کیا یعنی انسان منشائے خداوندی ہے جس کی خاطر کائنات کو بنایا گیا“ کائنات کا نور (Vision) نور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نبی نے فرمایا، کائنات سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرا نور پیدا کیا **اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِی** ُ مطلب یہ کہ حقیقت کائنات دراصل حقیقت بشر (Man) ہے۔ اس طرح درحقیقت بشر محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ذات پاک ہے جس کی عزت پر سب کچھ قربان، کائنات کے ڈیزائین کی بنیاد (Design Basis) بھی انسان ہے، اور اس کا مقصد (Objective) بھی۔ یعنی انسان غایتِ کائنات ہے۔

اس لئے اگر کائنات کو سمجھنا چاہتے ہو تو انسان کو سمجھنے پر محنت کرو۔ ہر چیز اس کیلئے بنائی گئی ہے سائنس اگر اس لئے اشیاء کی حقیقت کو سمجھنا چاہتی ہے تو وہ انسان کے حوالہ سے سمجھے۔

پھر حقیقت خود بخود آگے بڑھ کر اپنے متعلق شوق سے سمجھائے گی۔ سائنس کا یہ کہنا کہ

انسان کائنات کی وجہ سے ہے صحیح نہیں، بلکہ صحیح یہ ہے کہ کائنات انسان کی وجہ سے ہے۔ یعنی مخلوق کا جواز انسان ہے۔ اس لئے اگر مخلوق کی حقیقت کو سمجھنا ہے تو انسان پر غور کیا جائے۔ چنانچہ تمام ڈیزائین اور قدرتی قوانین اور تخلیقی ارتقاء صرف اس لئے ہوا کہ انسان پیدا ہو سکے۔ بگ بینگ بھی انسان کے لئے ہوا، ستارے اسی کیلئے بنتے ہیں اسی کیلئے مرتے ہیں، سورج اسی کے لئے کام کرتا ہے، زمین پر تمام حیوانات، نباتات، جمادات بھی اسی کے کام پر لگے ہوئے ہیں، سمندر میں مدّ و جزر بھی اسی کے لئے ہوتا ہے۔ موت و حیات کا یہ سلسلہ بھی اسی کیلئے ہے۔

غرض کائنات کی چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی چیز انسان کی کسی نہ کسی طور خدمت کے لئے بنائی گی ہے۔ اب یہ انسان سائنس کا کام ہے کہ معلوم کرے کہ وہ یہ خدمت کس طرح بجا لا رہی ہے۔

نہ تو زمیں کے لئے ہے نہ آسماں کے لئے!!
جہاں ہے تیرے لئے تو نہیں جہاں کے لئے

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر ہر چیز انسان کے لئے ہے تو انسان کس لئے ہے؟ اس کا سیدھا اور صاف جواب یہی ہوسکتا ہے جس نے یہ سب کچھ محض اس کے لئے بنایا ہے اسے خود اس کے علاوہ کسی اور کی طرف دیکھنا بھی نہیں چاہیے کہ وہ اپنے خالق کے لئے ہے۔ آیئے اب اپنے خالق کی کچھ معرفت حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ ''**وَقُل رَبِّ زِدنيِ عِلماً**'' اور کہوا ے رب میرے علم میں اضافہ فرما! (سورۃ طٰہٰ، آیت، 114)

وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿163﴾ اِنَّ فِىْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِىْ تَجْرِىْ فِى الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۪ وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿164﴾

اور تمہارا معبود یکتا معبود ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، نہایت مہربان، رحم کرنے والا O۔ بے شک زمین اور آسمانوں کی پیدائش میں، اور رات اور دن کے بدلتے رہنے میں، اور وہ جہاز جو سمندر میں چلتے ہیں جن سے لوگ نفع حاصل کرتے ہیں، اور جو اللہ تعالیٰ نے آسمانوں سے پانی اتارا، پھر اس سے زمین کو زندہ کیا اس کی موت کے بعد، اور اس میں ہر قسم کے جانور پھیلائے، اور ہواؤں کے بدلنے میں، اور زمین و آسمان کے درمیان تابع بادلوں میں یہ سب نشانیاں ہیں (ان) لوگوں کیلئے (جو) عقل والے ہیں O۔ (سورۃ البقرہ، آیات، 164-163)

5.3 اے اللہ تعالیٰ تیری ذات پاک کیسی ہے؟

یہ لاکھوں سوالوں کا ایک سوال ہے۔ محبت والے محبت سے اور نقاد تنقید سے، سبھی پوچھتے ہیں کہ اے اللہ تعالیٰ تو کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کو بھی یہ بہت پسند ہے کہ اس کے بندے اس کے بارے میں جستجو کرتے رہیں۔ جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مثال سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس درجہ کے برگزیدہ بندے بھی اپنے رب کی حقیقت کو انسانی سطح پر

سمجھنے کے لئے مشتاق تھے۔اس وجہ سے اگر ہم سوال کریں اور سوچیں کہ اللہ تعالیٰ تو کیا ہے؟ تو یہ کوئی بے جا سوال نہیں ہوگا۔نہ ہی یہ کوئی گستاخی ہوگی۔

جب ہم کلامِ الٰہی میں غور کرتے ہیں تو ہمیں اللہ تعالیٰ یوں کلام کرتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ ''اے میرے بندے میں نے اپنی حقیقت کو کائنات میں کھول کر رکھ دیا ہے، ہے کوئی دیکھنے والا؟ ہے کوئی سمجھنے والا؟ ہے کوئی غور کرنے والا؟ میں کوئی پہیلی نہیں ہوں۔ میں تو ہر ذرے سے بولتا ہوں، پانی کا قطرہ قطرہ میری گواہی دیتا ہے۔ چاند، سورج ستارے یہ سب میری ہی نشانیاں ہیں، فضاؤں میں اڑتے ہوئے پرندے اور سمندروں میں رہنے والی مخلوقات میری تسبیح کرتی ہیں۔ یہ سب میرے وجود کی گواہی دیتے ہیں۔

چونکہ انسان براہ راست اپنے خالق کو سمجھنے سے قاصر ہے لہٰذا اس کی مخلوق کے ذریعے س کی شان کی معرفت پا سکتا ہے۔ کائنات کی تخلیق کے متعلق اب تک جو تحقیقات ہوئی ہیں ان سے سائنسدانوں کو یہ تو ماننا پڑتا ہے کہ بگ بینگ (Big Bang) کے پیچھے ضرور کوئی طاقت ہے۔ سائنسی قوانین کے پیچھے ضرور کوئی مہا سائنسدان ہے، کائنات کے انتہائی حسابی نظام کے پیچھے لازماً کوئی بڑا حساب دان ہے لیکن لوگوں میں بہت سے یہ بھی کہتے سنے جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات بنا کر قوانین کے حوالے کر دی ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی ضرورت کائنات کی تخلیق کے وقت تو تھی لیکن اسکے چلانے میں وہ اللہ تعالیٰ کو نعوذ باللہ فارغ کر دیتے ہیں جبکہ قرآن کریم بار بار یہ اشارہ فرماتا ہے کہ بڑی سے بڑی اور چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی اس کی اجازت کے بغیر اسکی ربوبیت، پرورش اور دیکھ بھال کی محتاج ہے۔ سمندروں کی تہہ میں جو جراثیم ہیں وہ ان کی بھی خبرگیری رکھتا ہے۔ اہم ترین سوال یہ ہے کہ وہ یہ سب کچھ کیسے کرتا ہے، کیسے کنٹرول کرتا ہے اور کہاں رہتا ہے؟۔

کائنات کے بارے یہ حقیقت بھی ظاہر ہوتی ہے کہ یہ اسباب واثرات (Cause and Effect) کے اصول پر کام کرتی ہے صوفیائے کرام کی زبان میں یہ جہان دارالاسباب ہے۔ اس میں ہر کام کا کوئی نہ کوئی سبب ہونا ضروری ہے اور پھر ہر ایک سبب کا بھی سبب ہوگا اور

یوں ایک آخری سبب ہے۔اسے وہ مسبب الاسباب کہتے ہیں۔سائنس بھی سبب (Cause)اور اثر (Effect) کے قانون کو مانتی ہے۔ پہلا سبب کیا تھا؟ کیا وہ اب بے اثر ہو چکا ہے؟ سائنس کا قانون حفاظت (Law of conservation of mass and energy) کہتا ہے کہ خواہ کچھ بھی ہو جائے توانائی اور مادہ کے مجموعی اثرات محفوظ رہتے ہیں۔اور یوں انتہائے انجام کا انتہائے آغاز کے ساتھ تعلق قائم رہتا ہے یعنی مسبب الاسباب کے اثرات کبھی بھی ختم نہیں ہو سکتے بلکہ اسباب کو بھی وہی چلاتا ہے۔

5.4 حقیقتِ ذات پاک

ان باتوں کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کی حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کریں۔قرآن کریم میں متعدد ایسی آیات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ اپنی ذات پاک کا تعارف کرواتا ہے۔مثلاً سورۃ الحدید میں اپنے بارے میں فرماتا ہے:۔

"هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ"۔

"وہی اول، وہی آخر، وہی ظاہر، وہی باطن، اور وہی سب کچھ جانتا ہے"۔(سورۃ الحدید، آیت 3)

اس آیت کے تین حصے ہیں۔پہلا حصہ **ھوالاول والاٰخر** ہے دوسرا حصہ **والظاھر والباطن**۔اور تیسرا حصہ ،**وھوَ بِکُلِّ شی علیم** ہے۔

اس آیت کے پہلے حصہ کے مطابق کائنات میں وہی اول ہے اور وہی آخر ہے۔جو واقعہ سب سے پہلے ہوتا ہے اسے ہم کہتے ہیں" اول"۔اور جو واقعہ سب سے بعد میں ہوتا ہے اسے ہم کہتے ہیں" آخر"۔اس لئے دونوں کی حیثیت وقت کے معیار سے تعین ہوتی ہے۔یعنی

هوالاول والآخر میں پنہاں حقیقت کا تعلق وقت سے ہے۔

اگر وقت کو آپ ایک مستقیم خط سے ظاہر کریں تو جس نقطہ سے وہ شروع ہوتا ہے وہ اول ہے اور جہاں ختم ہوگا وہ اس کا آخر کہلائے گا۔لیکن آپ کو عربی گرائمر سے معلوم ہے کہ **الاوّل** (The very First) سے پہلے کوئی اول نہیں ہوتا اور **الآخر** (The very Last) کے بعد کوئی آخر نہیں ہوسکتا۔ایک شخصیت جو بیک وقت الاول اور الآخر ہے وہ لازماً وقت کے ماضی اور مستقبل کی ہر سمت کی انتہا ہوگی۔ He must be The Extremity of Time in The Past and Time in The Future Dimensions) ایسا تب ہی ممکن ہوگا کہ اول اور آخر اس کی ذات پاک میں سمٹے ہوئے ہوں۔یعنی وہ خود ٹوٹل ٹائم (Total Time) ہو۔اس سلسلہ میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا''خبردار! زمانے کو برا مت کہو کیونکہ زمانہ (Time) خود خدا ہے''۔اس حدیث کے بعد ہم حتمی طور پر کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کی ایک حقیقت یہ ہے کہ وہ خود ٹوٹل ٹائم (Total Time) ہے۔الحیی القیوم ہے، بقا اسی سے ہے اور اسکے علاوہ ہر چیز فانی ہے۔
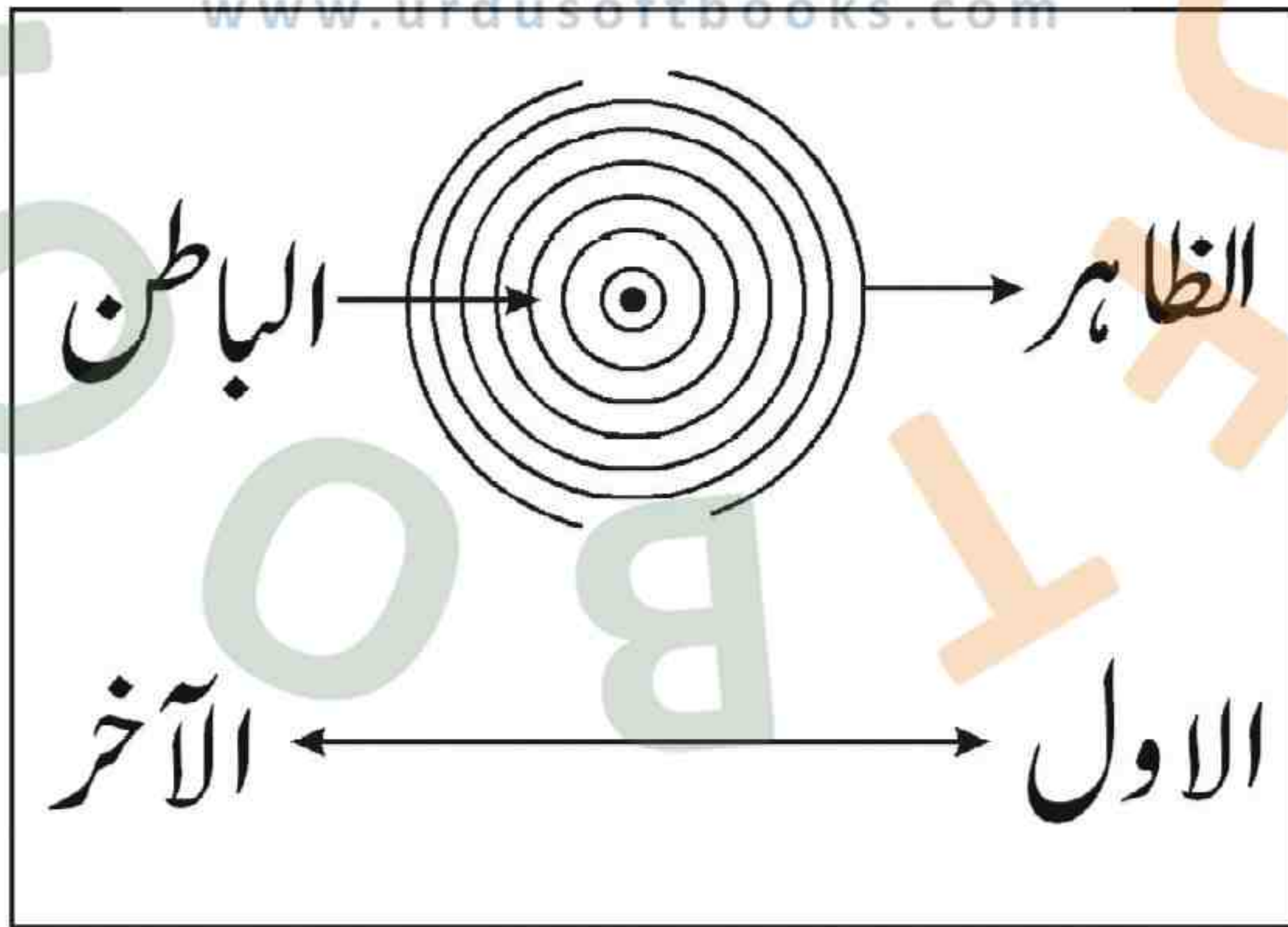
آیاتِ مبارکہ میں دوسری صفت جو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پاک کے بارے میں بتائی

ہے وہ اس کی مکانی صفت (Space Characteristics) ہے۔فرمایا **ھو الظاھر و الباطن** ۔ الظاہر کا مطلب ہے وہ جس کے باہر کوئی چیز نہیں۔(Outer most reality) اگر میں یہاں سرکل بناتا ہوں اور اس کے اوپر ایک اور سرکل ہے تو سرکل ون سرکل ٹو کے اندر مقید ہے یعنی سرکل ون کا ظاہر سرکل ٹو کے باطن میں ہے، چونکہ سرکل 2 ،سرکل 3 کے اندر ہے اس لئے یہ **الظاھر** نہیں ہے البتہ ون کی نسبت سے سرکل ٹو **الظاھر** ہے، کیونکہ اس نے سرکل ون کو محیط close کیا ہوا ہے۔ یوں اللہ تعالیٰ مکان کی بیرونی اور باطنی انتہا Infinite Outermost Reality ہے جس کے باہر کچھ نہیں ہے:۔

ھُوَالْاَوَّلُ وَا لْاٰخِرُوَالظَّاھِرُ وَالْبَاطِنُ ج وَھُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ O   ''وہی اول ہے وہی آخر وہی ظاہر ہے وہی باطن اور وہ ہر چیز سے باخبر ہے۔'' (سورۃ الحدید، آیت 3)   الاول وہ ہے جس سے پہلے کوئی نہیں، الآخر وہ ہے جس کے بعد میں کوئی نہ ہو یہ تبھی ممکن ہے کہ وہ ٹوٹل زماں ہو۔الظاہر وہ ہے جس کے باہر کوئی نہ ہو اور الباطن وہ ہے جس کے اندر کوئی نہ ہو یہ تبھی ممکن ہے کہ وہ ٹوٹل مکاں ہو۔یعنی اللہ تعالیٰ کی ایک حقیقت اس کی ٹوٹل زمانی ومکانی (Space-Time Continuum) صفات ہیں۔

اسی طرح اگر آپ **الظاھر** سے اندر کی طرف چلتے جائیں تو آپ باطن (Innermost) کی طرف آجاتے ہیں۔ **الباطن** وہ ہے جس کے اندر کی انتہا innermost میں کوئی اور نہ ہوگا۔عربی کا لفظ **الباطن** ،اسی خصوصیت کو ظاہر کرتا ہے کہ اس کے مزید اندر کچھ نہیں ہوسکتا۔ایک ہی شخصیت جو بیک وقت الظاہر اور الباطن بھی ہو تب ہی ممکن ہے کہ وہ ٹوٹل مکاں (Total Space) کی صفت سے موصوف ہو۔

وحدت زمان ومکاں اور توانائی

مندرجہ ذیل شکل زمان ومکاں اور توانائی (نور) کا اللہ تعالیٰ کی ذات مبارکہ سے تعلق دکھاتی ہے۔ کائنات کی تخلیق زمان، مکاں اور نور کے اتحاد ثلاثہ سے معرض موجود میں آئی۔ یعنی کائنات کی حقیقت زمان ومکاں اور توانائی ہے۔
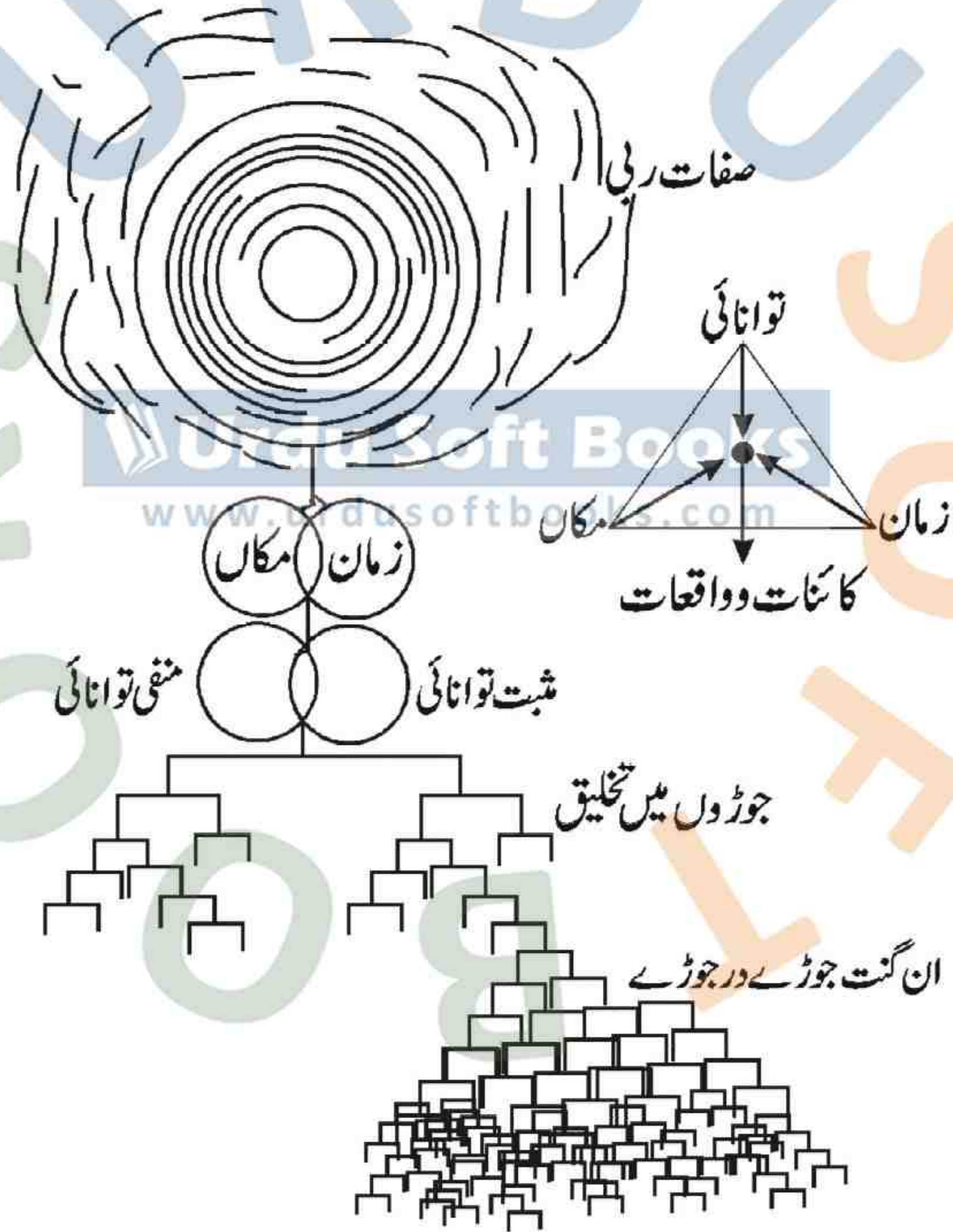
اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کی ایک شان میں خود ٹوٹل زمان و مکاں ہے۔ وہ انکا محتاج نہیں۔ یہ اس کے ثانوی اظہار (Sub set) ہیں۔ جب کہ حقیقت اولیٰ زمان ومکاں سے بالاتر حقیقت (Super Set) ہے۔

یہ جاننے کے بعد کہ زمان و مکاں اللہ تعالیٰ سے ہیں، اسکی شان کو سمجھنا بہت آسان ہو جاتا ہے۔ ہم سبھی جانتے ہیں کہ زمان ومکاں سے علیحدہ کوئی چیز ہو ہی نہیں سکتی، نہ زمان و مکاں سے کبھی اوجھل ہو سکتی ہے نہ ان سے باہر جا سکتی ہے۔ یوں اللہ تعالیٰ کی ذات پاک اپنی زمانی اور مکانی صفات سے جیسے فرمایا گیا ہے **اِنّ اللّٰہ علٰی کلّ شئی مّحیط**، بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز کا (اندر باہر سے) احاطہ کئے ہوئے ہے۔ ہر چھوٹی بڑی چیز کا ہر وقت احاطہ کئے ہوئے ہے۔ وہ ہر چیز کو اس کے اندر باہر سے دیکھ رہا ہے۔ ہم جہاں بھی ہوں وہ ہمارے ساتھ ہے وہ دلوں میں چھپے بھید جانتا ہے۔

5.5 وحدتِ زمان ومکاں، توانائی اور واقعات کا ظہور

پچھلے صفحہ کی تصویر اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کے حوالہ سے زمان ومکاں اور توانائی (نور) کا تعلق دکھاتی ہے۔ خالق کی ذات پاک ''کل'' (Superset) ہے اور زمان و مکاں اس کے صفاتی ''جز'' (Subset) ہیں۔ کائنات کی تخلیق زمان و مکاں اور خالق کے نور کی وحدت سے معرض وجود میں آئی۔ یعنی کائنات کی حقیقت زمان ومکاں اور توانائی ہے جن کا منبع اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے۔

اب واقعات کے اسباب کی طرف آیئے۔ کوئی واقعہ ہونے کیلئے وقت اور جگہ چاہیے۔ چونکہ زمان ومکاں اسکی ذات کی خصوصیات ہیں وہ اپنی اس خصوصیت سے ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے ہم جانتے ہیں کہ کسی بھی واقعہ کے ہونے کیلئے زمان و مکاں دونوں لازم وملزوم ہیں اس لئے کوئی چیز بلا اس کی اجازت کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ وہی ہر واقعہ کا خالق رب اور شاہد ہے۔ اسکے علم سے باہر کچھ بھی نہیں ہو سکتا بے شک **وھو بکل شئی علیم**۔

5.6 ہر چیز اس کے احاطہ قدرت میں ہے

چونکہ زماں و مکاں سے باہر کسی چیز کا ہونا ناممکن ہے اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ساری کی ساری کائنات زمان و مکاں کے سمندر کے اندر ڈوبی ہوئی ہے۔ اس بات کو سامنے رکھتے ہوئے ذرا سمندر میں موجود کے اس کے اندر رہنے والی سمندری مخلوق کا سوچیں۔ ان میں سے ہر ایک کے اندر بھی پانی ہے اور باہر بھی پانی ہے۔ پانی کے باہر اس کی موت ہے، جیسے مچھلی۔ یہی بات رب تعالیٰ کی زمان و مکاں والی صفات (Space-Time Continuum) کی ہے۔ ہم زمان (Time) میں رہتے ہیں اور مکان (Space) سے باہر نہیں جاسکتے۔ وقت میں پیدا ہوتے ہیں، وقت میں زندہ ہیں اور وقت میں مریں گے۔ قیامت بھی زمان (Time) میں ہوگی۔ آغاز بھی زمان (Time) میں ہوا تھا۔ یوں ہم اسکی ذات کی مکانی اور زمانی صفات (Characteristics) سے کبھی بھی آزاد نہیں ہوسکتے۔ اسی سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے **اَلَآ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطٌ** ۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ **کل شیء** میں ہر چیز آ گئی۔ وہ بڑی سے بڑی چیز اور چھوٹی سے چھوٹی یعنی ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اپنی مکانی صفت سے ایٹم کو بھی اس نے محیط کیا ہوا ہے۔ الیکٹران کو بھی، الیکٹران سے چھوٹے ذرات کو بھی، اور کہکشاؤں کو بھی اسی نے محیط کیا ہوا ہے۔

یوں اپنی زمان و مکاں صفات سے اللہ تعالیٰ ہر چیز کے ماضی حال اور مستقبل کا احاطہ بھی کئے ہوئے ہے وہ ہر چیز کے اندر بھی ہے اور باہر بھی۔ میرے باہر بھی اللہ تعالیٰ ہے میرے اندر بھی اللہ تعالیٰ ہے۔ اس ٹیبل کے اندر بھی اللہ تعالیٰ ہے اس ٹیبل کے باہر بھی اللہ تعالیٰ ہے۔ جو چیز بھی آپ دیکھتے ہیں ہوا کا ایک مالیکیول ہو یا لوہے کا ایٹم سب کے اندر بھی اللہ تعالیٰ اور باہر بھی اللہ تعالیٰ ہے۔ اس لئے عالم عشق و مستی میں صوفیائے کرام ھو، ھو، ھو کا نعرہ لگاتے ہیں ''وہی وہی''۔ حقیقت کی اس تجلی کے عالم میں الفاظ ان کے پاس ختم ہوجاتے ہیں، اس کی صفات کو بیان کرنے سے وہ قاصر ہوجاتے ہیں تو اس وقت وہ یہی کہہ سکتے ہیں **ھُوْ، ھُـوْ، ھُـوْ۔۔۔** ۔ اسی حقیقت کو علامہ اقبالؒ

یوں بیان کرتے ہیں:۔

خضر کیونکر بتائے کیا بتائے

اگر ماہی کہے دریا کہاں ہے؟

5.7 زمان ومکاں اللہ تعالیٰ نہیں بلکہ اس کی صفاتِ ذات ہیں

یہاں یہ بات واضح ہونی چاہیے کہ اس بحث کا یہ مطلب نہیں کہ زمان ومکاں (Time & Space) اللہ تعالیٰ ہے۔ایسا ہرگز نہیں۔ بلکہ Time & Space اللہ تعالیٰ کی دوصفات ہیں۔ پھر سن لیں Time & Space اللہ تعالیٰ نہیں ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی وجودی صفات ہیں۔ وہ کل ہے یہ جز ہیں اور جز کبھی کل نہیں ہوسکتا۔ ورنہ لوگ یہاں پہنچ کر وحدت الوجود کی فلاسفی میں چلے جاتے ہیں اور بہک جاتے ہیں۔ وحدت الوجود والوں نے کہا کہ Total وجود ایک وحدت ہے اور یہی وجود اللہ تعالیٰ ہے یعنی اگر اللہ تعالیٰ ''کل'' (Superset) ہے تو کائنات میں مختلف وجود بھی اس کل کا حصہ (Subsets) ہیں جن سے کل تشکیل پاتا ہے۔اس لئے ان میں بھی الوہیت ہے۔ لہٰذا چاند، سورج، زمین، درخت، آدمی غرض ہر چیز اپنی حیثیت پر خدا ہے حالانکہ یہ بات بالکل لغو ہے۔ا بھی دیکھ چکے ہیں کہ لاانتہا (Infinity) کے جتنے بھی حصے کرلو پھر بھی وہ لاانتہا ہی رہتی ہے۔اس میں کوئی کمی نہیں آتی یعنی لاانتہا (Infinity) کسی کی محتاج نہیں۔ وہ اپنی جگہ اٹل (Absolute) حقیقت ہے۔اس لئے اس کی وحدت ایک اٹل حقیقت ہے۔ کائنات اس کی وحدت کا اظہار ہے وہ اس سے باہر اور اس کے اندر ہوتے ہوئے بھی علیحدہ ذات ہے۔ الصمد جس کے حصے بخرے نہیں ہوسکتے۔ اس لئے کائنات اللہ تعالیٰ نہیں، نہ زمان ومکاں اللہ تعالیٰ ہیں البتہ یہ اس کی شان کے مختلف مظاہر ہیں یعنی وحدت الشہود چیزوں کی حقیقت ہے کہ ہر جگہ ایک ہی قانون کام کرتا ہے سب کا ایک ہی اللہ تعالیٰ ہے وحدت الوجود کوئی چیز نہیں کہ سارے وجود ایٹم سے لیکر پوری کائنات تک ایک ایک مختلف وجود مختلف ڈیزائن کے ہیں البتہ ڈیزائنر ایک ہی ہے۔۔ جیسے آپ کسی تصویر (Painting)

کو مصور (Painter) نہیں کہہ سکتے ایسے ہی یہ حال ہے۔

5.8 اللہ تعالیٰ کیسے کام کرتا ہے؟

جیسے پہلے بیان ہوا ہے زمان و مکاں کی ان دو بنیادی صفات کے حوالہ سے اللہ تعالیٰ کی دوسری صفات کو سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔ مثلاً اللہ چونکہ اپنی Time & Space کی صفات کے ساتھ ہے میرے اندر بھی ہے اور باہر بھی۔ اس لئے میں براہ راست اسکے قابو میں ہوں۔ وہ مجھے دیکھتا ہے وہ میری بات سنتا ہے۔ دیکھنے کے لئے اسے کسی جگہ سے نزدیک نہیں آنا پڑتا یا پکڑنے کے لئے اسے ہاتھ بڑھانا نہیں پڑتا۔ وہ کسی سگنل کا محتاج نہیں۔ وہ **نُورًا علٰی نُور** ہے پہنچنے کے لئے کسی جگہ جانا نہیں پڑتا، سننے کے لئے اسے کانوں کی ضرورت نہیں پڑتی، وہ تو میری ساری کی ساری شخصیت Personality کے اندر بھی ہے اور باہر بھی۔ یوں میری کوئی حرکت اس سے چھپی نہیں۔ میرا ہر ایک سانس اس کے قبضہ قدرت میں ہے۔

دوبارہ غور فرمائیں کسی بھی کام کے ہونے کیلئے ایک تو space چاہیے اور دوسرا ٹائم (Time) چاہیے اگر کوئی کام کرنے کے لئے جگہ نہ ہو تو کیا کام کرنا ممکن ہے؟ خواہ ایک سیکنڈ ہو یا سیکنڈ کا سوواں یا کروڑواں حصہ وقت کے بغیر کوئی کام نہیں ہوسکتا ہے۔ لہٰذا کسی بھی واقعہ کے معرض وجود میں آنے کیلئے زمان و مکاں کا تصرف لازمی ہے۔ Two essential conditions for happening are Time & Space یوں اس کی مرضی ہمارے اندر ہر وقت ہر آن کام کر رہی ہے۔ اگر وہ نہ چاہے تو ہم چاہ بھی نہیں سکتے۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہوگا جبکہ ہمارا خلیہ خلیہ اس کی زمان و مکاں کی صفات کا پابند ہے۔

5.9 اللہ تعالیٰ کا کنٹرول

سائنسی طریقوں سے کنٹرول کرنے کے لئے اگر ہم کسی چیز کو آرڈر کریں تو وہ چیز جس سگنل پر کام کرے گی وہ زیادہ سے زیادہ روشنی کی رفتار ہے لیکن کائنات کے حجم کے مقابلہ میں روشنی

کی ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ ($3 \times 10^8 y/s$) یعنی تین لاکھ کلومیٹر فی سیکنڈ کی رفتار بھی بہت سست ہے۔اگر کائنات کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پیغام رسانی کے لئے روشنی کا سگنل بھیجا جائے تو وہ سگنل کبھی واپس نہیں آتا کیونکہ کائنات اتنی بڑی ہے کہ واپسی کے سفر میں اسے غیر محدود وقت (Infinite time) لگ جاتا ہے(یہ بھی کہ کائنات متواتر پھیل رہی ہے اس لئے روشنی کسی بھی صورت دوسرے سرے تک پہنچ ہی نہیں سکتی لہٰذا واپسی کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا)۔ نسبتاً قریبی ستاروں کو کنٹرول کرنے کے لئے بھی ایک سگنل کو جانے اور واپس آنے میں لاکھوں سال لگ سکتے ہیں۔اگر پیغام پہنچتے پہنچتے ہی دس لاکھ سال لگ جائیں اور مزید دس لاکھ سال جواب آنے میں لگ جائیں تو درمیانی بیس لاکھ سال کے وقفہ میں کنٹرول کرنا ناممکن ہو جاتا ہے یوں روشنی کے اشاروں کی رفتار سے کائنات کا کنٹرول ناممکن ہے۔لیکن سائنس نے اب اچھی طرح دیکھ لیا ہے کہ کائنات میں انتہائی درجہ کا توازن قائم ہے۔یہ توازن اتنا حساس ہے کہ اس میں کسی طرح کا تفاوت قابلِ برداشت نہیں۔ بالفرض اگر کسی طرح کا تفاوت آجائے تو تمام نظام درہم برہم ہو جائے مثلاً اگر کششِ ثقل ایک فیصد بھی زیادہ ہو جائے تو کائناتی اجسام آپس میں ٹکرا کر ختم ہو جائیں۔جیسا ہم نے اوپر کہا ہے اس عظیم نظام کا کنٹرول کسی سنٹرل سٹیشن یا کنٹرول روم سے ممکن نہیں تو پھر توازن کیسے قائم و دائم ہے؟ اس کا جواب صرف ایک ہی ہے کہ اسے قائم رکھنے والی ایک ایسی ذات پاک ہے جو ہر چیز کے اندر اور باہر سدا مستعد ہے اور وہ خود زمان و مکان ہے اس لئے وہ ذات معلومات اور کنٹرول کے لئے کسی سگنل کی محتاج نہیں بلکہ زمان و مکاں کی صفات کی بنا پر ہر چیز کا کنٹرول براہ راست اسکے ہاتھ میں ہے۔

5.10 اللہ تعالیٰ کہاں رہتا ہے؟

ایک اور سوال جو اکثر ذہنوں میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کہاں رہتا ہے؟ اس سوال کا جواب دینا اس وقت مشکل ہے جب ہم اس کے بارے میں یہ تصور کریں کہ اللہ تعالیٰ ہم سے بہت دور

آسمانوں میں کسی دور کے ستارے یا Galaxy میں بیٹھی ہوئی کوئی شخصیت ہے۔ وہاں بیٹھا وہ سب کچھ دیکھ رہا ہے اور وہیں سے احکامات جاری کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ ایک بالکل غلط تصور ہے۔ اس سے اس کی ذات پاک اس سیارے یا ستارے کی مقید ہو جاتی ہے جس میں وہ رہائش پذیر ہوگا۔ یوں وہ اپنی ذات پاک میں محدود ہو جاتا ہے۔ یہ ہندوؤں، عیسائیوں اور دوسرے گمراہ لوگوں کا نظریہ ہے۔ جب ہم نے اللہ تعالیٰ کو ایک خاص جگہ دے دی تو جس جگہ پر ہے وہ اس سے برتر ہوگی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر کائنات **کُل** ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا ایک حصہ ہوا۔ یہ ہے بت پرستوں کا نظریہ۔ وہ بھی سامنے رکھی ہوئی مورتی کو اپنا خدا سمجھتے ہیں۔ انہوں نے اسے اپنے گھر یا مندر میں سجا رکھا ہوتا ہے۔ اگر آپ نے اسے کسی عرش پر رکھی بہت بڑی کرسی پر بٹھا دیا ہے تو بات ایک ہی ہوئی۔ یہ دونوں غلط نظریے ہیں۔ اس کی تو یہ شان ہے کہ وہ ہر چیز کا شاہد ہے اور ہر چیز پر محیط ہے:۔

اَلَآ اِنَّھُمۡ فِیۡ مِرۡیَۃٍ مِّنۡ لِّقَآءِ رَبِّھِمۡ اَلَآ اِنَّہٗ بِکُلِّ شَیۡءٍ مُّحِیۡطٌ O

''خبردار کیا وہ اپنے رب سے ملنے پر شک میں مبتلا ہیں، خبردار بے شک وہ بلا استثناء ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے''۔ (سورۃ حٰم السجدۃ، آیت 54)

اور آپ اگر آیت الکرسی پڑھیں اس کے آخر میں **وَسِعَ کُرۡسِیُّہُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ** آتا ہے۔ **السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ** سے تمام کائناتیں مُراد ہیں۔ یعنی اس کی کرسی تمام کائناتوں سے بھی وسیع تر ہے۔ جن میں تمام ستارے اور سیارے شامل ہیں۔ اس لئے یہ مفروضہ غلط ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کسی خاص ستارے یا سیارے یا کسی کہکشاں میں کرسی یا تخت پر بیٹھا ہوا ہے۔ کسی خاص جگہ کا محتاج ہونا اس کی شان کے خلاف ہے۔ ہر مقام پر اس کی کرسی ہے اور عرش لگا ہوا ہے:۔

اَللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ لَا تَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّلَا نَوْمٌ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗ اِلَّا بِاِذْنِہٖ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَمَا خَلْفَھُمْ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖ اِلَّا بِمَا شَآءَ وَسِعَ کُرْسِیُّہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَا یَؤُدُہٗ حِفْظُھُمَا وَھُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ﴿255﴾
اللہ تعالیٰ ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ زندہ ہے، اور قائم ہے، نہ اسے اُونگھ آتی ہے، اور نہ نیند، اسی کا ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے، کون ہے جو سفارش کرے اس کے پاس اس کی اجازت کے بغیر، وہ جانتا ہے جو ان کے سامنے ہے، اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے، اور وہ نہیں احاطہ کر سکتے اس کے علم میں سے کسی چیز کا مگر جتنا وہ چاہے، اس کی کرسی وسیع تر ہے آسمانوں اور زمین سے، اسے ان کی حفاظت نہیں تھکاتی، اور وہ بلند مرتبہ، عظمت والا ہے۔ (سورۃ البقرہ، آیت 255)

5.11 اللہ تعالیٰ کی کرسی اور عرش کی حقیقت

کرسی کے بارے میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو تشریح فرمائی ہے۔ اس پر غور کرنے سے آپ کو اللہ تعالیٰ کی حقیقت تک پہنچنے میں مدد ملے گی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ نسبتی طور پر (Relatively) زمین کی آسمان سے وہی نسبت ہے جو ماں کے پیٹ کو زمین سے ہے اور دوسرے آسمان کی پہلے آسمان سے وہی نسبت ہے جو زمین کو آسمان سے ہے۔ علیٰ ہذا القیاس۔ اب سوچیے ایک بچے کی نسبت زمین سے کیا ہو گی؟ اور پھر عرش کی نسبت سمٰوٰت سے کیا ہو گی؟ اور کرسی کی نسبت عرش سے کیا ہو گی؟ تھوڑا سا حساب ہے، ذرا غور کرنے کی بات ہے، پھر یہ بات سمجھ آ جائے گی کہ عرش کسی ستارہ پر نہیں بلکہ پوری کی پوری کائنات عرش کے اندر ہے۔

نومولود بچے کا جسم آپ کے سامنے ہے اور تمام زمین کا سائز بھی آپ کے سامنے ہے۔

جس کا تقریباً بارہ ہزار سات سو کلو میٹر قطر Diameter ہے اور ماں کا جسم زیادہ سے زیادہ پچاس ساٹھ سینٹی میٹر کا ہوگا۔ اس میں اور زمین کے حجم میں نسبت تقریباً 1,000,000,000,000,000 ہے۔ اس نسبت سے پہلے آسمان سے اس کی نسبت ایک کے آگے 30 صفر، ($1x10^{30}$) ہے اور علیٰ ہذا القیاس ساتویں آسمان اور زمین کی نسبت 10^{105} ہوگی۔ یہ تعداد ساری کی ساری کائنات میں ایٹموں کی تعداد جو کہ 10^{78} ہے سے بھی 10^{27} گنا زیادہ ہے۔ اس سے آگے سمٰوٰت کو ایسی ہی نسبت عرش سے ہے اور پھر اسی لحاظ سے کرسی اور عرش کا تعلق ہے۔

اس ساری تفصیل میں جانے کا مقصد یہ ہے کہ یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ کسی خاص سیارے پر بیٹھا ہوا کائنات کنٹرول کر رہا ہے بالکل غلط ہے۔ کلی زمان Total Time اور کلی مکاں Total Space اس کی ذات پاک کی صفات ہیں یوں کائنات اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کا سب سیٹ (Subset) ہے اور اس نے ہر چیز کو محیط کیا ہوا ہے۔ کائنات کا ظاہر میں بھی وہی ہے باطن بھی وہی ہے۔ ان صفات کی بنا پر **ھوبکل شئی علیم** اور **اِنَّہٗ عَلٰی کُلِّ شَئیٍ شَھِیدُ** (53)41 اس کی شان ہے۔ اس کے لئے ماضی حال مستقبل برابر ہیں۔ وہ گذرے ہوئے کل کو بھی دیکھ رہا ہے، آج کو بھی اور آنے والا کل بھی اس کی نظر میں ہے۔ وہ ہر چیز کا شاہد ہے۔ اسے کسی جگہ جانا نہیں پڑتا۔ کسی سے پوچھنا نہیں پڑتا۔ کوئی سگنل نہیں بھیجنا پڑتا کوئی ٹیلیفون نہیں کرنا پڑتا۔ کسی انٹرنیٹ کا استعمال نہیں کرنا پڑتا۔ اپنی ذات پاک کی خصوصیات کی بنا پر وہ ہر چیز کے اندر بھی ہے ہر چیز کے باہر بھی ہے اس لئے وہ سب کچھ جانتا ہے، سنتا ہے، خبر رکھتا ہے، کوئی واقعہ اس کی مرضی کے بغیر ہو ہی نہیں سکتا۔ جو کچھ بھی ہوتا ہے اس کے اذن سے ہوتا ہے۔ جہاں دو ہیں وہ تیسرا ہے جہاں تین ہیں وہ چوتھا ہے۔ آپ اس سے کبھی چھپ نہیں سکتے۔ وہ آپ کی رگ رگ سے واقف ہے۔
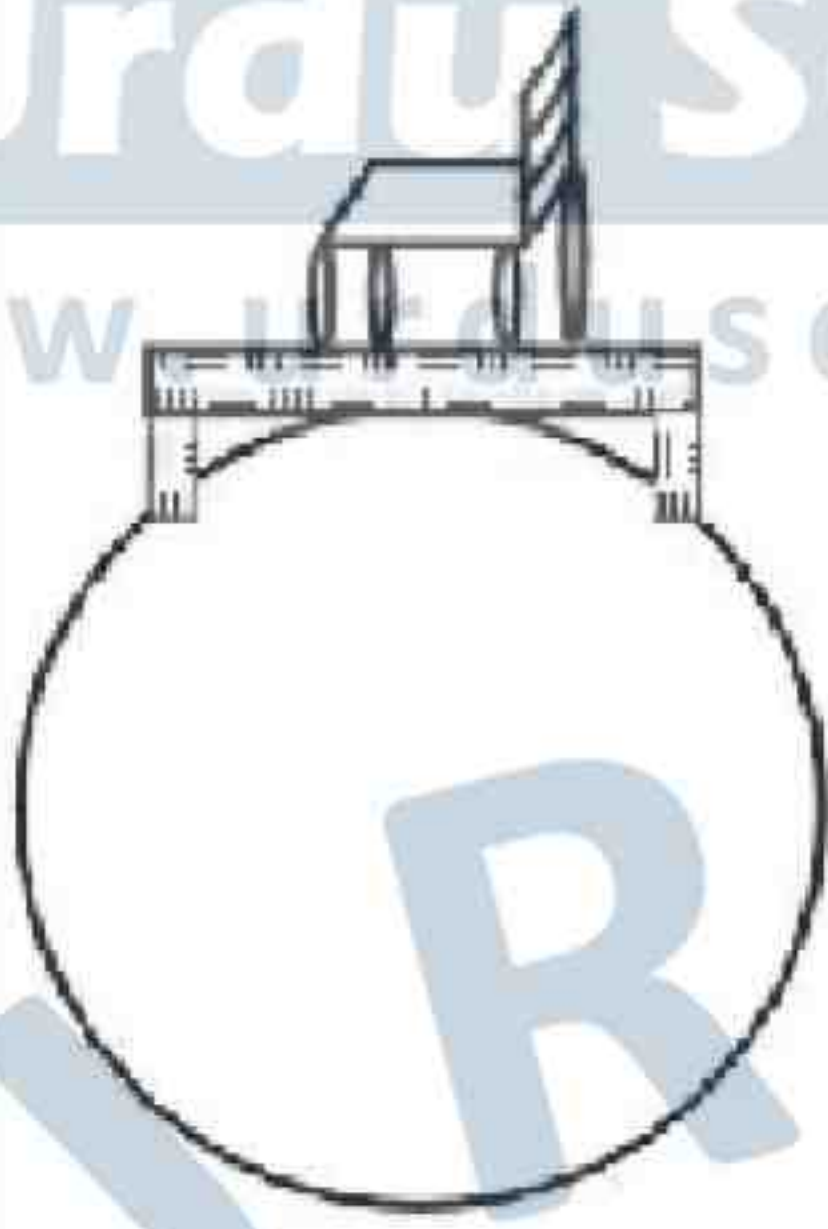
"خبردار! اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کہ وہ کسی
گوشت پوست کے انسان کی طرح
کسی بڑے سے تخت پر کسی
عالیشان کرسی پر بیٹھا ہوا ہے اس کی
شان تو یہ ہے کہ زمین و آسماں اس
کی مٹھی میں بند ہیں" (القرآن)
اس نے کائنات کو محیط کئے ہوئے ہے اور وہ ہر چیز سے بڑا ہے۔

--------------------☆-------------------

باب نمبر 6

عالم برزخ کی زندگی

جیسے ہم پہلے واضح کر چکے ہیں کہ زمان ومکاں میں ہماری روح کا سفر سدا جاری ہے۔ یہ رب تعالیٰ کا امر ہے اور اس کے امر کو فنا نہیں البتہ اظہار کی شکلیں بدلتی رہتی ہیں۔ زندگی اور موت اظہار کی تخلیقی حالتیں ہیں۔ جن کا مدعا سورۃ الملک کی دوسری آیہ مبارکہ میں واضح کر دیا ہے:۔

خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً ۝

''اس نے موت اور زندگی کو تخلیق کیا تا کہ آزمائے کہ کون تم میں سے عمل میں بہتر ہے''۔ (سورۃ الملک، آیت 2)

اس سلسلہ میں مشہور صوفی بزرگ حضرت سید محمد ذوقی شاہ اپنی کتاب ''برزخ'' اشاعت اول 1333 ھجری میں لکھتے ہیں کہ قطع نظر اس بات کے برزخ کا ہر معاملہ ہی جدا ہے لیکن وہاں سے بھی نفوس کے تعلقات اس دنیا کے ساتھ رہتے ہیں جن کی مختلف صورتیں ہیں۔ ایک صورت یہ ہے کہ ہر روز یہاں سے روحیں وہاں پہنچتی رہتی ہیں اور نو وارد روحوں سے وہاں والوں کے حالات معلوم ہوتے رہتے ہیں۔ دوسری صورت تعلقات کی بذریعہ خواب کے ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ''زندوں اور مُردوں کی روحیں خواب میں آپس میں ملتی ہیں اور ان میں باہمی بات چیت ہوتی ہے''۔ (طبرانی)۔ تیسری صورت مُردوں اور زندوں میں تعلقات قائم رہنے کی یہ ہے کہ زیارت کرنے والے جب قبروں پر زیارت کرنے جاتے ہیں تو مُردوں کو ان کا علم ہوتا ہے اور وہ انہیں پہچان لیتے ہیں اور ان کے سلام کا جواب دیتے ہیں۔

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جس وقت کوئی آدمی کسی قبر پر گزرتا ہے جس کو وہ پہچانتا ہے پھر اسے سلام کرتا ہے تو وہ اس کو سلام کا جواب دیتے ہیں اور اسے پہچانتے ہیں (بیہقی)۔ چوتھی صورت تعلقات کی یہ ہے دنیا والے جو نیک و بد عمل کرتے ہیں وہ برزخ والوں پر پیش کیے جاتے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے اعمال تمہارے مردہ عزیزوں پر پیش کیے جاتے ہیں اگر اعمال نیک ہیں تو وہ خوش ہوتے ہیں اور بد ہیں تو کہتے ہیں کہ الٰہی ان کو نہ مرنے دے یہاں تک کہ وہ ہدایت پا جائیں۔ (مسند احمد، ترمذی)۔ سید ذوقی صاحبؒ لکھتے ہیں کہ ان کے علاوہ پانچویں صورت مُردوں کے تعلقات کی یہ ہے کہ عالم بیداری میں بھی اس دنیا کے لوگوں سے ملاقات کرتے ہیں۔ وہ اپنی کتاب ''برزخ'' میں مختلف حوالہ جات کے ساتھ چالیس کے قریب ایسے واقعات لکھتے ہیں جہاں مردوں کی روحیں مجسم صورت میں زندوں سے ملاقات کرتی ہیں مثلاً حضرت شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ اپنے والد شاہ عبدالرحیمؒ کا واقعہ لکھتے ہیں کہ ''میں نے ایک مرتبہ حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی کو خواب میں دیکھا کہ نماز کے لئے وضو کر رہے ہیں جس پر اُن سے پوچھا کہ کیا عالم برزخ میں بھی نماز پڑھی جاتی ہے؟ فرمایا، کیوں نہیں۔ جنہیں دنیا میں نماز پڑھنا بہت محبوب تھا انہیں اس جہاں میں بھی اس سے انس ہے۔ نماز کے بعد ارواح اکٹھی ہوتی ہیں اور محفل ذکر ہوتی ہے۔ میں اس میں شامل ہوا۔ وہاں میں نے کچھ لوگوں کو علمی مشاغل میں بھی دیکھا اور پتہ چلا کہ وہاں ہر طرح کی علمی، ذکری مجالس بھی ہوتی رہتی ہیں''۔

عالم برزخ میں ایک وہ ہیں جن پر یہ مانند خواب ہے وہ اپنی پہلی والی زندگی کے خواب دیکھتے رہتے ہیں اور ان کے مطابق خوشی یا خوف کی حالت میں رہتے ہیں۔ کچھ کائنات میں آزاد چھوڑ دیئے جاتے ہیں اور کچھ کے لئے یہ بھرپور عملی زندگی ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب (رحمتہ اللہ علیہ) کے علاوہ امام غزالی (رحمتہ اللہ علیہ) کے نزدیک بھی عالم برزخ میں ترقی یافتہ ارواح کائنات میں ایک آسماں سے دوسرے آسمانوں کی سیر بھی کرتی ہیں (رسائل امام غزالی)۔ غرض ہر ایک کے حالات اسکی بساط کے مطابق ہیں۔

6.1 سائنسی تحقیقات

پہلے بتایا جاچکا ہے کہ حقیقت میں روح امر ربی ہے۔لوگوں نے اسے کئی نام دیے ہیں۔کوئی اسے سپرٹ (Spirit) کہتا ہے کوئی Soul، کوئی شعور Psychic Force، کوئی Mind کوئی آتما، کوئی خودی۔غرض اس کے بہت سے نام ہیں۔لیکن اسکی حقیقت سے پوری طرح کوئی بھی آگاہ نہیں۔بہرحال انسان کی شخصیت موت سے ختم نہیں ہوتی۔دنیا میں رہنے سے اسکی جو شکل بنتی ہے قرآن کریم میں اسے نفس کا نام دیا گیا ہے۔خوش آئند بات یہ ہے کہ پچھلی ایک صدی سے سائنس اسکی حقیقت کو جاننے کی طرف آہستہ آہستہ بڑھ رہی ہے اور یوں طبیعیات سے مابعد طبیعیات میں قدم رکھ رہی ہے۔

انسان دنیا پر روح کے ساتھ آتا ہے اور نفس لیکر یہاں سے جاتا ہے۔
نفس کی حالت کا انحصار ان اثرات پر ہے جو بیرونی اور اندرونی طور پر روح قبول کرتی ہے۔گویا روح بیج ہے اور نفس اس سے اُگنے والا درخت۔
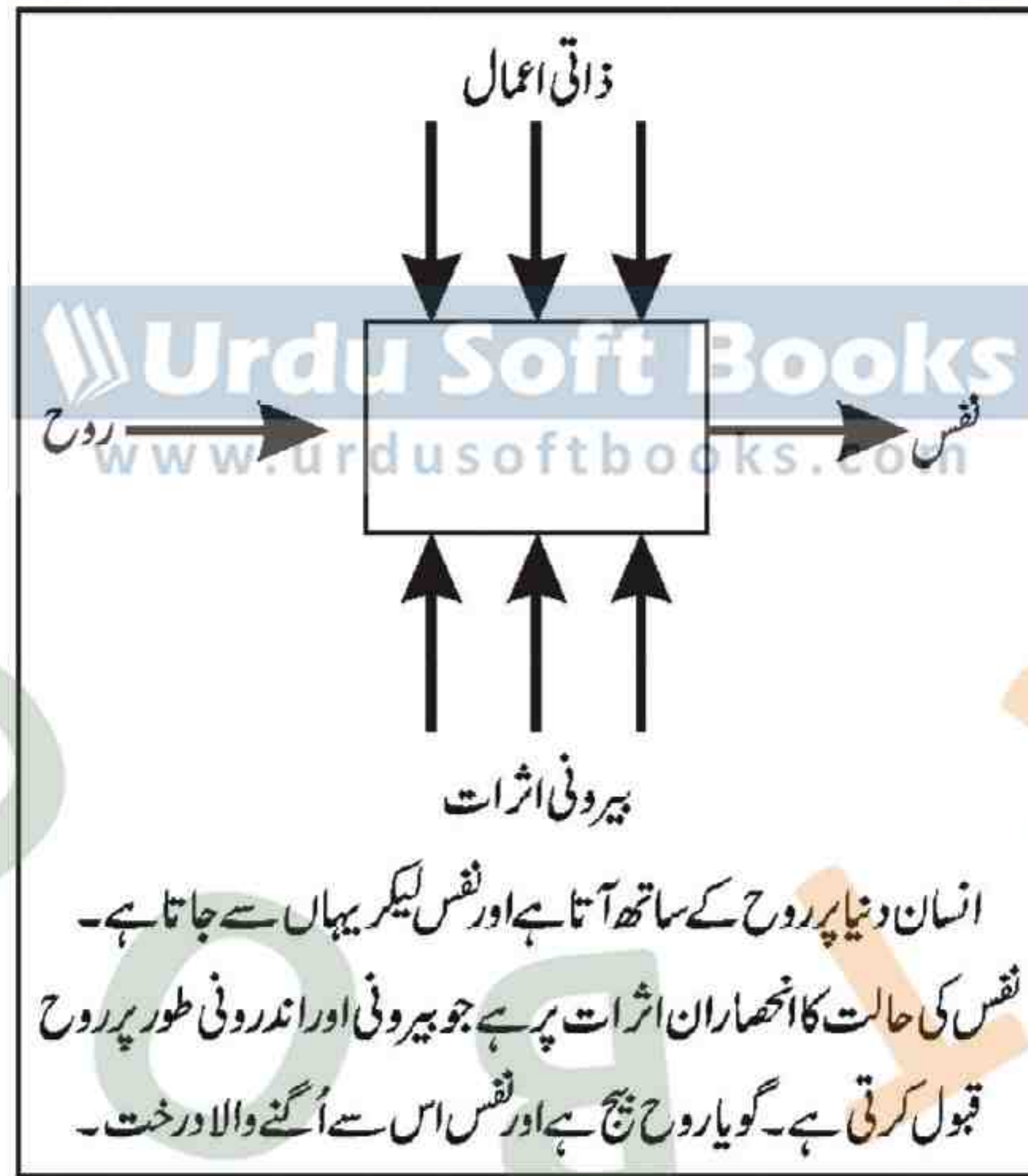
جدید دور میں روحوں پر تحقیق کا کام سنجیدگی سے 1970ء کی دہائی کے آغاز پر امریکہ میں شروع ہوا۔اس کا سہرا ریمنڈ موڈی جو ایک امریکن سائیکالوجسٹ (Psycologist) ہے کو جاتا ہے۔ان کے پی ایچ ڈی Ph.D کے مقالہ (Thesis) کا موضوع ان لوگوں پر تحقیق تھا جو

میڈیکل طور پر مرجاتے ہیں لیکن تھوڑی دیر بعد دوبارہ زندہ ہوجاتے ہیں۔کبھی کبھی آپ نے بھی سنا ہوگا کہ ہسپتال میں ایک آدمی مرگیا تھا ڈاکٹروں نے اسے مردہ قرار دے دیا لیکن چند منٹ کے بعد وہ دوبارہ زندہ ہوگیا۔ایسے واقعات ہر ملک میں ہوتے رہتے ہیں۔ریمنڈ موڈی نے یہ جاننے کی کوشش کی کہ اس عارضی موت کے دوران کیا ہوتا ہے۔اس مقصد کے لئے انہوں نے متعلقہ اشخاص کے لئے ہسپتالوں کو ایک سوال نامہ جاری کیا۔سوال نامہ یہ تھا کہ جب آپ موت اور زندگی کی کش مکش میں تھے، اُس وقت جب ڈاکٹروں نے آپ کو clinically dead قرار دیا تھا،آپ نے کیا دیکھا؟ آپ کے ساتھ کیا ہوا؟ چنانچہ دوسال کے عرصہ میں انہیں امریکہ میں سے ہی ایک سو پچاس جوابات موصول ہوئے۔جن کا انہوں نے تجزیہ کیا اور ان کے درمیان مشترکہ مشاہدات کو علیحدہ علیحدہ کرلیا۔اب وہ لوگ مختلف حالات میں فوت ہوئے،مختلف مقامات پر فوت ہوئے آپس میں کوئی رشتہ نہیں ہے،مختلف قوموں سے ہیں،مختلف مذاہب سے ہیں اس کے باوجود اگر اکثریت نے ایک ہی واقعہ بیان کیا ہو تو وہ ضرور حقیقت پر مبنی ہوگا۔جب ایک ہی کیفیت کو بیس آدمی بتا رہے ہیں تو اس کیفیت میں ضرور کوئی حقیقت ہوگی۔یہ ایک سائنٹیفک سچائی ہوگی۔ان واقعات کے تجزیہ کے نتیجہ میں ریمنڈ موڈی Raymond Moody اپنی کتاب (Life After Life) میں لکھتا ہے:۔

اکثریت نے بتایا کہ جب ہم مرگئے تو ہماری روح نے دیکھا کہ ڈاکٹر ہمیں انجکشن یا ڈرپس لگا رہے ہیں۔مشینوں سے ہمارا سانس جاری کر رہے ہیں اور ہم وہاں کھڑے اس سارے منظر کو دیکھ رہے ہیں کمرہ کے نیچے اوپر جہاں چاہیں دیکھ سکتے ہیں۔(ڈاکٹروں کے کہنے کے مطابق ان کے بیانات سچ تھے) انہوں نے مزید بتایا کہ اس وقت ہم نے یہ بھی دیکھا کہ ہمارے جو پہلے سے مرے ہوئے رشتہ دار یا دوست عزیز بھی اس کمرے میں کھڑے تھے۔انہیں دیکھ کر ہم خوش ہوئے جیسے ہم پرانے دوستوں کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔وہیں دو اجنبی شخصیتیں بھی تھیں جنہوں نے کہا کہ ہمارے ساتھ چلو۔اب ہم اس کمرے سے جانا نہیں چاہتے تھے کیوں کہ وہاں ہمارے دوست موجود تھے۔ہمارا جسم وہاں پڑا ہوا تھا۔لیکن وہ سخت رویّہ اختیار کرتے ہوئے ہمیں زبردستی

لے جاتے ہیں۔ان کے ساتھ ہم شہر کے اوپر سے گزرتے ہیں۔کاریں چل رہی ہیں سڑکوں پر گھما گھمی ہم دیکھ رہے ہیں اور وہ ہمیں کسی نا معلوم منزل کی طرف لے جا رہے ہیں۔ہم پریشان ہیں، گھبرائے ہوئے ہیں کہ یہ ہمیں کہاں لے کر جا رہے ہیں؟ پھر وہ ہمیں ایک ٹنل (غار) سے گذارتے ہیں جو بالکل تاریک اور بڑی خوف ناک ہے۔ہم پریشانی کے عالم میں انکار کرتے ہیں لیکن ان کا رعب اور دبدبہ اتنا ہے کہ ہمیں گزرنا پڑتا ہے۔

6.2 روشنی کا مینار

پھر ٹنل (Tunnel) سے دوسری طرف ایک روشنی نظر آتی ہے۔وہاں ایک بے حد خوبصورت اور وسیع میدان ہے۔ایسی جگہ ہم نے کبھی نہیں دیکھی۔وہاں بہت سے اور لوگ بھی ہیں۔ان میں ایسے لوگ بھی ہیں جنہیں ہم پہلے سے جانتے تھے لیکن ان سے بات نہیں کر سکتے تھے۔ہمارے ساتھی (فرشتے) ہمیں کہتے ہیں آگے چلو۔پھر وہ ہمیں روشنی کے ایک مینار کے سامنے لے جاتے ہیں۔وہ **نُور علٰی نُور** ہستی فرماتی ہے کہ میرے لئے کیا لائے ہو؟ وہاں بولنے کی ضرورت نہیں۔بچپن سے لیکر آخری عمر تک کا ایک ایک واقعہ، چھوٹا ہو یا بڑا، ہماری آنکھوں کے سامنے فلم کی طرح چلتا نظر آتا ہے۔نہ ہونٹ بولتے ہیں نہ آنکھوں کو دیکھنے کی ضرورت ہے اس **نُور علٰی نُور** ہستی اور ہمارے درمیان ایک خاموش رابطہ اور تعلق ہے۔وہ جانتا ہے کہ ہم کیا سوچتے ہیں۔ایک لمحہ پر وہ کہتا ہے "بس"، اور وہ فرشتوں کو حکم دیتا ہے کہ اسے واپس لے جاؤ۔ابھی اس کے لئے کچھ کام باقی ہے لیکن اب ہم وہاں سے واپس نہیں آنا چاہتے۔وہاں اتنا پیار ہے، محبت ہے اور **نُورٌ علٰی نُور** شخصیت میں ایسی مقناطیسی کشش Magnetic Force ہے کہ ہم اس میں جذب ہو جانا چاہتے ہیں۔ہمیں واپسی پر مجبور کیا جاتا ہے۔ہمارے محافظ فرشتے اسی ٹنل میں سے گزارتے ہیں۔واپسی پر اسی طرح شہر ہے، جس پر سے گذرتے ہوئے وہ ہمیں اسی کمرے میں لے آتے ہیں جہاں ہماری لاش تھی۔لاش کے اوپر کپڑا ڈالا ہوا ہے۔ڈاکٹر اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں۔فرشتے اب کہتے ہیں کہ واپس اپنے جسم میں داخل ہو جاؤ۔ہم داخل نہیں ہونا چاہتے

لیکن وہ ہمیں داخل کر دیتے ہیں۔

(نبیوں کے سردار محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی بتایا ہے کہ جب تک مردوں کو دفن نہیں کر دیتے ان کی روح لاش کے ساتھ ساتھ رہتی ہے اور سب کچھ دیکھ رہی ہوتی ہے۔ نہ صرف دیکھتی ہے بلکہ لوگوں کے ذہنوں کے اندر کے خیالات بھی پڑھ سکتی ہے۔ لوگ اسے ان کے اعمال کے مطابق نظر آتے ہیں۔ جنازے کے ہجوم میں اچھے برے سبھی ہوتے ہیں اس لئے روح کو کوئی بزرگ ہستی، کوئی سانپ، کوئی بچھو، کوئی کتا، کوئی بشر (غرض اچھے برے انسان جیسا لوگوں کا باطن ہوتا ہے ویسے ہی نظر آتے ہیں)۔

6.3 عالم برزخ میں علمی مشاغل

''یہ کہ عالم برزخ کی زندگی میں علمی مشاغل جاری رہتے ہیں اس کے بارے میں جدید سائنسی تحقیقات بھی شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور سید ذوقی صاحب کے خیالات (جن کا ذکر پہلے ہو چکا) کی ترجمانی کرتی ہیں۔ مثلاً ریمنڈ موڈی نے مر کر زندہ ہونے والے لوگوں سے سوال کیا کہ وہ نُور علٰی نور ہستی، کن باتوں سے خوش ہوتی ہے اور کن باتوں سے ناراض ہوتی ہے؟ اس کے جواب میں کچھ لوگوں نے کہا کہ زندگی کے وہ لمحات جو ہم نے لوگوں کی خدمت میں گزارے، ان سے وہ خوش ہوتی ہے یا وہ لمحات جو ہم نے حصول علم میں یا تعلیم دینے میں گزارے تھے ان سے وہ خوش ہوتی ہے۔

ریمنڈ موڈی کی تحقیق میں آنے والی ایک صاحبہ نے بتایا کہ مرنے کے بعد میرے دل میں خواہش تھی کہ میری حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہو جائے۔ میں نے دیکھا کہ ایک طرف ایک بہت ہی نورانی شخصیت ہے جس سے نور پھیل رہا ہے اور اس کے سامنے بہت سے لوگ بیٹھے ہوئے ہیں جنہیں وہ لیکچر دے رہا ہے۔ میں نے سوچا کہ شاید یہی حضرت عیسی علیہ السلام ہوں۔ وہاں مجھے میری ایک واقف کار سہیلی مل گئی جو مجھ سے پہلے فوت ہو چکی تھی میں نے اس سے پوچھا کہ یہ ہستی کون ہے؟ کیا یہ حضرت عیسی علیہ السلام ہیں؟ تو وہ کہنے لگی کہ یہ حضرت عیسی علیہ

السلام نہیں ہیں۔ یہاں کا نظام یہ ہے کہ یہاں پڑھنے والے بھی ہیں اور پڑھانے والے بھی۔ یہ استادوں میں سے ایک استاد ہیں۔ یہاں کلاسیں لگی رہتی ہیں۔ ہم جب سے یہاں آئے ہیں علم سیکھ رہے ہیں اور علم ختم ہی نہیں ہوتا"۔ شاید یہاں دنیا پر علم میں جو کمی رہ جاتی ہے وہاں جا کر پوری کی جاتی ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے:۔

كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ہ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ○ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ○

"ہر گز نہیں، عنقریب تم جان جاؤ گے۔ اس کے بعد یقیناً (مزید) جان جاؤ گے، (اگلا پچھلا)۔ کاش تمہیں (زندگی میں بھی) علم الیقین حاصل ہوتا"۔ (سورۃ التکاثر، آیات 3-5)

یعنی غیب کے حقائق عالم برزخ اور باطن کے علوم کو جاننا ہوتا وہاں اہم ترین تعلیم قرآن پاک کی تعلیم ہے اور اس میں قابلیت کے معیار کے مطابق انسان ترقی کی اگلی منازل طے کرتا جائے گا۔ اس لئے اگر کوئی آدمی ارضی حیات میں قرآن پاک کا عالم ہے تو اسے **take off** بہت اچھا مل جائیگا۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اسے استاد بھی بنا دیا جائے۔

عالم برزخ میں قرآن پڑھتا جا اور چڑھتا جا

دنیا ہے

عالم برزخ

علیین

سجین

مرتے وقت نفس کی آخری حالت عالم برزخ کے لئے بڑی اہم ہے۔ اس وقت جو سمت ہوگی **Take off Point** اسی سمت میں وہ اڑے گا۔

عالم برزخ میں انسان پر آہستہ آہستہ غیب کے حقائق کھلتے جاتے ہیں لیکن ہر ایک کا آغاز (Start point) جدا جدا ہے۔اس کا انحصار دنیا میں انسان کی یقین والی علمی استطاعت پر ہوگا لیکن علم حاصل کرنے کا سلسلہ ہمیشہ کے لئے جاری وساری ہے۔ جب کوئی ایک درجہ پاس کرے گا تو دوسرے درجے میں چلا جائے گا لیکن وہاں کی دنیا انتہائی سست رو Slow ہے۔ وہاں کا ایک دن ہمارے ہزاروں سالوں کے برابر ہے یعنی جو کام دنیاوی حیات میں ہم یہاں ایک دن میں کرلیتے ہیں وہی کام وہاں کرنے کے لئے مجھے ایک ہزار سال یا اس سے بھی زیادہ عرصہ چاہیے۔اس وجہ سے اگر یہاں میں دو سال لگا کر پورا قرآن پاک اچھی طرح پڑھ لیتا ہوں۔(اگر دنیا کا ایک دن وہاں کے ہزار سال کے برابر ہو) تو وہاں اس نسبت سے مجھے سات لاکھ تیس ہزار سال لگ جائیں گے۔لیکن اگر میں زندگی میں پڑھ چکا ہوں تو اس بات کا فائدہ Advantage مل گیا۔اسی طرح باقی روحانی علوم کی بات ہے اگر کوئی صاحب، اللہ تعالیٰ کی معرفت نہیں رکھتا تو اس صورت میں نکتہ آغاز Starting point بہت نیچے ہوگا اور اس نقصان کو پورا کرنا بہت ہی مشکل ہوگا۔

اس لئے ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ یہاں اس دنیا کی دو رکعت نماز وہاں کی لاکھوں سالوں کی عبادت سے افضل ہے۔اس لئے کہ عالم برزخ انتہائی سست رو دنیا passive world ہے۔لہٰذا موجودہ زندگی کا ایک ایک لحہ بہت ہی قیمتی اور اہم ہے۔اس لحہ کی جس نے قدر کرلی وہ کامیاب ہوگیا۔اگر لہو ولعب میں اس کو گزار دیا تو ناکام ہوا۔

چونکہ برزخی حیات ارضی حیات کا تسلسل (Continuity) ہی ہے وہاں علم بھی وہی حاصل کریں گے جنہیں یہاں علم کا شوق ہے۔قرآن وہ پڑھیں گے جنہیں قرآن سے انس ہے، ہر کوئی وہی کرے گا جو وہ یہاں کرتا ہے۔لیکن سب کو اپنے اعمال کی حیثیت (Worth) کا پتہ ہوگا۔ چنانچہ وہ اعمال جو جسم کی ترقی وتزئین یعنی دنیا اکٹھے کرنے کے لئے کئے تھے۔جسم ضائع ہونے کے ساتھ ہی ضائع ہوجائیں گے۔فائدہ منداعمال وہی ہوں گے جو روحانی ترقی وتکمیل کے لئے کئے گئے تھے۔باقی اعمال برزخی حیات میں پریشانی کا باعث بنتے ہیں۔امریکی ڈاکٹر ریمنڈ موڈی کے مشاہدہ

میں آنے والے مندرجہ ذیل واقعہ سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے۔ ایک شخص جس نے خودکشی کی تھی جب اس سے پوچھا گیا کہ تیرے ساتھ کیا بیتی تو اس نے کہا کہ میرے ساتھ بہت ہی برا ہوا۔ میں اپنے آپ کو اسی آلہ سے مارے جا رہا تھا جس سے میں نے خودکشی کی تھی۔ (اسی لئے اسلام نے بتایا ہے کہ خودکشی حرام ہے اور خودکشی کی موت حرام موت ہے)۔

مرنے کے بعد یادداشت بھی قائم رہتی ہے بلکہ تمام بھولی ہوئی باتیں بھی یاد آجاتی ہیں۔ مثلاً مر کر زندہ ہونے والوں میں بعض نے بتایا کہ انہوں نے دوسری دنیا میں ایسے کچھ لوگوں کو بھی دیکھا جو پہلے سے فوت ہو چکے تھے لیکن ان سے زیادہ بات چیت نہیں ہوئی کیونکہ وہ بہت مصروف تھے۔ ہاں البتہ جب ہم وہاں اپنے عزیزوں کے پاس گئے تو وہ دوڑ کر ہمارے پاس اکٹھے ہو گئے اور ہمیں پہچان لیا اور نہایت اشتیاق سے پوچھا فلاں کا کیا حال ہے فلاں کا کیا حال ہے، یعنی مرنے کے بعد بھی انسان اپنے پرانے دوستوں کو یاد رکھتے ہیں اور ان کے بارے میں فکر مند بھی ہوتے ہیں۔

(حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی بتایا ہے کہ مرنے کے بعد جب ایک آدمی پرانی روحوں کے پاس جاتا ہے تو وہ اپنے عزیزوں اور دوستوں کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ وہ کیا کرتا ہے تو وہ بتاتا ہے کہ اس نے بڑے بڑے محل بنا لئے ہیں، بڑی دولت بنائی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ اس نے آگ اکٹھی کر لی۔ اگر وہ بتاتے ہیں کہ وہ خدا کی یاد، تحصیل علم اور خدمتِ خلق میں مصروف ہے تو وہ کہتے ہیں وہ کامیاب ہو گیا۔)

لوگوں میں بہتر وہ ہے جو انسانوں کے لئے بہتری کے کام کرتا ہے۔ (حدیث پاک)

6.4 آثار کے نتائج۔ صدقہ جاریہ کی اہمیت

سورۃ یٰسین کی اگر پہلی بارہ آیات پڑھیں تو آخر میں یہ آتا ہے:۔

اِنَّا نَحۡنُ نُحۡیِ الۡمَوۡتٰی وَ نَکۡتُبُ مَا قَدَّمُوۡا

وَاٰثَارَهُمْ ؕ وَكُلَّ شَىۡءٍ اَحۡصَيۡنٰهُ فِىۡۤ اِمَامٍ مُّبِيۡنٍ ۝

''تحقیق ہم زندہ کریں گے مُردوں کو اور ہم لکھتے ہیں جو انہوں نے

آگے بھیجا اور جو انہوں نے پیچھے چھوڑا اور ہر چیز کو ہم نے گن رکھا

ہے ایک کھلی واضح سامنے کتاب میں''۔(سورۃ یٰسین، آیت 12)

عالم نزع سے پہلے پہلے جو میرے اعمال ہیں وہ آگے جا رہے ہیں۔ جبکہ میرے آثار وہ ہیں جو میں نے اپنے پیچھے چھوڑے۔ اگر میں نے اچھے کام کئے تو اچھے آثار چھوڑے، اچھی اولاد چھوڑی، کوئی اچھی کتاب لکھ دی، کوئی تعلیمی ادارہ قائم کر دیا، کوئی میری وجہ سے نیکی پر آ گیا، کوئی مسجد بنا دی، انسانوں کے لئے کوئی کام کر دیا، کوئی ہسپتال بنا دیا، لوگوں کے دلوں کو جوڑ دیا، یہ سب میرے اچھے آثار ہیں۔ ان کے مقابلے میں اگر میرے چھوڑے ہوئے اعمال برے اثرات کے حامل ہیں تو عالم برزخ میں انہی کے مطابق برے اثرات پڑتے ہیں۔ یوں آثار ہمارا دنیا میں بینک بیلنس ہے جن کا منافع ہمارے آخرت کے Account میں جمع ہوتا رہتا ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی جاتی ہے کہ ''قیامت کے دن ایک شخص لایا جائے گا اور اس کے پیچھے بے شمار نیکیاں ہوں گی تو وہ شخص کہے گا کہ یا رب العالمین یہ کس کی نیکیاں ہیں۔ اسے فرمایا جائے گا کہ تمہاری ہیں۔ وہ کہے گا میرے اللہ میں نے تو اتنا کچھ نہیں کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا یہ تیرے آثار ہیں۔ اسی طرح ایک شخص کے برائی کے آثار ہوں گے۔ وہ شخص اگرچہ بہت ساری نیکیاں لے کر جائے گا لیکن اس کے برے آثار اس کی نیکیوں کو کھا جائیں گے۔ وہ نیکیوں کو اس طرح کھا جائیں گے جس طرح جانور چارے کو کھا جاتے ہیں اور کچھ نہیں باقی رہتا۔'' مطلب یہ کہ ہمیں اپنے پیچھے اچھے آثار چھوڑ کے جانے کے لئے بہت محتاط رہنا چاہیے۔

(حیات بعد الموت کے متعلق تفصیلی واقعات کے لئے مصنف کی کتاب ''قیامت اور حیات بعد الموت'' ملاحظہ فرمائیں)۔

---☆---

باب نمبر 7

خواب اور روحوں سے ملاقات کی حقیقت

جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ جدید تحقیقات ہمیں اس طرف لے جا رہی ہیں کہ نفس، آتما، سپرٹ Self, Soul, Spirit, اور روح ایک ہی چیز کے مختلف نام ہیں جو مرنے کے بعد بھی زندہ رہتی ہے۔ اسے ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کے لئے ٹانگوں کی ضرورت نہیں، آنکھوں کی ضرورت نہیں، نہ ہی سننے کے لئے کانوں کی ضرورت ہے۔ وہاں یہ سب چیزیں روحانی طور پر ہوتی ہیں یعنی Mind to Mind communication ہوتی ہے۔ یہی بات دنیا کے تمام بڑے بڑے مذاہب ہزاروں سال سے بتاتے آئے ہیں۔

اب سائنس اور مذاہبِ عالم، دونوں اس بات کے قائل ہیں کہ خواب کی حالت میں زندہ لوگ مرے ہوئے لوگوں سے Communicate کرتے ہیں یہ ایک روحانی عمل ہے۔ نیند کی حالت میں باطنی شعور (Mind) زندہ ہوتا ہے جبکہ جسم سو رہا ہوتا ہے۔ جو اس کے لئے ایک طرح کی عارضی موت ہے لیکن شعور کے لئے یہ آزادی کا وقت ہے (اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بھی نیند کو موت سے تشبیہہ دی ہے) چونکہ نفس یعنی شعور (Mind) زمان و مکاں کے دھارے پر آگے پیچھے جا سکتا ہے اس لئے وہ روحوں سے رابطہ قائم کر سکتا ہے۔

اس لئے خواب میں جب ہم روحوں سے ملتے ہیں تو وہ حقیقی ملاقات ہو سکتی ہے لیکن ہم ان کی بات کو پوری طرح سمجھ نہیں سکتے اس لئے کہ ہم زندہ لوگ اتنے زیادہ ذہنی جھگڑوں میں مبتلا ہیں کہ خواب ان کے شور کے نیچے دب جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر آپ کے پاس ریڈیو ہے۔ جس پر بہت اچھا پروگرام آ رہا ہے، اچانک بادلوں میں بجلی کڑکتی ہے اور ریڈیو میں کڑکڑ کی آواز شروع ہو جاتی ہے۔ اسکو برقی شور (Electrical Noise) کہتے ہیں۔ آپ جو پروگرام سن رہے تھے اس میں خلل آ گیا۔ اسی طرح ہماری زندگیوں میں چونکہ دنیاوی فکروں کا شور مچا ہے اس

لئے ہمارے خوابوں میں جو اصل حقیقت ہے وہ ان میں دب جاتی ہے جب ان کی سمجھ نہیں آتی تو کہہ دیا جاتا ہے کہ خواب، خیال ہوتے ہیں۔

لہذا اگر ہم سچے خواب دیکھنا چاہتے ہیں تو ضروری ہے کہ ہم اپنے خیالات کو پاک رکھیں۔ جس حد تک ہم فکروں سے آزاد ہوں گے ہمارے خواب بھی اسی نسبت سے سچے ہوں گے۔ نفرت، شک، وسوسے اور غیبت خیالات کی ناپاکی ہیں۔ مثلاً قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے غیبت کے متعلق فرمایا ہے کہ ''اس کی مثال تمہارا اپنے مردہ بھائی کے گوشت کھانے کی ہے''۔ اسی طرح اگر آپ کے دل میں دوسروں کے لئے برائی ہے تو یہ بھی ایک روحانی شور ہے۔ اسی میں حسد بھی شامل ہے۔ اگر ہم خود کو ان شوروں سے بچا کر رکھیں اور خیالات کو پاکیزہ رکھیں تو پھر ہمارا شعور صاف ستھرا ہوگا۔ اور ہمارے خواب بھی اسی نسبت سے سچے ہونگے مطلب یہ کہ سچے خواب دیکھنے کے لئے یا خواب میں ارواح سے ملاقات اور صحیح نتائج اخذ کرنے کے لئے سوچ کی پاکیزگی ضروری ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے کہ ''تم سے تمہاری سوچوں کے بارے میں بھی پوچھا جائے گا''۔ اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنھم رونے لگے کہ ''یا اللہ عمل پر تو کسی حد تک اختیار ہے لیکن سوچ پر تو ہمارا اختیار نہیں ہے''۔ ان کی پریشانی کو دیکھتے ہوئے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تشریح فرمائی کہ اس کا مطلب جان بوجھ کی سوچ ہے۔ آپ سمجھتے ہیں یہ برائی ہے لیکن پھر بھی اس برائی کو اپنے ذہن میں پالتے رہتے ہیں۔ اسی طرح حسد کو بڑھاتے رہتے ہیں۔ کسی کے خلاف سازش کرتے رہتے ہیں۔ ایسی سوچوں کے بارے میں تم سے پوچھا جائے گا۔'' اسی لئے حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ'' تین دن سے زیادہ اپنے بھائی سے ناراض نہیں ہونا چاہیئے۔ اس کے بعد کی ناراضگی کا حساب شروع ہو جائے گا۔

لہذا خواب بھی اسی کے سچے ہوں گے جو اپنے دماغ کو برائیوں کے شور شرابوں سے پاک رکھتا ہے۔ چونکہ ہم میں سے اکثر احتیاط نہیں کرتے اس لئے ہمارے نفوس پر برائی کا شور بڑھتا ہی جاتا ہے۔ حجاب در حجاب، تہہ در تہہ ظلمت کے پردے پڑتے جاتے ہیں۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس بارے میں ارشاد ہے کہ'' آدمی جب جان بوجھ کر پہلی برائی کرتا ہے تو قلب کے اوپر

ایک سیاہ نقطہ بن جاتا ہے اور جب مسلسل برائی کے راستے پر چل پڑتا ہے تو اس کی برائیوں کے نقطے تمام قلب کو پوری طرح ڈھانپ لیتے ہیں۔ پھر بُرائیوں کے سیاہ نقطوں کی دوسری تہہ بنتی ہے، پھر تیسری حتیٰ کہ قلب اتنا زیادہ ظلمت میں چلا جاتا ہے کہ اس میں نور حاصل کرنے کی صلاحیت ہی نہیں رہتی"۔ ایسے نفوس کی سوچ مکدر ہو جاتی ہے ان میں شور ہی شور ہے۔ اسی لئے ایسے لوگوں کو سچے خواب بھی نہیں آ سکتے۔ سچے خواب، کشف اور الہامات تو دور کی باتیں ہیں ان کو تو ہدایت کی بات بھی سمجھ نہیں آتی۔ ان کے قلوب مرض میں مبتلا ہو جاتے ہیں "**فی قلوبهم مَرضٌ**"۔

اس لئے ہمیں یہ دھیان رکھنا ہے کہ ہم اپنی سوچوں کو معصوم رکھیں اور اپنے قلوب کی صفائی کرتے رہیں اور صفائی کے لئے لازمی امور میں سب سے پہلے ذکر اللہ، اور ماضی کے گناہوں سے سچی توبہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے قلب کی سیاہی کو دور کرنے کیلئے مانجتے ہیں جبکہ توبہ ایک جھاڑو ہے جس سے گناہوں کا میل صاف ہوتا ہے لیکن فرض کریں کہ صفائی کرنے اور جھاڑو لگانے کے ساتھ ساتھ آپ آلودگی کے راستوں کو بند نہیں کرتے تو آپ کا گھر گندا ہی رہے گا۔ یہ ان لوگوں کی مثال ہے جو

ہر گناہ قلب پر ایک سیاہ نقطہ کی طرح اثر کرتا ہے۔ حتیٰ کہ بڑھتے ہوئے گناہوں کی سیاسی قلب کو پوری طرح ڈھانپ لیتی ہے۔ یعنی اللہ اور بندے کے درمیان وجہ حجاب ہے۔
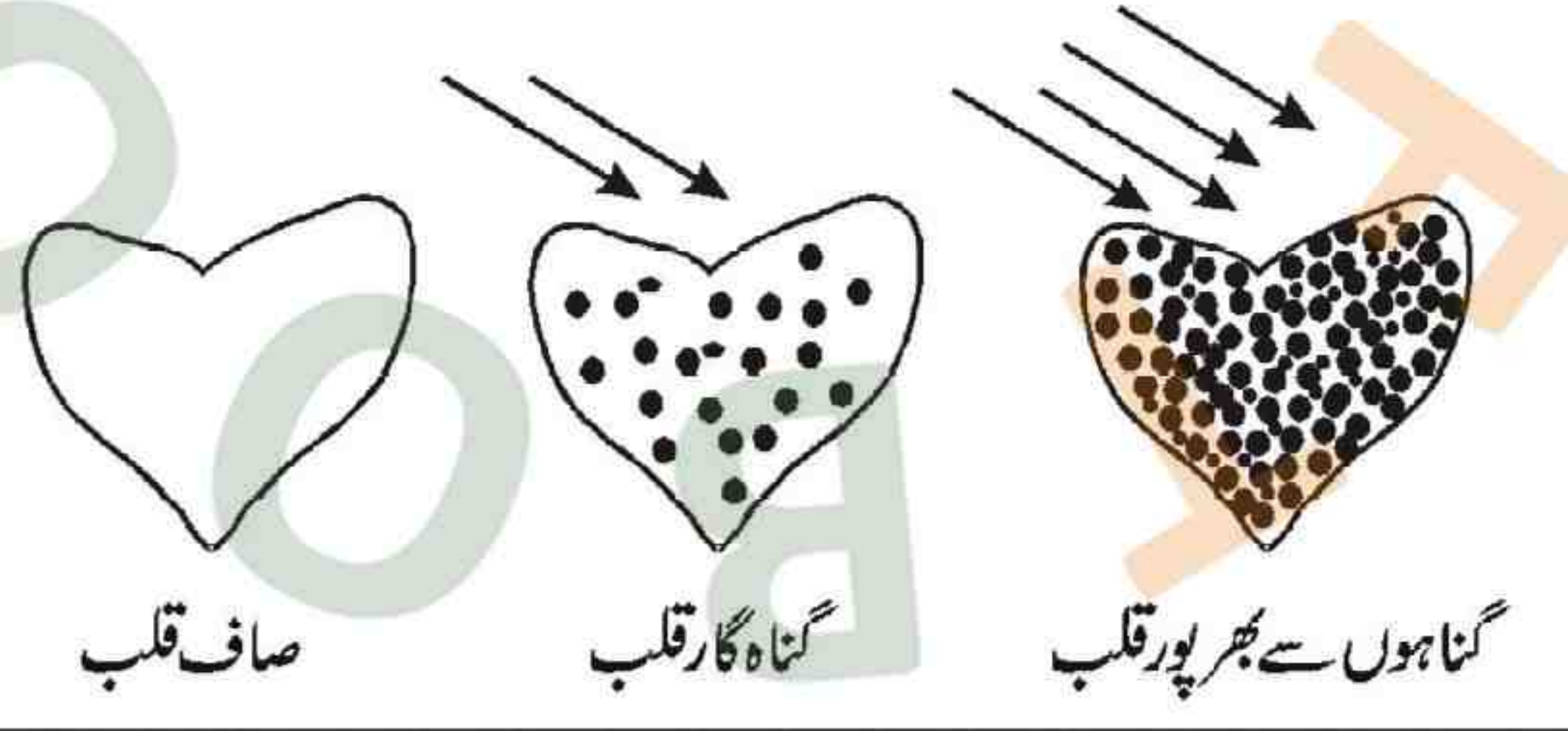
توبہ بھی کرتے ہیں اور گناہ بھی کرتے رہتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کا ذہن گندا ہی رہتا ہے۔ اس لئے صحیح توبہ وہ ہے جس کے بعد وہ کام نہ کیا جائے جس سے توبہ کی اور گناہ کے تمام راستے

بند کر دیے جائیں۔ اگر دوا کے ساتھ پرہیز نہ کیا جائے تو دوا کا اثر باقی نہیں رہتا۔ اس طرح ذکر کے ساتھ ساتھ گناہوں سے پرہیز سے ہی فائدہ پہنچے گا اور دل کی سیاہی اترے گی۔

جب قلب صاف رہے تو سچے خواب آنا شروع ہونگے سوتے بھی اور جاگتے بھی۔ جاگتے ہوئے خوابوں کو کشف بھی کہا جاتا ہے۔ خواب دراصل روحوں کے مابین رابطہ یعنی Mind to mind talk کا ذریعہ ہیں۔ اس لئے جیسے پہلے بتایا گیا ہے اگر آپ کے نفوس گناہ کے شور سے محفوظ ہیں تو حالت خواب میں آپ ماضی اور مستقبل میں پہنچ کر وہاں کے حالات سمجھ سکتے ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے کہ نیک خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہیں۔ یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ انسانی خلیہ میں بھی چھیالیس کروموزوم ہوتے ہیں، 23 ماں کی طرف سے اور 23 باپ کی طرف سے۔

7.1 کشف اور وجدان کی حقیقت

اب ہم وجدان کی طرف آتے ہیں۔ وجدان ایک کیفیت کا نام ہے جس میں آپ جاگتے ہوئے بھی غیب کو جاننے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ارواح فرشتوں اور جنات جیسی غیر مرئی طاقتوں سے شعوری رابطہ قائم کر سکتے ہیں، روحوں کو بلا کر یا ان کے پاس جا کر ان سے بات چیت بھی کر سکتے ہیں بغیر کسی طبیعیاتی رابطہ کے دوسروں تک اپنے خیالات نا اور ان کے خیالات کو جاننا بھی اسی میں شامل ہے۔ جدید سائنس میں اسے Extra Sensory (ESP) Perception کہتے ہیں۔ ESP انسان کے لئے فطری تحفہ ہے کسی کو کم کسی کو زیادہ۔ مناسب تعلیم و تربیت اور ریاضتوں سے اسے بڑھایا بھی جا سکتا ہے۔ ہم چونکہ ادھر توجہ نہیں دیتے، نہ ماں باپ کی اور نہ ماحول کی ادھر کوشش ہوتی ہے اور شیطان بھی ہمارے ساتھ لگا ہوا ہے اس لئے عموماً وقت کے ساتھ ہماری وجدانی صلاحیت کمزور ہوتی جاتی ہے یا یہ کہ شیطان اُسے غلط طرف لے جاتا ہے مثلاً جادو ٹونے اور جھاڑ پھونک وغیرہ۔

یہاں یہ بات بتا دینا بھی ضروری ہے کہ وجدانی کیفیت (ESP) کا کسی خاص مذہب

سے کوئی تعلق نہیں۔ اس میں ہندو، سکھ، عیسائی اور دہریئے سبھی کمال حاصل کر سکتے ہیں۔ جیسے کسی فن کے سیکھنے میں کسی خاص فلاسفی کی ضرورت نہیں۔ وجدان بھی ایک فن ہے۔ اگر آپ پریکٹس اور توجہ سے اپنے نفس کو کسی خاص سمت میں بڑھا دیں (Extention of Mind) جیسے غبارہ کو کسی سمت میں پھیلایا جا سکتا ہے، تو نفس اس سمت میں جھانک کر وہاں کے حالات و واقعات کو دیکھ سکتا ہے۔ مذہب یہ سکھاتا ہے کہ اپنی وجدانی قوت کو غلط طرف یعنی کسی کو نقصان پہنچانے کیلئے استعمال نہ کیا جائے۔ مثلاً جادو، خیال کی بندش، دھوکہ دہی دوسروں کے اذہان پر قابو پانا، وسوسے ڈالنا، اس طرح کے سب کام وجدانی قوت کا غلط استعمال ہے جس کی اسلام میں سخت مذمت کی گئی ہے۔ البتہ اس قوت کا اگر استعمال لوگوں کو راہِ راست پر لانے کیلئے یا بیماریوں کا علاج کرنے کیلئے ہو تو باعث رحمت ہے۔

وجدانی کیفیت (ESP) والے لوگ اپنے نفس کو وقت کے دھارے پر آگے پیچھے بھیج کر وہاں کے حالات و واقعات کو دیکھ سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ دوسروں کے اذہان پر اثر پذیر ہو کر ان کے خیالات اپنی مرضی کے مطابق ڈھال سکتے ہیں۔ یہ ہر انسان میں فطری صلاحیت ہے جسے محنت، تعلیم و تربیت اور ریاضتوں سے بڑھایا جا سکتا ہے۔ اسلام اس قوت کے غلط استعمال سے منع کرتا ہے۔

7.2 نفس اور روح میں فرق کی حقیقت

نفس اور روح کے سلسلے میں یہ ابہام چلا آ رہا ہے کہ ان دونوں میں کیا فرق ہے؟ ہم اردو زبان میں روح کی بات کرتے ہیں اور نفس کو برے معنوں میں لیا جاتا ہے۔ جب کہ قرآن پاک میں جگہ جگہ نفس کا ذکر ہے، روح کا ذکر بہت کم ہے۔ ایک جگہ **قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي** (سورۃ بنی اسرائیل 85) آیا ہے یہ کس روح کی بات ہے؟ یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام بھی روح ہیں۔ فرشتوں کو بھی روح کہا گیا ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ روح اللہ تعالیٰ کا امر

ہے جسکی وضاحت پہلے گزر چکی ہے۔ کسی چیز کا بھی لاوجود سے وجود میں آنا اللہ تعالیٰ کے امر سے ہے، کوئی بڑا امر ہے کوئی چھوٹا امر ہے۔ امر کے لحاظ سے ہم سب اللہ تعالیٰ کا کلمہ ہیں۔ اسکی اپنی روح کا حصہ، رحمت کا اظہار اور اسکے پیار کا ثبوت۔ اللہ تعالیٰ کا کلمہ یعنی امر غلط یا برا نہیں ہو سکتا۔ اس لئے قرآن کریم میں سزا و جزا کا جہاں ذکر ہے وہاں اس کا تعلق نفس سے ہے۔ امر ربی والی روح کو سزا نہیں ہے۔ امر ربی دوزخ میں کیسے جا سکتا ہے؟ لیکن غلط العام باتیں مشہور ہیں کہ اس کی روح بری تھی۔ روح کو برا نہیں کہنا چاہیے۔ ہر آدمی کی روح حتیٰ کہ ہر کافر کی روح بھی مومن کی روح کی طرح ہی مقدس ہے۔ یہ سب امر ربی ہیں اور معصوم ہیں۔ البتہ جب ان کے اوپر گناہ کی

نفس

روح معصوم پیدا ہوتی ہے۔ پھر اس پر دنیا کی چیزیں حملہ کرتی ہے۔ ان حملہ آوروں میں شیاطین، ماحول، تعلیم و تربیت، خواہشات، ماں باپ کے اعتقادات وغیرہ سب ہی شامل ہیں۔ روح ان کا مقابلہ کرتی ہے ان سے اثرات لیتی ہے۔ اس کے نتیجہ میں ایک شخصیت بنتی ہے۔ اس کا نام نفس ہے۔ روح کی مثال بیج سے دی جا سکتی ہے اور نفس کی اس سے اُگنے بڑھنے پھولنے والے درخت کی۔ اگر مناسب زمین نہ ہو، پانی کھاد پودے نہ وہ ہوں، حملہ آور دشمنوں سے حفاظت نہ کی جائے تو اس بیج سے نکلنے والا درخت کمزور ہی رہے گا۔

تعلیم و تربیت
ماحول
روح
نفس
شیاطین
خواہشات
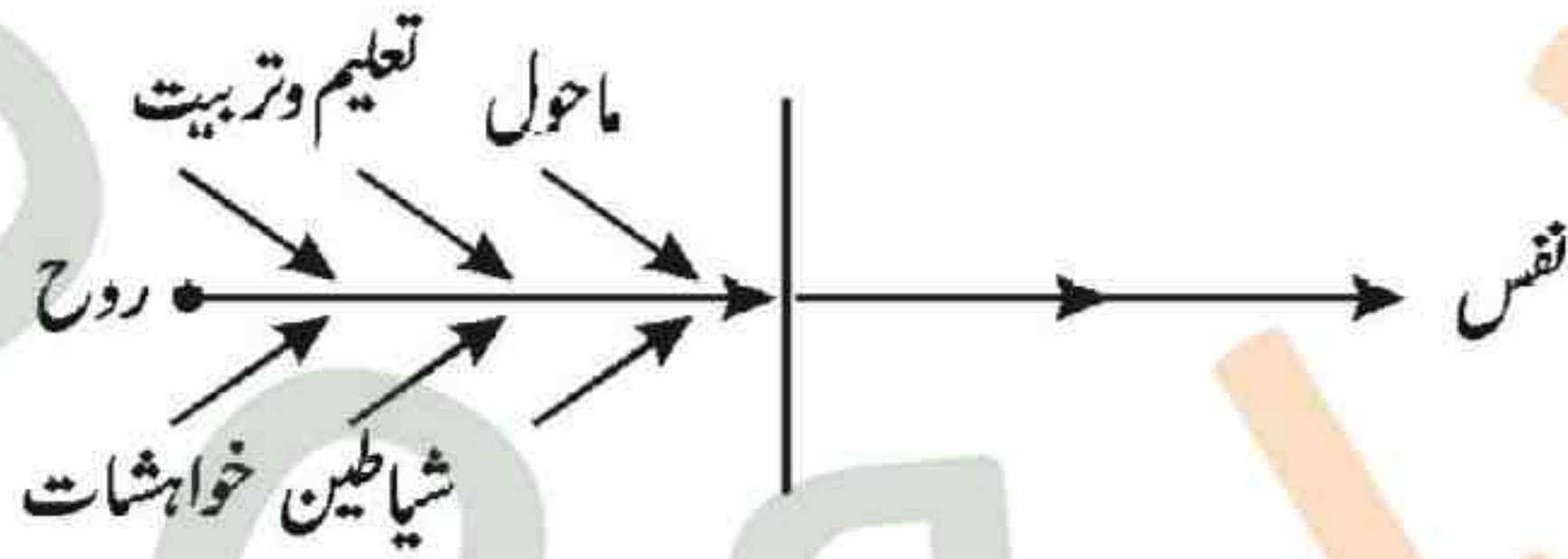
غلاظت چڑھتی ہے، برے خیالوں سے ان کی آبیاری ہوتی ہے، ماحول کے اثرات اپنا رنگ دکھاتے ہیں اور انسان کے اپنے اعمال اثر ڈالتے ہیں تو روح حاصل نتیجہ نفس بن کر سامنے آتی ہے۔ اس کی مثال کسی بیج سے اگنے والے پودے کی ہے۔

دراصل روح آدمی کی زندگی کا نقطہ آغاز ہے۔ جیسے پہلے کہا گیا ہے کہ اس کی مثال ایک

بیج کی مانند ہے جس سے نفس کا درخت اگتا ہے۔ یوں ہمارے سامنے جو شخصیت بنتی ہے وہ نفس ہوتا ہے۔ روح بیج تھی۔ اس بیج میں درخت تھا اور جو درخت تیار ہوا وہ نفس ہے۔ اس کے اندر بھی بیج ہیں۔ مثلاً ایک پودا ہے جسے ابھی پھول نہیں لگے لیکن آپ جانتے ہیں کہ اس پودے کے اندر پھول ہیں۔ جو اس کے بڑے ہونے پر لگیں گے۔ زمین اگر اچھی نہیں ہے تو بیج سے پودا بھی صحیح نہیں اگے گا۔ زمین بھی اچھی ہونی چاہیے۔ پانی بھی ملنا چاہیے، بیج بھی صحت مند ہونا چاہیے پھر پودا بھی صحت مند ہوگا۔ پھر اس پودے کو ہم نے بچانا ہے۔ بکریوں سے، کیڑے مکوڑوں سے، گرمی سے، سردی سے۔ اگر ہم نہیں بچاتے تو پودا صحت مند نہیں ہوگا۔ پھر اس پودے کو بڑھنے کے لئے روشنی چاہیے۔ روشنی نہیں ہے تو پھر بات ختم ہوگئی یا پھر اسے کوئی کاٹ دیتا ہے تو بھی بات ختم ہوگئی۔

بہر حال اس پودے کے پروان چڑھنے پر بے شمار اثرات ہیں۔ اگر وہ پودا صحیح ہے تو مالی نے اسے باغ میں رکھنا ہے۔ اگر اس پودے کا بیج یا پھل کڑوا ہے تو مالی نے اسے کاٹ کر پھینک دینا ہے۔ اس کی لکڑی کو جلا دینا ہے۔ اس کی کوئی قدر نہیں ہے۔ یہی حال نفس کا ہے اگر نیت اور عمل ٹھیک نہیں تو پھر وہ نفسِ مطمئنہ نہیں ہوگا۔ وہ نفسِ امارہ ہوگا جو قابل سزا ہے۔

اس تشریح کے بعد روح اور نفس کے درمیان فرق واضح ہو جانا چاہیے یعنی بیج سے درخت اور درخت سے بیج والی مثال یاد رکھیں۔ اس کے بعد زندگی اور موت آتی ہے اور پھر حساب کتاب ہوگا۔ وہاں اعمال کی بات نہیں مالک کی مرضی چلتی ہے۔ اسلئے اس کی رحمت کے طلب گار رہیں۔ اس سے دل کھول کر محبت کرو۔ محبت کا جواب محبت ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے سچی محبت کا راز اس کے احکامات میں مضمر ہے۔

هَلۡ جَزَآءُ الۡاِحۡسَانِ اِلَّا الۡاِحۡسَان (سورۃ الرّحمٰن)۔

What can be the reward of goodness, other than the goodness?

Love begets love

--------------------☆--------------------

باب نمبر 8

موت، زندگی اور تقدیر کی حقیقت

کائنات، اللہ تعالیٰ، روح اور نفس کی حقیقت کی طرف پیش رفت کے بعد آیئے اب اس طرف قصد کریں کہ زندگی، موت اور تقدیر کی حقیقت کیا ہے؟

ہمارے سامنے بہت سے سوالات ہیں:۔موت کیا ہے؟ زندگی کیا ہے اور زندگی میں اتنی زیادہ بے انصافی کیوں نظر آتی ہے؟ ایسے سوالوں کے جواب میں الجھن کی وجہ یہ ہے کہ عموماً ہم زندگی، موت اور تقدیر کو علیحدہ علیحدہ خانوں میں رکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ زندگی ہونے کا نام ہے اور موت ختم ہو جانے کا، اور عمل کا میدان صرف یہ دنیا ہے۔لیکن حقیقت اس سے مختلف ہے۔ قرآن کے مطابق زندگی اور موت ایک ہی چیز کی دو حالتیں ہیں، وجود کی دو کیفیات ہیں، جس طرح پانی کی تین حالتیں ہیں برف، مائع اور بخارات۔اگر چہ ظاہری طور پر ان تینوں حالتوں کی آپس میں کوئی مماثلت نہیں ہے، لیکن درحقیقت تینوں پانی ہیں۔یونہی انسان کا وجود ایک مسلسل سفر میں ہے۔اس دنیا میں آنے سے پہلے بھی ہم کسی اور دنیا میں تھے جسے عالم الارواح کہا جاتا ہے اور اس دنیا کے بعد بھی ہم کسی دوسری حالت میں عالم برزخ میں ہونگے۔عالم الارواح بھی ایک عملی دنیا ہے جس کے اعمال عالم الدنیا میں، اور عالم الدنیا کے اعمال عالم البرزخ میں ہماری تقدیر ہیں۔یوں زندگی، موت، عمل اور تقدیر ایک مسلسل سفر ہے۔اس کو سمجھنے کے لئے مندرجہ ذیل کی تفصیلات پر غور فرمایئے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن پاک میں زندگی اور موت کی مثال دن اور رات سے دی ہے۔یہ وقت کی دو کیفیات ہیں۔اسی زمین کے اوپر دن ہو جاتا ہے اسی کے اوپر رات آ جاتی ہے۔ زمین جب سورج کے سامنے آتی ہے تو ہم کہتے ہیں کہ دن چڑھ گیا اور جو حصہ سورج کے سامنے سے ہٹ جاتا ہے تو ہم کہتے ہیں اس پر رات چھا گئی ہے۔زمین وہی ہے، سورج بھی وہی ہے۔کچھ

نہیں بدلا۔سورج کے سامنے حصہ پرزمین کی زندگی ہےاوراس کے پردہ میں زمین کی موت ہے یعنی زندگی اور موت ہونا اورانہونا نہیں ہے۔ بلکہ یہ دوکیفیات ہیں جن سے ہم گزرتے ہیں۔جسم کی کیمسٹری ٹھیک ہے تو ہم کہتے ہیں کہ نفس زندہ ہے۔کیمسٹری خراب ہوگئی تو ہم کہتے ہیں کہ مُردہ ہے حالانکہ جسم کے عناصر ویسے کے ویسے ہوتے ہیں اور نفس وہاں کا وہاں ہی ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرلیا تو اسے زندگی مل گئی۔اللہ تعالیٰ کے نور سے دور ہوا تو روح کی موت ہوگئی۔

سورج
دن
رات
محور

زمین اپنے محور پر 24 گھنٹے میں ایک چکر مکمل کرتی ہے جو حصہ سورج کے سامنے ہونا ہے وہاں دن ہوتا ہے اوراس کے مخالف سمت رات ہوتی ہے زندگی اور موت بھی اسی طرح نفس کی دو حالتیں ہیں۔
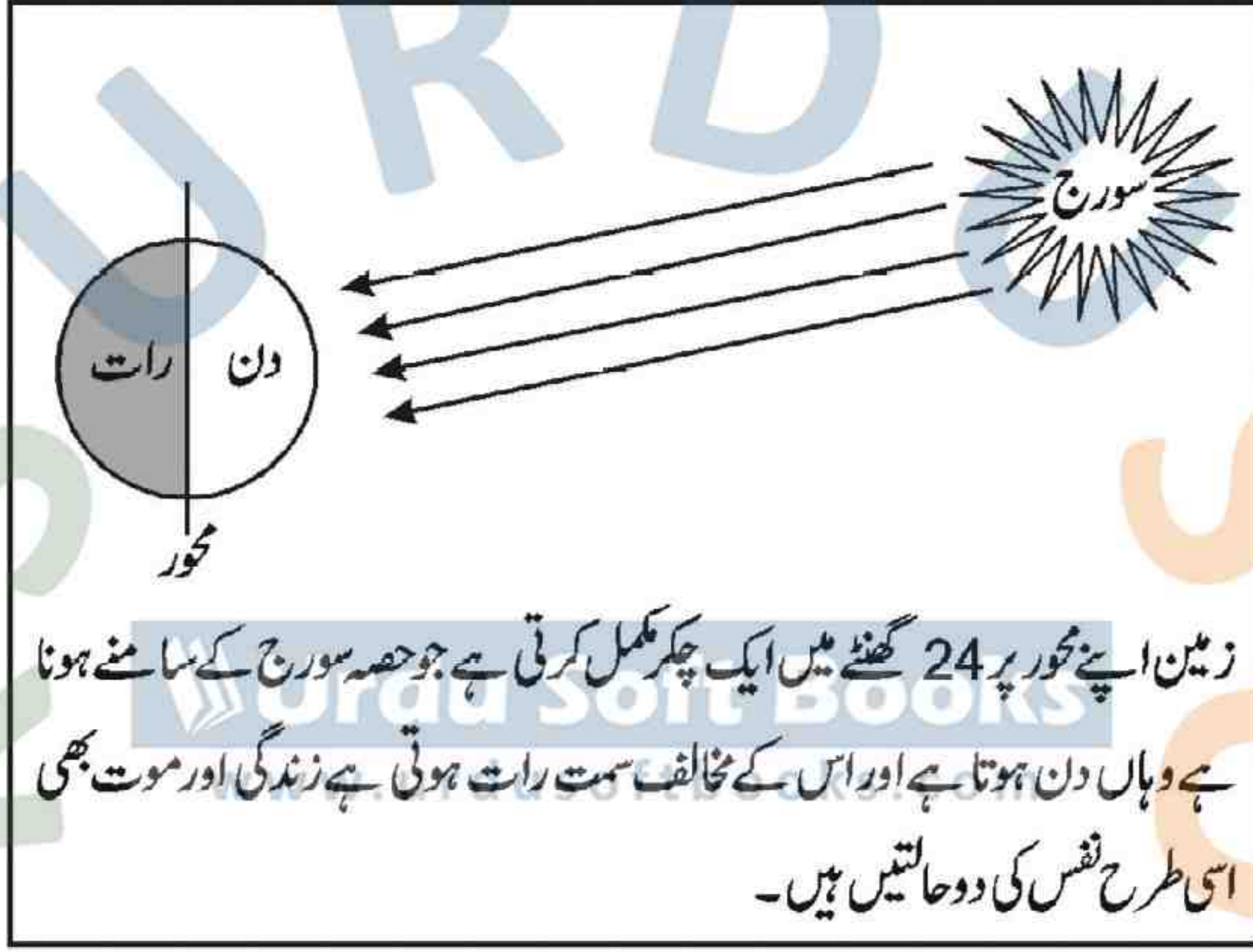
موت اور زندگی کے پیچھے کیا مقصد ہے؟ قرآن کریم سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ دونوں انسان کی مسلسل آزمائش کا حصہ ہیں۔قرآن کریم میں ارشاد ہے:۔

تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ ز وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرُ ۙنلا الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ط وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ ۔ (سورۃ الملک۔آیت مبارکہ ۲۔۱)

سورۃ الملک کی مندرجہ بالا آیات بہت قابل غور ہے۔خَلَقَ الْمَوْتَ

وَالْحَيٰوةَ ''پیدا کیا موت اور حیات کو''۔ یعنی موت جو ہے وہ ایک خلق ہے ایک تخلیق ہے، ایک چیز ہے اور حیات بھی ایک تخلیق ہے۔ دونوں الگ الگ حقیقتیں ہیں لیکن موت کا ذکر پہلے آیا ہے حیات کا بعد میں۔ مطلب یہ کہ موت حیات سے پہلے والی حالت کا نام ہے لیکن دونوں کا مقصد ایک ہی ہے:۔

لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا

''تا کہ تمہیں آزمایا جائے کہ تم میں سے بہتر عمل کرنے والا کون ہے''۔

(سورۃ الملک، آیت 2)

زندگی اور موت کے ضمن میں جسے ہم حیات کہتے ہیں یہ روح کی جسم کے ساتھ ملاپ والی زندگی ہے، اور جسے موت کہا جاتا ہے یہ جسم کی روح کے بغیر والی حالت ہے ورنہ روح کا سفر جو آدم علیہ السلام کے ساتھ جنت میں شروع ہوا تھا جاری وساری ہے۔ جنت سے عالم ارواح میں، وہاں سے عالم دنیا میں، وہاں سے عالم برزخ میں، وہاں سے عالم یوم الدین، وہاں سے عالم جزا وسزا۔ یہ کبھی نہ ختم ہونے والا سفر ہے۔

8.1 متواتر آزمائش اور تقدیر

نفس کی کامیابی یہ ہے کہ وہ ہر ایک آزمائش سے کامیابی سے گزر جائے لیکن اسکا انحصار پہلے دور میں کئے گئے اعمال پر ہے، یعنی جب ہم اس دنیا میں آئے تو عالم ارواح کے اثرات اور نتائج لے کر یہاں آئے تھے، اور جب یہاں سے عالم برزخ میں داخل ہوں گے تو دنیاوی زندگی کے اعمال اور آثار آگے لیکر جائیں گے اور اسی طرح عالم برزخ میں کچھ عمل ہوگا۔ وہاں سے تمام کیفیات اور اعمال و آثار آگے لیکر یوم الدین میں حاضری ہوگی۔ اور **علٰی هذا القیاس** عمل اور تقدیر کا یہ سفر جاری رہے گا۔

آدم علیہ السلام اور آدمی کا مسلسل سفر

(لَتَرۡكَبُنَّ طَبَقًا عَنۡ طَبَقٍ یقیناً وہ طبق در طبق چڑھتے جائیں گے)

84(19)

پہلی جنت کے اعمال۔۔۔۔۔۔عالم ارواح کی تقدیر

عالم ارواح کے اعمال۔۔۔۔۔عالم دُنیا کی تقدیر

عالم الدنیا کے اعمال۔۔۔۔۔۔۔عالم برزخ کی تقدیر

سب عالموں کے اعمال۔۔۔۔۔آخرت کی تقدیر

آخرت کی تقدیر۔۔۔۔۔۔۔۔۔جزاوسزا

جنت کے پہلے درجہ کے اعمال۔۔۔اگلے درجہ کی تقدیر

اگلے درجہ کے اعمال۔۔۔۔۔۔اس سے اگلے درجہ کی تقدیر دریوں، سلسلہ اعمال تقدیر در تقدیر چلتا رہے گا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

يَسۡـَٔلُهٗ مَنۡ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ‌ؕ كُلَّ يَوۡمٍ هُوَ فِىۡ شَاۡنٍ‌ۚ ○ فَبِاَىِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ○

جو کوئی بھی آسمانوں اور زمین ہے اسی سے مانگتے ہیں، وہ ہر روز ایک نئے انداز میں ہے۔ پھر تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ (سورۃ الرحمٰن، آیت 29)

زندگی اور موت کی حقیقت یہ ہے کہ موت بھی ایک آزمائش ہے حیات بھی ایک آزمائش ہے۔ عالم امر میں بھی ہماری ایک آزمائش ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا **'اَلَسۡتُ بِرَبِّكُمۡ‌ؕ قَالُوۡا بَلٰى‌ۛ شَهِدۡنَا‌ۛ'** (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب بولے۔ (ہاں ہم اقرار کرتے ہیں)۔ (172)7 سوال کی نوعیت یہ ظاہر کرتی ہے کہ عالم ارواح میں نفوس کو شعور تھا اور اختیار بھی، کسی نے زور سے کہا **بلیٰ** ''ہاں'' اور کسی نے آہستگی سے۔ یہ ہمارا اوہاں کا امتحان تھا۔

عالم ارواح کے اعمال کی ایک مثال وہ بھی ہے جب خانہ کعبہ تیار ہوگیا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق تمام عالم انسانیت کو حج کی دعوت دی ان کا یہ اعلان تمام انسانوں کی ارواح نے سنا۔کسی نے لبیک کہا کوئی چپ رہا۔

جنت میں اختیار اور اعمال کی ایک اور مثال حضرت آدم علیہ السلام کا شجر ممنوعہ کا پھل کھانا اور پھر غلطی پر ندامت اور معافی مانگنا بھی ہے۔فرشتوں اور آدم علیہ السلام کا علم الاشیاء کا امتحان بھی جنت کی دنیا کے ایک امتحان کی مثال ہے۔اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو جو علم بخشا تھا وہ بھی عالم ارواح میں ہمارے ساتھ تھا۔جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں اختیار بخشا، وہ بھی وہاں ہمارے ساتھ تھا۔یعنی عالم ارواح میں بھی ہم وہاں کے ماحول کے مطابق عمل میں مشغول تھے۔

دنیا میں یہاں کے ماحول کے مطابق ایک اور طرح کا ٹیسٹ (Test) ہے۔یہ ٹیسٹ خلافت الٰہیہ کی ذمہ داری کو نبھانے کا ہے۔فرمایا:۔

وَهُوَ الَّذِىْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِىْ مَآ اٰتٰكُمْ ؕ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۠ O

اور وہ ایسا ہے جس نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا اور ایک کا دوسرے پر رتبہ بڑھایا تا کہ تم کو آزمائے ان چیزوں میں جو تم کو دی ہیں، بے شک آپ کے رب کو عذاب دیتے دیر نہیں لگتی اور بے شک وہ انتہائی بخشنے والا مہربان ہے (سورہ انعام، آیت 165)

مطلب یہ کہ نفس کے ساتھ آزمائش ایک جاری وساری عمل ہے، ہر جگہ ہر وقت امتحان ہو رہے ہیں کوئی پاس ہو کر آگے جا رہا ہے تو کوئی پیچھے رہ گیا۔کوئی بالکل فیل ہو گیا۔تو اسے گناہوں سے پاک کرنے کے لئے جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔یوں عمل کہیں بھی ختم نہیں ہوتا۔جنت اور جہنم میں بھی عمل جاری رہتا ہے۔ایک عالم کے اعمال دوسرے عالم کی تقدیر بن جاتے ہیں۔اس

لئے ہم جہاں کہیں بھی ہوں ہمارا مدعا یہ قرآنی دعا ہونا چاہیے:۔

رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِo

''ہمارے رب ہمیں اس دنیا میں بھی بہتری عطا فرما اور آخرت کی دنیا میں بھی بہتری عطا فرما اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا کر رکھنا''

ہم ایک موت سے گزر چکے ہیں اور دوسری موت آنے والی ہے جس کے بعد دوسری زندگی ہوگی۔ان سب کا ایک دوسرے پر انحصار ہے۔یہ ایک جامع اور مکمل سسٹم ہے۔جس میں ہر کام اللہ تعالیٰ کی لکھی ہوئی تقدیر کے مطابق ہوتا رہتا ہے۔ ہمارا پیدائشی وجدان قابلیت اور قسمت اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔گویا ایک عالم کے اعمال دوسرے عالم میں ہماری تقدیر ہیں۔

جیسے فرمایا گیا ہے: **لیس لِلْانسان الا ماسعیٰ** ''انسان کے لئے کچھ نہیں مگر جو اس نے کوشش کی''۔ ہماری تقدیر یعنی مستقبل کے واقعات کا ماضی کے اعمال پر انحصار ہے۔ہم جو کچھ کرتے ہیں لکھا جاتا ہے اور یہی لکھا اگلے جہان میں ہماری تقدیر بن جاتا ہے۔یعنی اپنی تقدیر کا معمار انسان خود ہی ہے۔البتہ نقشہ کسی اور کا ہے۔عالم ارواح کی زندگی کے نتائج ہم دنیاوی حیات میں بھگتتے ہیں۔

اس دنیا میں ہمارے جسم کے جینز (Genes) ہماری تقدیر کے حامل ہیں۔ یہ چیز ہم اپنے ماں باپ سے لیکر پیدا ہوتے ہیں یعنی ہمارے جینز ہمارے آباؤ اجداد کے آثار ہیں۔ہم نے کیسے زندگی گزارنی ہے، کیا قدرتی صلاحیتیں ہیں کیا رنگ ڈھنگ ہوگا، کیسی کیسی بیماریاں آئیں گی، کیا خوبیاں ہونگی اور کیا کمزوریاں ہوں گی یہ سب جینز کے پروگرام کے اوپر لکھا ہوا ہے، آدمی کسی حد تک اپنی محنت، تعلیم و تربیت اور ماحول کی طاقت سے اس لکھے کو بدل سکتا ہے لیکن زیادہ تر یہی ہوتا ہے جو لکھا جا چکا ہے۔

یہاں کی کمائی عالم برزخ کی تقدیر بنتی ہے اور وہاں کے اثرات اور اعمال کا روزِ جزا و

سزا کو سامنا کرنا ہوگا۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ عالم برزخ میں بندوں کو کہا جائے گا کہ قرآن پڑھتے جاؤ اور چڑھتے جاؤ گویا قرآن کریم کی تعلیم وہاں کا عمل ہوگی۔ جو دنیا میں نہیں سیکھے ان کو وہاں سیکھنا ہوگا۔ روزِ محشر ساری حیات کا حساب ہوگا۔ جنت میں بھی ان گنت درجات ہیں اور وہاں بھی ہر درجہ کے اپنے ہی اعمال اور اثمار ہیں جن کے مطابق درجہ بدرجہ ترقی ہوتی رہے گی۔ جہنم کے بھی بے شمار درجات ہیں ماسوائے ان لوگوں کے جن کے لئے ہمیشگی کی سزا سنائی جا چکی ہوگی، باقی سب اپنے اپنے اعمال و اثمار کی بناء پر بفضلہٖ تعالیٰ رہائی پاتے رہیں گے۔

جنت — عالم الارواح — عالم الدنیا — عالم البرزخ — عالم الحشر

اعمال — تقدیر — اعمال — تقدیر — اعمال — تقدیر — اعمال

یوم الدین فیصلہ جزا و سزا اور ترقی کا عمل

انسان کا سفر جنت سے شروع ہوا۔ موت و حیات کا سلسلہ آزمائش کے لئے ہے۔ اس میں ایک عالم کے اعمال دوسرے عالم کے لئے تقدیر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ آخر فیصلہ یوم الدین کو ہوگا اور یوں ہمیشہ ترقی کا عمل جاری رہے گا۔
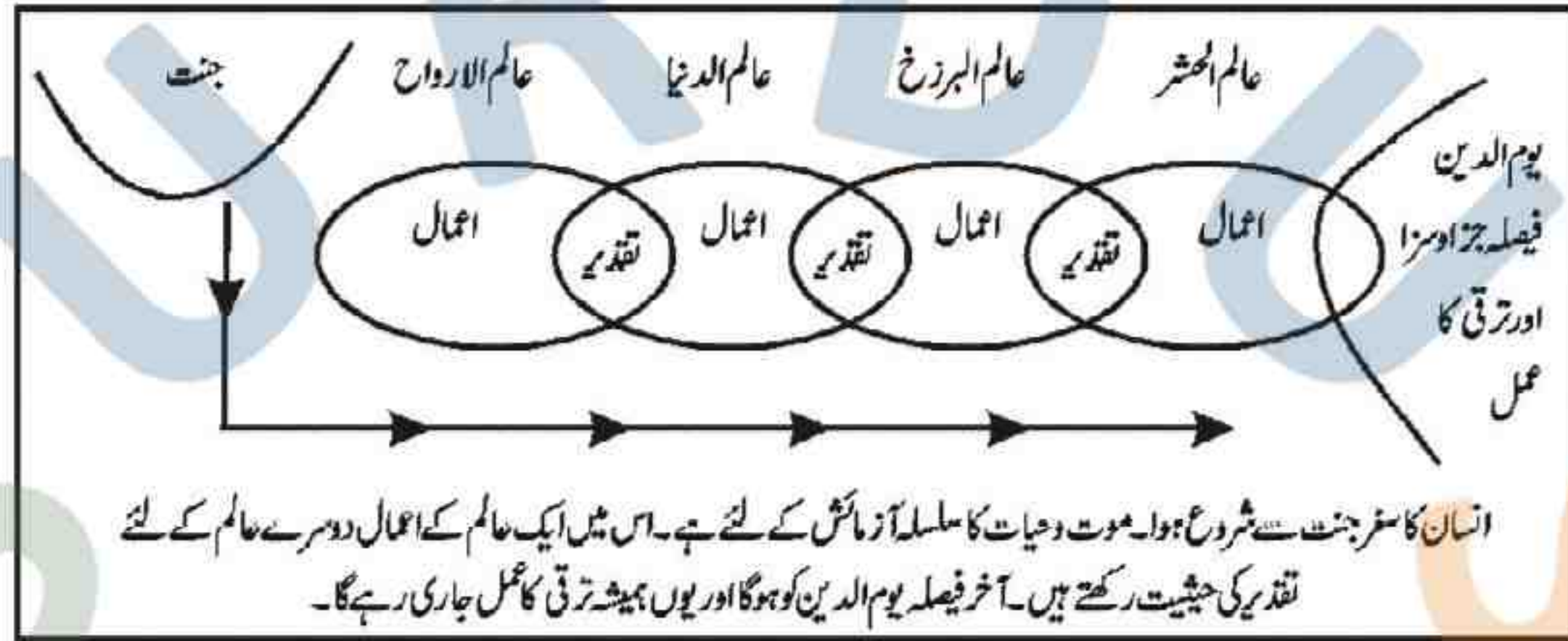
یا اولی الالباب فتفکّروا

- تقدیر ماضی کی زندگی کے اسباب، اعمال اور آثار کے اثرات کا نام ہے۔
- تقدیر میں تسلسل ہے پہلے عالم کے اعمال کے اثرات دوسرے عالم کی تقدیر بن جاتے ہیں۔
- ہر انسان اپنی تقدیر لے کر پیدا ہوتا ہے۔
- جسمانی حیات میں یہ تقدیر اس کے خلیات پر جینز کی شکل میں لکھی جا چکی ہے۔
- زندگی کے حالات اسی تقدیر کے مطابق چلتے ہیں۔
- ماحول، تعلیم و تربیت، دعا، خواہش، کوشش کے اثرات سے تقدیر کا لکھا بدلتا نہیں البتہ نتائج میں تبدیلی واقع ہو جاتی ہے۔

--------------------☆--------------------

باب نمبر 9

جینز (Genes)، تقدیر اور آزادی کی حقیقت

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ''جس نے اپنے آپ کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا'' اس لئے کہ اسلام کے مطابق انسان بشری سطح پر اپنی فطرت میں اور نسبت سے الٰہی صفات کا حامل ہے۔ قرآن کریم میں ہے کہ انسانی روح اللہ تعالیٰ کی لا انتہا روح ہی سے ہے۔ لہٰذا اگر ہم اپنے آپ کو سمجھ لیں تو اللہ تعالیٰ کی حقانیت کا ادراک واقعی آسان ہو جائے گا۔ لہٰذا تلاش حقیقت کے اس سفر میں اب ہم اپنی طرف توجہ کرتے ہیں۔ ہماری کوشش ہے کہ اپنی ذات کو اس کے مختلف پہلوؤں سے سمجھا جائے اور آگے بڑھ کر موت وحیات کے مسائل پر سے بھی پردہ اٹھایا جائے۔ اس سلسلہ میں پہلے بھی بہت کچھ کہا جا چکا ہے آیئے اب ذرا اپنے وجود کی تخلیق پر مزید غور وخوض کریں۔

9.1 جینز، تقدیر اور موت وحیات

جسمانی طور پر ہر انسان کروڑوں خلیات کا مجموعہ ہے ہر ایک خلیہ کے اوپر آدمی کی پوری شخصیت اور اسکی تقدیر ثبت ہے۔ خلیہ مثال کمپیوٹر کا ہارڈ ویئر (Hardware) ہے اور اس پر لکھی گئی تقدیر سافٹ ویئر (Software) ہے۔

انسان کی تخلیق ماں اور باپ دونوں کے ملاپ سے ہوتی ہے۔ باپ سپرم (Sperm) دیتا ہے اور ماں اس کو انڈہ فراہم کرتی ہے جو سپرم کیلئے ذریعہ خوراک اور رہائش کا کام کرتا ہے۔ ان دونوں کے ملاپ سے خلیہ (Cell) بن جاتا ہے اور پھر یہ خلیہ ایک سے دو، دو سے چار، چار سے آٹھ۔ یوں بڑھتے جاتے ہیں، ہر ایک انسانی خلیہ میں 46 کروموسوم (Chromosomes)

ہوتے ہیں جو 23 ماں سے اور 23 باپ سے ملتے ہیں۔ کروموسوم کے اوپر قدرت ایک پروگرام لکھتی ہے (یہ جینز کا نظام ہے، اسے تقدیر کا لکھا بھی کہا جا سکتا ہے) اس کی مثال کمپیوٹر پروگرام (Computer Programme) کی ہے۔ ایک آدمی میں تقریباً ایک لاکھ جینز ہوتے ہیں اور ہر ایک جین میں ایک ہزار کے قریب نیوکلوٹائیڈ (Nucleotide) ہوتے ہیں جو ایک طرح کے الفاظ ہیں جن سے جینز کے اندر کا پروگرام لکھا گیا ہے۔ یوں ایک نارمل انسان کے اندر کئی کروڑ نیوکلوٹائیڈ (Nucleotide) ہیں ان سب کے مجموعی حساب کا نام جینوم (Genome) ہے جس کی حقیقت انسانی روح ہو سکتی ہے۔

جینز کی یہ اہمیت ابھی حال میں واضح ہوئی ہے۔ ہمارے جسم کے ایک ایک سیل (Cell) کے اوپر ایک پروگرام لکھا ہوا ہے۔ اسکی مثال آپ کے گھر میں کمپیوٹر سے دی جا سکتی ہے۔ وہ ہارڈ ویئر ہے آپ اس پر ایک پروگرام لوڈ کر دیتے ہیں، یہ ایک الیکٹرونک رائٹنگ ہے۔ ہدایات کی کتاب (سیٹ آف انسٹرکشن) ہے کہ اس طرح کرنا ہے، اس طرح نہیں کرنا ہے۔ اسکے مطابق کمپیوٹر کام کرتا ہے۔ اسی طرح آدمی کی سوچ اور اسکے عمل کا انحصار اس کے جینز پر لکھے پروگرام پر ہے۔

خلیہ (Cell) بہت ہی چھوٹی چیز ہے صرف خوردبین سے نظر آتا ہے۔ ہم میں سے ہر کوئی اربوں سے بھی زیادہ خلیوں سے بنا ہوا ہے۔ ہر خلیہ کے اندر ہدایات بھی درج ہیں۔ یوں ہمارا ہر خلیہ جسم بھی ہے اور کتاب بھی ہے۔ اپنے پہلے لکھے ہوئے پروگرام کی وجہ سے آدمی کے تمام خلیات ایک منظم وحدت کے طور پر کام کرتے ہیں۔ اگر ہمارے اربوں خلیات میں رابطے کا کوئی ذریعہ نہ ہو تو ہم ہر وقت بیمار ہی رہا کریں۔ بیماری سیل (Cell) میں خرابی پیدا ہونے سے ہوتی ہے۔ ایک سیل خراب ہو گیا تو وہاں کینسر ہو جاتا ہے کوئی اور سیل خراب ہو گیا تو نظر خراب ہو جاتی ہے تو صحت کا مطلب یہ ہے کہ تمام خلیات (Cells) ایک نظم (Order) میں کام کرتے رہیں۔ انہی کی وجہ سے ان کے اندر بیماری کے امکانات سے لڑنے کے لئے مدافعت کا نظام (Immune system) ہے۔ جب تک وہ ایک وحدت کے طور پر کام کرتے ہیں ان میں توازن قائم رہتا ہے۔

اس وحدت میں جب ہمارے عمل کی وجہ سے کوئی گڑبڑ آجاتی ہے تو جسم میں خرابی پیدا ہونا شروع ہوجاتی ہے۔ کہیں ریڈی ایشن (Radiation) وجہ بن سکتی ہے، کہیں کوئی حادثہ، کہیں مضر صحت کھانا، کہیں ماحول کی غلاظت، کہیں کوئی پیدائشی کمزوری وغیرہ۔ جس سے ہم بیمار ہوجاتے ہیں۔ جب سیل بہت زیادہ خراب ہوجائیں یعنی جب یہ جسم رہنے کے قابل نہیں رہتا تو پھر نفس اسے اللہ کے حکم سے چھوڑ دیتا ہے۔ نفس کا جسم سے نکل جانا ہی موت ہے۔ اس بات کو عام فہم زبان میں سمجھنے کے لئے مندرجہ ذیل مثال پر غور فرمائیں۔ مثلاً ایک گلاس پانی سے بھرا ہے۔ اگر اس کو توڑ دیں تو پانی باہر نکل جائے گا۔ یہ عمل گلاس کی موت ہے اور پانی کیلئے آزادی۔ ایک اور مثال کسی گھر کی لے لیں۔ ہم اس گھر میں رہتے ہیں اگر وہ گھر ٹوٹنے لگ جائے یا توڑ دیا جائے یا زبردستی سے نکالے جائیں تو ہم اس سے نکل جاتے ہیں۔ یہ ایک طرح اس گھر کی موت ہے اور ہماری اس گھر سے آزادی۔ بالکل اسی طرح طرح موت آزادی ہے جسم کی قید سے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتایا، کہ موت کے بعد نفس کو اپنے اعمال کے نتائج نظر آنے لگ جاتے ہیں اگر وہ نیک تھا تو وہ اپنے گھر والوں سے کہہ رہا ہوتا ہے میرے جسم کو جلدی جلدی قبر کے حوالہ کرو تا کہ آزادی سے مستفیض ہوسکوں۔ اگر اسے اپنے اعمال کے نتائج بد نظر آتے ہیں تو وہ پریشان حال دنیا سے چمٹا رہنا چاہتا ہے کیونکہ آگے اسے بربادی نظر آتی ہے؟ بھوت یہی ہیں۔

9.2 ماورائی قوتیں اور جینز

جینٹک رائیٹنگ (Genetic writing) کی دریافت نے انسان کے اپنے نفس کے بارے میں بہت سے نئے زاویے کھول دیئے ہیں جن سے ہمیں روح، نفس دماغ اور شعور کے بارے میں بہت کچھ پتہ چلتا ہے۔ انہی میں ایک مسئلہ انسانی شعور (Human Mind) کا ہے۔ کچھ عرصہ پہلے تک شعور اور دماغ (Mind and Brain) کو مماثل سمجھا جاتا تھا لیکن اب ان دونوں میں واضح فرق معلوم ہونے لگا ہے۔ ایسے لگتا ہے کہ شاید آدمی کا دماغ

جینز (Genes) کے تابع ایک مشین ہے اور شاید اس کی مجموعی شخصیت کا انحصار بھی جینز پر ہو یعنی جینز پر جو تحریر ہے اس کی حقیقت اللہ تعالیٰ کا وہ امر ہے جسے روح کہا گیا ہے۔

اس ضمن میں حالیہ تحقیقات یہ ثابت کرتی ہیں کہ ٹیلی پیتھی بھی ایک حقیقت ہے اور بعض لوگوں میں واقعی یہ صلاحیت ہے کہ سوچ کے ذریعہ وہ ہزاروں میل دور دوسروں کو متاثر کر سکتے ہیں۔ لیکن یہ کیونکر ممکن ہے؟ کیا یہ بھی جینز کا کارنامہ ہیں؟ اسی طرح غیبی طاقتیں جنہیں یورپ میں Invisible Ghosts کا نام دیا گیا ہے۔ یہ کیا اسی زمین کی کوئی ذہین مخلوق ہیں یا ان کا تعلق خلائی دنیاؤں سے ہیں؟ یا ہمارا وہم ہے؟ اس طرح کے بہت سے مسائل ہیں جو پہلے مذہب کے اوہام سمجھے جاتے تھے لیکن اب سنجیدہ سائنسدانوں کو بھی پریشان کر رہے ہیں۔ وہ لادینی سوچ (Secular Mind) میں رہتے ہوئے ان کا حل ڈھونڈنے کی طرف پیش قدمی کر رہے ہیں۔ آگے صفحات میں ہم اس ضمن میں قدیم اور جدید معلومات کی روشنی میں حقیقت تک پہنچے کی کوشش کریں گے۔ بہرحال انسانی ذات کے حوالہ سے جینز پر جو تحقیقات ہو رہی ہیں وہ انسان کی حقیقت کو سمجھنے میں بڑی مددگار ثابت ہو رہی ہیں۔

جینز کا انسانی شخصیت پر کیا اثر ہے؟ اس کو سمجھنے کے لئے جو کام باہمی مماثل جڑواں بچوں (Identical Twins) پر ہوا ہے وہ نہایت دوررس نتائج کا حامل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مماثل جڑواں لوگوں کے جینز ایک سے ہوتے ہیں۔ اگر ان کے رویہ میں بھی مماثلت ہے تو یہ پھر ان کے ایک سے جینز کی وجہ ہی ہوسکتی ہے۔

9.3 جڑواں بچوں کا مسئلہ اور باہمی پیغام رسانی (Identical Twins Case)

اس موضوع پر ہونے والے کام کا مختصر جائزہ (Summary) نومبر 1987ء کے نیوز ویک News Week, Nov-1987 میں چھپ چکا ہے اور بعد میں All About

Twins کے نام سے اس کی سمری (Summary) مئی 1988ء کے ریڈرڈ ائجسٹ میں بھی چھپی تھی۔

اکتوبر 1987ء میں محقق تھامس بچارڈ (Thomas Butchard) جو یونیورسٹی آف منیسوٹا (Minnesota) میں کام کرتے ہیں انہوں نے ۷۱ جڑواں بچوں کے اوپر اپنے کام کے نتائج کا اعلان کیا۔ یہ وہ بچے تھے جو حالات کی وجہ سے بچپن ہی میں ایک دوسرے سے جدا کر دیئے گئے تھے اور پھر زندگی میں انہیں کبھی ملنے کا اتفاق نہ ہوا۔ حیران کن بات یہ تھی باوجود اس کے کہ وہ کبھی نہیں ملے، ان کی تربیت اکٹھی نہیں ہوئی انکا ماحول ایک سا نہیں تھا لیکن پھر بھی ان کی زندگیوں میں حیرت انگیز حد تک مماثلت تھی، مثلاً وہ ایک ہی جیسی چیزوں کو پسند کرتے، ایک ہی جیسے شعبوں میں کام کرتے، ایک ہی جیسی بیماریوں کا شکار ہوتے حتیٰ کہ ان کے کپڑوں کے رنگ اور کھانوں میں دلچسپی (Taste) بھی ایک سی تھی۔ اگر ایک بیمار ہوتا ہے تو دوسرا ہزاروں میل دور بیمار ہو جاتا، ایک کو سر درد ہوتا تو دوسرے کو بھی ہوتا اہم سوال یہ ہے کہ ان میں اس قدر حیران کن مماثلت کی وجہ کیا ہے؟ کیا اس کی وجہ ان کے ایک جیسے جینز (Genes) ہیں؟

ان میں سے برجٹ ہیریسن (Briggett Harrison) اور ڈوروتھی لوو (Dorothy Lowe) نے تو دنیائے سائنس کو حیران کر کے رکھ دیا۔ یہ دونوں جڑواں بہنیں تھیں لیکن پیدائش کے چند ہفتوں بعد علیحدہ ہو گئیں ۳۴ سال تک انہیں ایک دوسرے کا کچھ پتہ نہیں تھا لیکن جب جڑواں بچوں پر ریسرچ شروع ہوئی تو سائنسدانوں نے ان دونوں کو بھی ڈھونڈ نکالا۔ پہلی دفعہ جب ان کا ملاپ اچانک انگلینڈ میں کرایا گیا تو یہ ایک حیران کن منظر تھا۔ دونوں نے اپنی چاروں انگلیوں میں سات سات انگوٹھیاں (Rings) پہنی ہوئی تھیں۔ برجٹ (Briggett) کے بچوں کے نام رچرڈ، اینڈریو اور کیری ہیں اور ڈوروتھی Dorothy کے بچوں کے نام بھی یہی ہیں۔

اس طرح ایک اور قابل غور واقعہ ایک صاحب ڈونلڈ کیتھ (Donald Keith) کا ہے۔ وہ راک ویل بیری لیڈ U.S.A. میں سیر کر رہے تھے کہ اچانک، جیسے نہایت تیز بجلی کا سا جھٹکا

لگا ہو، جسم میں شدید درد کی لہر دوڑ گئی اور پھر وقفہ وقفہ کے بعد یہ تکلیف آتی جاتی تھی، اس شام کو انہوں نے اپنے جڑواں بھائی لیوس (Louis) کو فون کیا تو اس نے اسے بتایا کہ ان کے ایک پٹھے (Groin Muscle) کو چوٹ لگ گئی ہے اور بار بار جھٹکے دار شدید درد اٹھتا ہے۔

ایک اور واقعہ جم سپرنگر (Jim Springer) اور جم لیوس (Jim Levis) کا ہے یہ دونوں ایک جیسے جڑواں بھائی پیدائش کے چھ ہفتہ بعد ہی علیحدہ ہو گئے تھے اور اس کے ۳۹ سال بعد یونیورسٹی آف مینسوٹا (University of Minnesota) میں جڑواں لوگوں کی ریسرچ پراجیکٹ میں اکٹھے ہوئے۔ یہ بات سائنسدانوں کے لئے حیران کن تھی کہ ان کی جن عورتوں سے پہلی شادی ہوئی ان دونوں کا نام لنڈا Linda تھا طلاق کے بعد جو دوسری شادی کی ان دونوں عورتوں کے نام بیٹی Betty تھے۔ ان دونوں کے پہلے پہلے بیٹوں کے نام جیمز ایلن James Allen تھے۔ یہی نہیں بلکہ ان دونوں کے کتوں کے نام بھی ایک ہی سے تھے وغیرہ وغیرہ۔ حالانکہ اس سے پہلے ۳۹ سال سے وہ ایک دوسرے کو کبھی نہیں ملے تھے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کونسی طاقت ہے کون سا میڈیا ہے جو ان سے ایک سے کام کرواتا تھا؟ روح، یا دماغ؟

ایک اور واقعہ کارا (Karah) اور سارا (Sarah) کا ہے یہ دونوں بہنیں U.S.A. میں رہتی ہیں۔ دونوں ہر کام ایک سے کرتی ہیں مثلاً ٹیسٹ کے طور پر انہیں 200 سوال دیے گئے اور علیحدہ علیحدہ بٹھایا گیا لیکن ٹیچر کیلئے یہ حیران کن بات تھی کہ دونوں نے بالکل ایک سے سوال حل کیے، ان کے اس رویہ کو کون کنٹرول کرتا ہے؟ اس طرح کی ESP کیا ہمارے جین Gene کی وجہ سے ہے یا خالص جڑواں بھائی بہنوں کے اذہان کے درمیان کسی اور ذریعہ سے کوئی خفیہ بات چیت (Hidden Communication) رہتی ہے جس کے ذریعے وہ ایک سی حرکتیں کرتے ہیں؟ کیا اس کی وجہ ان کے انفاس (Spirits) کا باہمی تعلق ہے؟

اسی طرح سائنسدانوں نے درجنوں جڑواں بھائی بہن دریافت کئے ہیں جن کے درمیان ذہنی طور پر پیغام رسانی ایک حقیقت ہے۔ خاص طور پر ان کی زندگیوں میں بڑے بڑے واقعات ایک ہی وقت میں ایک جیسے ہوتے ہیں مثلاً ایک کے چوٹ لگی تو دوسرے کے بھی اسی

وقت لگ گئی ،ایک مرا تو دوسرا بھی مر گیا۔ سایکالوجسٹوں میں ایک نینسی سیگل (Nancy Segal) ہے جو کئی سالوں سے اس مسئلہ پر ریسرچ کر رہی ہیں ان کا کہنا ہے کہ میں مماثل جڑواں بھائی بہنوں میں ESP یا باہمی ذہنی پیغام رسانی کو رد نہیں کرسکتی ہوں یہ اتنے زیادہ واقعات ہیں کہ ان کو اتفاقیہ نہیں کہا جاسکتا۔لیکن کیوں؟

اٹلی روم کے مینڈل انسٹیٹیوٹ Mendal Institute کے سائنسدان گیڈا Gedda اور ساتھیوں نے بھی جڑواں بھائی بہنوں کے درمیان حیرت انگیز حد تک ایک سے واقعات اور حالات پائے ہیں۔ان کا کہنا ہے کہ ان لوگوں کی ایک ہی بیماریاں، ایک ہی نشوونما (Growth) ہوتی ہے۔اکٹھے دانت نکالتے ہیں، اکٹھے بالغ ہوتے ہیں، اگر ایک گنجا ہے تو دوسرا بھی گنجا ہوگا۔سائنسدانوں کا خیال ہے یہ مماثلت ان کے ایک ہی طرح کے جینز (Genes) کی وجہ سے ہوسکتی ہے۔ ہمارے جینز کے اندر بنے بنائے پروگرام شدہ ٹائم کلاک ہیں جن کے مطابق ہماری نشوونما (Growth) ہوتی ہے۔

جینز کلاک (Genes Clock) کی تھیوری سے پتہ چلتا ہے کہ کیوں ایک ہی دن ایک ہی گھنٹے میں جڑواں بھائی بہنوں کے سر میں درد ہوتا ہے بلوغت ہوتی ہے گنجے ہوتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

جڑواں بچوں پر تحقیقات یہ بھی ثابت کرتی ہیں کہ یہ خیال کہ تقدیر کوئی چیز نہیں ٹھیک نہیں۔زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے ہم صرف ایک حد تک آزاد ہیں۔ورنہ ہمارے جینز کے اندر ہماری صحت، ہماری سوچ اور تقدیر بند ہے جس کے ہم پابند ہیں۔ محققین کا خیال ہے کہ ESP کی وجہ بھی جینز کی باہمی مماثلت ہوسکتی ہے یعنی ہم جو کچھ بھی ہیں وہ جینز کی خصوصیات کی وجہ سے ہیں اس کے علاوہ ہمارے جینز میں سے کوئی ایسی لہریں ضرور نکلتی ہیں جو ہزاروں میل دور اسی جیسے جینز پر اثر انداز ہوتی ہیں جیسے جینز میں بائیولوجیکل ریڈیو ریسیور اور ریڈیو ٹرانسمیٹر (Biological Radio Receiver and Radio Transmitter) بنے ہوئے ہیں۔اس کا یہ بھی مطلب ہوسکتا ہے کہ ہر شخص کے جینز اپنے متعلق پیغام نشر کرتے ہیں اگر دوسری طرف اسی نوعیت

(Same Frequency) کا جین ہوگا تو وہ اس پیغام کو پکڑ لے گا۔

9.4 سائنس اور مسئلہ جبر و قدر کی حقیقت

سیکولر تہذیب جس کی ترقی یافتہ شکل مغربی دنیا ہے وہاں پر ایک عرصہ سے تقدیر کے مسئلہ کو رد کر دیا گیا تھا اور اس کی جگہ انسان کا غیر محدود اختیار (Absolute Free Will) کا نظریہ لایا گیا یعنی انسان جو چاہے کر سکتا ہے۔ یہ فلاسفی عیسائیوں کے نظریہ جبریہ کے ردّعمل کے طور پر آئی جس کے مطابق انسان محض مجبور ہے اور جو کچھ ہوتا ہے وہ پہلے سے ہی طے شدہ ہے اس لئے ہو کر رہے گا۔

مسلمانوں میں بھی اس نظریہ پر صدیوں سے بحث چلی آ رہی ہے جس پر دو مشہور فرقے ایک جبریہ اور دوسرا قدریہ وجود میں آئے، جبریہ وہ تھے جو انسان کی مجبوری کے قائل تھے اور قدریہ وہ جو سمجھتے تھے کہ انسان اپنی قسمت کا خود مالک ہے۔ دونوں ہی اپنے لئے دلائل قرآن اور حدیث سے لاتے تھے حالانکہ ان سے بہت پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسی مسئلہ کو صحیح طور پر سمجھا دیا تھا۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ انسان کتنا با اختیار ہے اور کتنا مجبور ہے تو انہوں نے سوال کرنے والے سے کہا کہ ''اٹھ کر کھڑے ہو جاؤ، پھر اسے کہا اپنے بازو اوپر کر لو، جب وہ یہ کر چکا تو کہا ایک ٹانگ اٹھا لو جب وہ یہ بھی کر چکا تو کہا کہ دوسری ٹانگ بھی اٹھا لو، تو سوال کرنے والے نے کہا کہ میں یہ کیسے کر سکتا ہوں؟ آپؓ نے کہا تیرے سوال کا یہی جواب ہے، تم ایک حد تک آزاد ہو اور ایک حد تک مجبور''۔

بہر حال جینز کے متعلق ان نئے نظریات سے مغرب کے اختیار کے نظریہ (Free Will and Primacy of Free Will) کو شدید ٹھیس لگی ہے، سائنسدان حیران ہیں کہ کیا ہم اپنے جینز کے غلام ہیں۔ دوسری طرف ماحول کا بھی اپنا اثر ہے جو انسانی رویہ (Behaviour) کو بدلنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ مینسوٹا یونیورسٹی کے محققین کی ٹیم 350

مماثل جڑواں لوگوں کے رویہ (Behaviour) پر تحقیقات کے بعد بھی یہی نتیجہ اخذ کرتی ہے کہ ہماری شخصیات پر ہمارے جینٹک Genetic سسٹم کا زیادہ گہرا اثر ہے۔ ان کے اندازے کے مطابق لیڈر شپ خصوصیات میں 61% جینز کا اور 39% بقیہ چیزوں مثلاً ماحول، تعلیم، ٹریننگ وغیرہ کا دخل ہے۔ اسی طرح مشکلات کا مقابلہ، شرم وحیا، خوف، مہم جوئی میں بھی پچاس سے ساٹھ فیصد کا تعلق جینیٹک Genetic سے ہے۔ صفائی، سلیقہ، جذبات کا برانگیختہ ہونا وغیرہ کی خصوصیات میں نشو ونما اور ماحول کے اثرات پچاس سے ساٹھ فیصد تک ہیں۔ موروثی بیماریاں تو سو فیصد تک جینز کی وجہ سے ہیں۔

بہر حال آپ اسے تقدیر کہیں یا کچھ اور اب تک ہونے والی تحقیقات یہی ثابت کرتی ہیں کہ بڑی حد تک انسان کی زندگی عادات اور صلاحیتیں اس کے جینز (یعنی تقدیر) کی غلام ہیں اور بقیہ ماحول پر منحصر ہے، اس پر بھی انسان کا اپنا کوئی ذاتی کنٹرول نہیں۔ یعنی انسان کی خود مختاری (Free Will) محض ایک دکھاوا ہے اصل میں وہ اپنے جینز اور ماحول کا غلام ہے۔

اس کے علاوہ یہ بھی ظاہر ہو گیا ہے کہ انسان کے اندر کوئی ایسی چیز ضرور ہے جسے آپ جینز کا اثر (Genes Effect) کہیں یا روح (Spirit) یا نفس (Inner Self) یا غیر مرئی جسم (Astral Body) رکھ لیں، کچھ بھی کہہ لیں، جو جسم سے باہر پیغام رسانی کر سکتی ہے، دور دور تک اثر انگیز ہو سکتی ہے۔

مستقبل میں جب کلوننگ کے ذریعہ ایک ہی آدمی کے جینز سے فوج تیار کی جائے گی اور اس کو ایک سے ماحول میں رکھا جائے گا تو اس تھیوری کے مطابق کہ ان سب کی ایک ہی سوچ اور رویہ (Behaviour) ہو۔ نہ صرف یہ بلکہ وہ سب ذہنی طور پر جینز کے پیغام رسانی کے طریقہ سے ایک دوسرے کے خیالات سے بھی واقف ہوں گے۔ اس کے اثرات دنیا پر کیا ہوں گے یہ سوچنے کی بات ہے۔

جین پر اس کی تقدیر کب لکھی جاتی ہے؟ یہ سوال ابھی حل طلب ہے یہاں تک وراثتی اثرات کا تعلق ہے اس پر تو کوئی شک نہیں کہ یہ باپ اور ماں دونوں کے جین سے چلے آتے ہیں

جن کے ملاپ سے نئے پیدا ہونے کا پہلا خلیہ (Cell) تشکیل پاتا ہے یوں وہ ماں باپ کے جینز کا حامل ہوتا ہے۔ اسلامی روایات کے حوالہ سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ جینز کے اوپر یہ پروگرام اس وقت لکھا جاتا ہے جب جنین (Embryo) میں روح داخل ہوتی ہے، بلکہ یوں کہہ لیں کہ یہ پروگرام روح کا ہی ایک حصہ ہے جو نومولود کی قسمت ہوتی ہے۔ (واللہ اعلم)

ابن سعد کے مطابق جناب عبدالرحمٰن بن قتادہ السلمیؓ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے سرکار دو عالم، فخر موجودات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا کہ آپ نے فرمایا کہا اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کر کے مخلوق کو ان کی پشت سے نکالا اور پھر ارشاد ہوا'' یہ بہشت میں جائیں گے اور مجھے کوئی پرواہ نہیں اور یہ دوزخ میں جائیں گے اور مجھے کوئی پرواہ نہیں '' یہ سن کر مجلس سے ایک صحابی نے عرض کی '' یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! اگر یہی بات ہے تو پھر ہم عمل کس بات پر کریں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا'' مواقع تقدیر کی بناء پر ''۔

یوں تقدیر زندگی میں ہمارے رول کا تعین کرتی ہے اور مواقع تقدیر وہ رول ہے جو ہم ادا کرتے ہیں۔ اس کی مثال تھیٹر میں کام کرنے والے ایکٹروں کی ہے۔ ان کا رول (تقدیر) تھیٹر کا ڈائریکٹر مقرر کرتا ہے ایکٹر کی عزت اس وجہ سے نہیں کہ وہ بادشاہ کا کردار ادا کرتا ہے یا فقیر کا بلکہ اس لئے ہے کہ وہ دیا گیا کردار کس خوش اسلوبی سے ادا کرتا ہے۔ یہی حال تقدیر کا ہے اگر ہم نے مواقع تقدیر کو خوش اسلوبی سے ادا کیا تو یہ ہماری حسن کارکردگی ہے۔ یعنی تقدیر پر ہمارا ردّ عمل ہی ہمارا ٹیسٹ ہے۔ اسی کی بنیاد پر دیکھا جاتا ہے کہ کس کا عمل کس سے زیادہ اچھا ہے اور اس عمل کا ثمر حیات کے اگلے سفر کی تقدیر ہے۔

9.5 تقدیر اور اعمال

انسانی سفر کی مختلف منازل کے حوالہ سے ہم آٹھویں باب میں اس بات پر روشنی ڈال

چکے ہیں کہ ایک عالم کے اعمال اگلے عالم کیلئے تقدیر ثابت ہوتے ہیں۔مندرجہ ذیل میں اسی مضمون پر مزید روشنی ڈالی جارہی ہے۔اس موقع پر تقدیر اور اعمال کے فرق کو سمجھنا بھی ضروری ہے۔تقدیر وہ ہے جس پر ہمارا کوئی اختیار نہیں اور ان چیزوں کی لسٹ بہت لمبی ہے۔سو فیصد اختیار شاید ہی کسی چیز پر ہو۔یوں اپنی پیدائش پر ہی ہم تقدیر کے سمندر میں پھینک دیئے جاتے ہیں اور کہا جاتا ہے اس سے اب نکلو۔اس سے نکلنے کیلئے جس طرح آدمی ہاتھ پاؤں مارتا ہے وہ ہمارے اعمال ہیں۔

جیسے کہ پہلے بھی کہا گیا ہے تقدیر اٹل ہے اور گزرے ہوئے عالموں میں ہمارے اعمال کی بناء پر پہلے سے مقرر شدہ اللہ تعالیٰ کی ترتیب ہے۔اس عالم کے تمام واقعات اس ترتیب کے مطابق زمان ومکاں میں یکے بعد دیگرے ظہور پذیر ہوتے ہیں یہاں تک کہ اگر درخت سے ایک پتا بھی گرتا ہے تو وہ بھی اس کی تقدیر ہے۔دنیا میں آدمی کی زندگی کے آغاز سے پہلے ہی عالم ارواح میں اسکی کیفیت کے مطابق اس کی تقدیر لکھی جا چکی ہے۔یہ عالم ارواح کے اعمال اور منشور کے مطابق اس کے جین (Genes) پر ثبت شدہ اس کی کتاب (Genome) ہے۔اگر اللہ تعالیٰ نہ چاہے تو آدمی اپنی تقدیر میں تبدیلی نہیں لاسکتا، البتہ جدو جہد والی دعا اور تبدیلی کی زبردست خواہش تقدیر کے اثرات کو بدل سکتی ہے۔

تقدیر دراصل اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیا میں انسان کا امتحانی پرچہ ہے جو اصلاح کیلئے ایک اور موقع ہے۔اس ضمن میں دنیا ایک امتحانی تجربہ گاہ (Test Laboratory) ہے جس میں امتحان کی غرض سے انسان کو گزارا جاتا ہے۔ مقصد انسان کے ردعمل (Performance) کو پرکھنا اور اس بناء پر اگلے عالم کیلئے اس کی تقدیر کا فیصلہ ہے۔چونکہ ایک ہی تقدیر پر مختلف انسان مختلف ردعمل ظاہر کرتے ہیں اسلیئے نتائج مختلف ہوتے ہیں اور اسی طرح درجات بھی۔اس کی مثال تھیٹر کے کرداروں کو دیے گئے رول پر ان کی کارکردگی کی سی ہے۔

9.6 تقدیر پر ردِعمل اور مواقع تقدیر کی حقیقت

جینز پر جدید سائنسی دریافتوں سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ تقدیر پر ہمارا اختیار نہیں لیکن ردعمل ہمارا اپنا ہے۔ کوئی ذہین پیدا ہوتا ہے، کوئی لمبا ہوتا ہے، کوئی ٹھگنا ہوتا ہے، کوئی کالا ہوتا ہے، کوئی گورا۔ غرض کہ ہمیں اپنی ذات کے خواص پر کوئی اختیار نہیں۔ یہی حال ذہنی صلاحیتوں کا ہے یہ سب تقدیر ہے۔ اس کا دائرہ کار پیدائشی باتوں تک ہی محدود نہیں بلکہ انسان کے متعلق ہر چیز اس کے دائرہ کار میں ہے۔ حیرانی کی بات یہ ہے کہ تقدیر کے اثرات عام زندگی کی چھوٹی چھوٹی باتوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔ ہو بہو بچوں کی تحقیق جسکا ذکر پہلے ہو چکا ہے تو یہاں تک ثابت کرتی ہے کہ میں جو انگوٹھیاں پہنتا ہوں یا میں جو جوتے خریدتا ہوں اس میں بھی جینیٹک اثرات ہیں۔ گویا یہ پہلے سے مقررہ تقدیر (Pre-destined) ہے کہ میں اس طرح کے لباس کو پسند کروں گا۔ آپ اس طرح کے رنگ پہنیں گے، اس طرح کی باتیں کریں گے۔ آپ کی اس طرح کی سوچ ہوگی۔ آپ کے اعمال اس طرح کے ہوں گے۔

غرض جو کچھ ہمیں پیش آتا ہے وہ ہماری تقدیر ہے حتیٰ کہ اگر آپ کو کل بخار ہونا ہے تو یہ بھی تقدیر ہے، آپ نے امیر ہونا ہے تو ہونا ہی ہے یہ تقدیر ہے آپ نے محنت کرنی ہے یا سستی کرنی ہے۔ یہ بھی تقدیر ہے۔ آپ نے پاس یا فیل ہونا ہے تو وہ آپ کی تقدیر ہے۔ آپ نے بڑھاپے کی عمر پانی ہے یا جوانی میں مرنا ہے یہ بھی آپ کی تقدیر ہے۔ اس پر کسی طرح کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ لیکن ان پر ردعمل آپ کا اپنا ہے جزا و سزا کا مالک اپنی بنائی ہوئی تقدیر کو نہیں بلکہ اس پر آپ کے ردعمل کو دیکھتا ہے۔ اس کے نتیجے میں جنت یا جہنم ہے۔

ردعمل اور نتائج

تقدیر

انسان
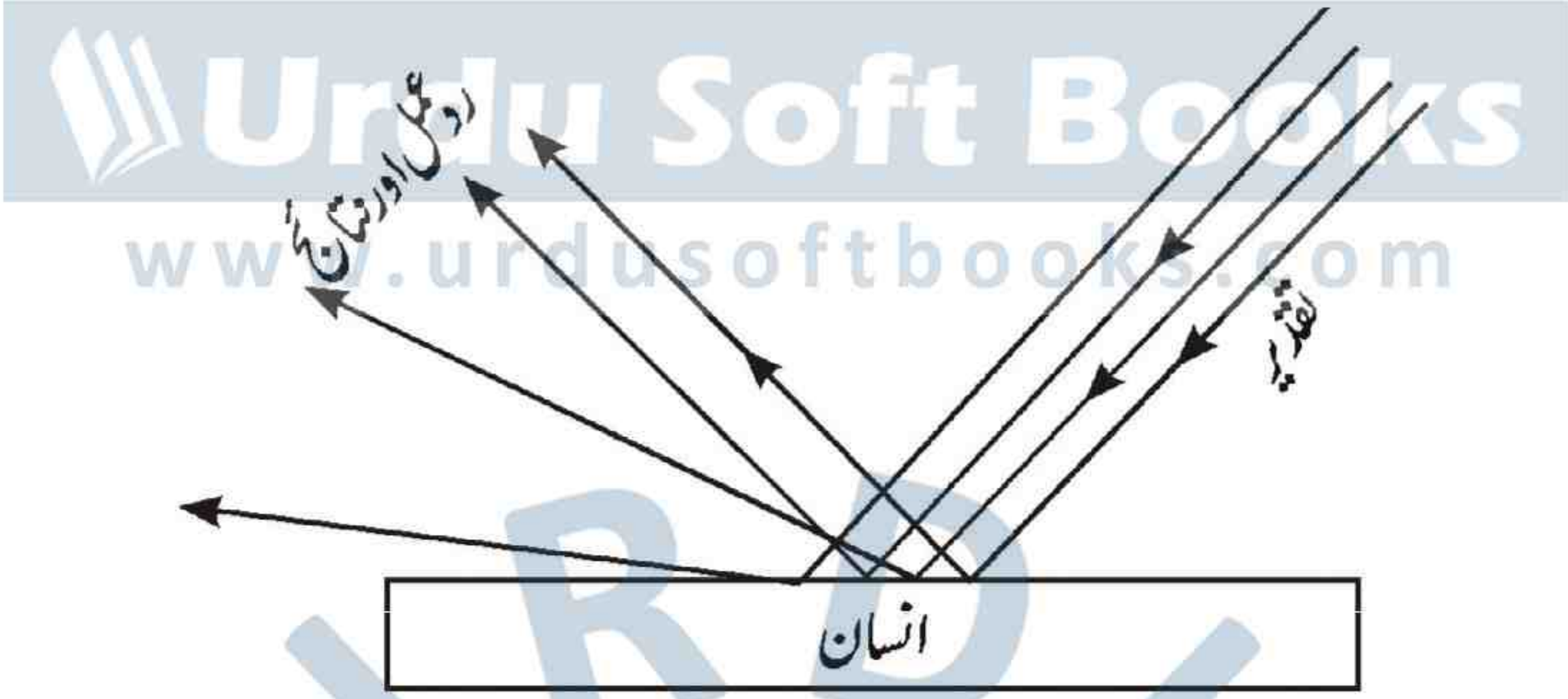
شکل: تقدیر اور اعمال

ہماری زندگی میں تقدیری واقعات وہ ہیں جن پر ہمیں کوئی اختیار نہیں۔ مثلاً ہماری پیدائش والدین، قوم، ملک، ذہنی اور جسمانی صلاحیتیں وغیرہ ان میں سے کسی ایک پر بھی ہمیں کوئی اختیار نہیں ہے۔ یوں زندگی تقدیر کا وسیع گہرا سمندر ہے جس میں آدمی کو پھینک دیا جاتا ہے کہ اب ہمت کرکے اس میں سے نکلو۔ نکلنے کے لئے جو ہم ہاتھ پاؤں مارتے ہیں وہ ہمارے اعمال ہیں۔

تقدیر مقرر ہوچکی ہے اور انسان پر وقت کے ساتھ نازل ہوتی رہتی ہے۔ یہ ایک امتحانی پرچہ کی طرح ہے۔ انسان کا اپنی تقدیر پر ردعمل اس امتحانی پرچہ کا جواب ہے۔ردعمل کا انحصار انسان کے عقیدہ، تربیت، شخصیت، علم، کوشش اور کئی دوسری وجوہ کی بناء پر ہوتا ہے۔ اگر میلان طبع شیطان کی طرف ہے تو ردعمل میں شیطان کا بڑا دخل ہوگا جس کانتیجہ آخرت میں بھی برا ہوگا۔ بہترین ردعمل یہ ہے کہ انسان تقدیرکو اللّٰہ کی رضاسمجھ کر قبول کر لے اور ہر مسئلہ کو حضور پاک صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ آلہ وسلم کی اتباع کے مطابق حل کرنے کی کوشش کرے۔

اس کی مثال کچھ اس طرح ہے کہ میں جب 1964 میں مانچسٹر یونیورسٹی انگلینڈ میں پڑھتا تھا تو وہاں ایک لیبارٹری تھی۔ اس میں داخل ہونے کے لئے ایک کھڑکی تھی دروازہ نہیں تھا۔ شاید کسی زمانے میں وہ بیرک (Barrack) تھی لیکن بعد میں یونیورسٹی کا حصہ بن گئی۔ انگریز پرانی روایات کو بہت پسند کرتے ہیں اس میں تبدیلی نہیں کرتے۔ اس لئے انہوں نے اس میں دروازہ نہیں بنایا بلکہ ویسے ہی استعمال کرنے لگے۔ جب ہم اس میں داخل ہوتے تو کھڑکی کی اونچائی کم ہونے کی وجہ سے کبھی کبھی چوکھٹ سر میں لگ جاتی تھی۔ میرے ساتھ ایک ہندو لڑکا بھی تھا۔ اس کا نام چوپڑا تھا۔ ہمارے پروفیسر کا نام ڈاکٹر ایف ڈبلیو واکر (DR.F.W.Walker) تھا۔ یہ سکاٹش تھا ایک دن اس نے ہم دونوں کو بلالیا۔ ہمیں اس لیبارٹری میں ابھی صرف پندرہ بیس دن ہوئے تھے۔ اپنے پاس بٹھایا اور کہا کہ میں تم سے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں۔ تم دونوں اس کھڑکی سے داخل ہوتے ہو، بعض اوقات دونوں کا سر لگ جاتا ہے۔ جب بشیر کا سر ٹکرا جائے تو وہ ہنس دیتا ہے اور جب تمہارا سر ٹکراتا ہے تو تم غصّہ میں آجاتے ہو اور برا بھلا کہتے ہو۔ تم دونوں کے ردعمل میں تضاد کیوں ہے؟ یہ مثال تقدیر کی ہے۔ تقدیر تھی کہ سر ٹکراتا تھا، ردعمل یہ تھا کہ بشیر کا سر لگا تو وہ مسکرادیا کہ آج پھر سر لگ گیا۔ جب چوپڑا کا سر لگتا تو وہ جھنجھلا اُٹھتا۔ ایک ہی واقعہ کے دو مختلف ردعمل ہوئے۔ ڈاکٹر واکر دونوں کے ردعمل کو دیکھتا رہا اور اس بارے میں اپنی رائے قائم کرتا رہا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ تقدیر پر ہمارے ردعمل کو دیکھتا ہے اور اپنا فیصلہ محفوظ رکھتا ہے۔

نبی کریم رؤف الرّحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مواقع تقدیر سے فائدہ اٹھاؤ۔ اسی بات کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بہت اچھی طرح واضح کیا۔ جب وہ خلیفہ تھے اس وقت حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ عراق میں اسلامی فوج کے کمانڈر تھے، انہوں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دعوت دی کہ وہ نئے مفتوح علاقوں کا دورہ کریں۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک جماعت کے ساتھ سفر پر روانہ ہوئے۔ ابھی راستے ہی میں تھے تو اطلاع آئی کہ عراق میں طاعون کی وبا پھیل گئی ہے۔

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ امیر المومنین کا استقبال کرنے کے لئے بارڈر پر تشریف لائے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ میں آگے نہیں جاؤں گا کیونکہ آپ کے علاقے میں طاعون کی بیماری پھیلی ہوئی ہے بلکہ میں آپ سے بھی کہوں گا کہ آپ بھی واپس آجائیں۔اس پر حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ آپ تقدیر سے بھاگ رہے ہیں۔حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواباً کہا کہ نہیں، میں تقدیر سے نہیں بھاگ رہا بلکہ ایک تقدیر سے دوسری تقدیر کی طرف جارہا ہوں۔حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا نہیں امیر المومنین میں اس بات پر آپ سے اختلاف کرتا ہوں۔حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ میں بھی آپ کو مجبور نہیں کروں گا۔چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بارڈر سے آگے نہیں گئے، وہیں بات چیت کی اور واپس آگئے۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ سے پوچھا کہ اے امیر المومنین اس کا کیا مطلب ہے کہ میں ایک تقدیر سے دوسری تقدیر کی طرف جارہا ہوں۔آپ نے کہا کہ ایک نہر ہے اس کے دو کنارے ہوتے ہیں۔ایک کنارے پر ہری بھری گھاس ہے اور درختوں والا ہے جبکہ دوسرا کنارہ خشک ہے۔یہ دونوں راستے ایک ہی منزل کو جاتے ہیں۔اب یہ مجھ پر منحصر ہے کہ میں ان دونوں کناروں میں سے کس کا انتخاب کرتا ہوں۔میں ایک کنارے پر تھا جیسے ہی خراب راستہ شروع ہوا میں نے اپنا راستہ بدل لیا اور اچھے والے راستہ پر آگیا تو میں نے تقدیر کو نہیں چھوڑا بلکہ میں تقدیر کی طرف جانے والے راستہ کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے کی جانب آگیا ہوں جبکہ ابوعبیدہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اسی راستے پر سفر جاری رکھنا چاہتے ہیں حالانکہ وہ بھی جانتے ہیں کہ اس کنارے پر آگے کھائیاں ہیں جن میں ان کا گھوڑا گر سکتا ہے۔جانتے بوجھتے ہوئے اپنے گھوڑے کو کھائیوں میں گرانا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس بات کو تسلیم کیا۔حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اجتہاد غلط تھا لیکن صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ان کے اجتہاد کو بھی ٹھیک قرار دیا کہ انہوں نے توکل کیا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں کہا کہ انہوں نے تقدیر کو مانا اور اسباب کو استعمال کیا۔ابوعبیدہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہ بات چیت کے بعد عراق واپس چلے گئے اور طاعون میں مبتلا ہو کر فوت ہو گئے۔

درحقیقت تقدیر اٹل ہے۔ ماڈرن سائنس بھی یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہے۔ ہمارا مذہب بھی یہی کہتا ہے۔ تقدیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمارے پرانے اعمال کے نتیجے میں ہمارے اوپر اترتی ہے، اس پر ہم ردعمل کرتے ہیں اللہ تعالیٰ رحیم و کریم ہے وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا اگر ہماری تقدیر بری ہے تو اس کے ذمہ دار بھی ہم خود ہی ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ایک فراہم شدہ موقع ہے کہ کہ ہم اگلے جہاں کے لئے بہتر ردِعمل سے اچھی تقدیر بنا سکیں۔

اب ہم نے یہ دیکھنا ہے کہ ہم کیسا ردعمل کرتے ہیں؟ مثلاً مجھ پر کوئی مصیبت آتی ہے اور میں پکار اٹھتا ہوں ''اے اللہ میرے اوپر ظلم ہوا ہے، غضب ہوا ہے، یہ مصیبت مجھ پر ہی کیوں آئی ہے، دوسرے لوگوں پر یہ مصیبت کیوں نہیں نازل ہوئی''؟ یہ ایک ردعمل ہے۔ دوسرا ردعمل یہ ہے کہ میں کہتا ہوں ''اے اللہ تعالیٰ یہ میرے ہی گناہوں کا نتیجہ تھا۔ مجھے معاف فرما، تیرا شکر ہے کہ تو نے اس سے بڑی مصیبت میں مبتلا نہیں کر دیا۔ اے اللہ آپ ہی مصیبت دور فرمانے والے ہیں۔ میرا غم دور فرما اور مجھے صبر کی توفیق دے''۔ یہ ایک دوسری قسم کا ردِعمل ہے۔ دو آدمی امتحان میں فیل ہو جاتے ہیں۔ ایک کہتا ہے کہ ''ممتحن نے بے ایمانی کی ہے، نمبر غلط لگائے ہیں، پرچے تبدیل کر دیئے ہیں۔ اقربا پروری ہوئی ہے۔ انہوں نے آؤٹ آف کورس پرچہ بنایا تھا اس لئے میں فیل ہو گیا''۔ دوسرے کا ردعمل یہ ہے کہ ''کوئی بات نہیں۔ میں اگلے سال اس سے زیادہ محنت کروں گا اور کامیاب ہو جاؤں گا''۔ ایک ہی تقدیر پر دو مختلف ردعمل۔ فیصلہ کرنے والے نے ردعمل کو دیکھ کر فیصلہ کرنا ہے جس کے مطابق اگلی تقدیر لکھ دی جائیگی۔

9.7 توکل اور اسباب کا استعمال

تقدیر کے ہی حوالہ سے اب ہم اسباب اور توکل کی طرف آتے ہیں جیسے اسباب کیلئے کوشش کرنا اور ان سے فائدہ اٹھانا تقدیر پر ایک ردعمل ہے۔ اسی طرح توکل دوسرا ردِعمل ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الۡمُتَوَکِّلِیۡنَ

''اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے''(سورۃ آل عمران،آیت 159)

توکل کرنا ایک بہت بڑی عبادت ہے اس لئے اس بات کا بہت بڑا درجہ ہے کہ جو کچھ ہو رہا ہے اس پر پریشان نہ ہوں بلکہ توکل کریں۔لیکن اس کا مطلب اسباب کو چھوڑ دینا نہیں ہے۔ توکل ایک عبادت ہے۔اسباب سے فائدہ نہ اٹھانا ناشکری ہے اور ناشکری کا دوسرا نام کفر ہے لیکن اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اسباب پر توکل کرنا کفر ہے۔جبکہ اپنے ذرائع میں رہتے ہوئے اسباب کے لئے پوری کوشش کرنا اور نتائج کے لئے اللہ تعالیٰ پر توکل کرنا اسلام ہے۔

اس ضمن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث مبارکہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک اعرابی آکر بیٹھ گیا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے پوچھا کہ اونٹ کہاں ہے۔اس نے کہا کہ میں نے اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے اسے مسجد کے باہر چھوڑ دیا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ " **اِعقله فتوکل علی اللّٰہ** " یعنی باہر جا کر اونٹ کے پاؤں کو اچھی طرح رسی سے باندھو، پھر اسے درخت کے ساتھ مضبوطی سے باندھ کر آؤ اور اسکے بعد اللہ تعالیٰ پر توکل کرو۔' وہ گیا اور اس نے ایسے ہی کیا۔ حسب استطاعت رسی، درخت اور اونٹ کو باندھنا یہ سب اسباب ہیں۔اس کے بعد اگر وہ اونٹ رسی توڑ کر چلا جاتا ہے، یا کوئی کھول کر لے جاتا ہے یا کوئی چوری کر لیتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دینا توکل ہے۔مطلب یہ ہے کہ ہر تقدیر پر جو کوشش تم کر سکتے ہو وہ تم ضرور کرو۔اس لئے کہ اسلام میں کوشش اور اسباب کا استعمال لازمی ہے۔یہ واجبات میں شامل ہے۔اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے اچھی امید کے ساتھ نتائج کا انتظار کرو اور جو بھی نتیجہ سامنے آتا ہے اسے اللہ تعالیٰ کی رضا سمجھ کر قبول

کرلو۔اس کا نام توکل ہے۔اور یہ فرض ہے پھر یادر ہے کہ توکل، اللہ تعالیٰ پر ہے اگر اسباب پر کرلیا تو شرک ہوگا۔

دراصل اللہ تعالیٰ پر توکل کے ساتھ اسباب کو استعمال کرنا نبیوں کی سنت ہے۔حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مبارکہ کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ ان کی زندگی میں اتنی جدوجہد ہے، اتنی تدابیر اور کوششیں ہیں کہ کسی اور شخص کی زندگی میں ایسی جدوجہد، تدابیر اور کوششیں نہ پہلے کبھی تھیں اور نہ ہی آئندہ ہوں گی۔یہ اس لئے کہ محنت کرنا اللہ کی طرف سے انسان پر فرض ہے۔نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔

اَلْکَاسِبُ حَبِیبُ اللّٰہِ

’’کام کرنے والا اللہ تعالیٰ کا دوست ہوتا ہے‘‘۔

اسباب کا ترک کرنا دراصل محنت سے جان چھڑانا ہے، جو کہ نکموں کا کام ہے۔یہ توکل نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا امتحان لینا ہے جو سراسر بدتمیزی ہے۔اگر توکل یہی ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ بیٹھے رہتے کہ اللہ تعالیٰ خود ہی کرے گا۔لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جدوجہد بے مثل ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پتھر بھی کھائے، جنگیں بھی لڑیں، زخمی بھی ہوئے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان عالی شان ہے کہ:۔

اوذیتُ فی سبیل اللّٰہ ما اوذیٰ من قبلی احد

’’جتنا میں اللہ تعالیٰ کے راستے میں ستایا گیا ہوں اور کوئی نبی اتنا نہیں ستایا گیا‘‘۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ تمام کوششیں کیں جو کہ ایک انسان کرسکتا تھا لیکن نتائج کیلئے صرف اور صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیا۔ مانگا تو اسی سے مانگا۔اسی کی عبادت کی اور اسی سے

استقامت طلب کی۔ ایاك نعبدُ وایاك نستعین۔ یہ توکل ہے۔

کوشش کی اہمیت کو سمجھنے کیلئے ہمارے سامنے قرآن پاک میں حضرت مریم علیھا السلام کی مثال ہے۔ حضرت مریم دردزہ میں مبتلا ہیں۔ بہت تکلیف میں ہیں۔ نقاہت بہت زیادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت مریم علیہا السلام سے فرماتے ہیں کہ کھجور ہلاؤ۔ جس کے بعد کچھ کھجوریں گرتی ہیں جو وہ کھاتی ہیں اور طاقت حاصل کرتی ہیں۔ کہاں ایک کمزور عورت اور کہاں وہ تناور کھجور کا درخت۔ آپ بھی کبھی ہلا کر دیکھیں کہ کھجوریں گرتی ہیں یا نہیں گرتیں۔ لیکن مریم علیھا السلام سے کہا گیا کہ درخت ہلاؤ۔ اپنی کوشش کا حصہ ڈالو، پھر کھجوریں گریں گی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ ”اللہ تعالیٰ میری قوم کو پانی کی بہت ضرورت ہے وہ مجھ سے پانی کا مطالبہ کر رہی ہے، اس صحرا میں پانی نہیں ہے۔ اے اللہ پانی عطا کر۔“ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ’’اے موسیٰ اپنا عصا پہاڑ پر مارو۔‘‘ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا پہاڑ پر مارا تو وہاں سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے اور ہر قبیلے کو ایک ایک چشمہ دے دیا گیا۔ اب سوچیں کہ پہاڑ پر عصا کیوں مارا گیا۔ آپ مار کر دیکھیں۔ مارتے جائیں پانی نہیں نکلے گا۔ اگر چہ وہ ایک معجزہ تھا لیکن پھر بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عصا چلانے کو کہا گیا کیونکہ موسیٰ علیہ السلام سے بھی کچھ حصہ ڈلوانا منظور تھا۔

کرتا اللہ تعالیٰ ہی ہے لیکن وہ پسند فرماتا ہے کہ کام کے ہونے میں اس کے بندے کا بھی حصہ ہو۔ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اپنے بندے کی عزت افزائی ہے۔ مطلب یہ کہ اسباب کا زیادہ سے زیادہ استعمال ہمارے اوپر لازم ہے۔ یہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اہم ترین سنت طیبہ ہے۔ ان کا استعمال نہ کرنا ناشکری ہے۔ اس کے بعد نتائج اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دینا توکل ہے۔ اسباب کو استعمال کئے بغیر اللہ تعالیٰ پر توکل کرنا نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے خلاف ہے۔ قرآن پاک میں آتا ہے کہ ”یہ جو پانی ہے کیا یہ خود بخود تمہارے ہونٹوں تک پہنچ جائے گا“؟ کبھی نہیں پہنچے گا۔ بیشک آپ دعائیں کرتے رہیں کہ اے اللہ تعالیٰ اس گلاس میں جو پانی ہے یہ میرے منہ میں آجائے۔ میری پیاس بجھ جائے، لیکن جب تک میں گلاس اٹھا کر پانی

نہیں پیوں گا پیاس نہیں بجھے گی۔ پانی میں پیاس بجھانے کی جو خاصیت ہے وہ اس کی تقدیر ہے لیکن منہ میں ڈالنا اسباب کا حصہ ہے۔ جس کے بغیر بات نہیں بنے گی۔ رب تعالیٰ نے قانون بنادیا کہ بندہ اپنا حصہ ضرور ڈالے۔ اس لئے محنت کرنا لازمی امر ہے۔ اس کے نتائج اللہ کی مرضی پر ہیں۔ یہی ایک مسلم اور غیر مسلم کی سوچ میں فرق ہے۔ غیر مسلم اپنی محنت پر توکل کرتا ہے۔ جبکہ مسلمان محنت تو کرتا ہے لیکن توکل اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہی کرتا ہے۔

رَبِّ اَرِنِی حقَائِق الاشْیَاء کَمَا هِیَ

رَبِّی زِدْنِی عِلْمَا عَمَلاً و توْفِیْقًا

اِنَّكَ اَنْتَ العلیم الحکیم

---------------------☆---------------------

باب نمبر 10

پہلی اور آخری حقیقت

The Ultimate Truth

لا الٰہ الا اللہ

کوئی خدا نہیں مگر اللہ تعالیٰ

پانچویں باب میں ہم نے اللہ تبارک وتعالیٰ کی پاک ہستی کو زمان ومکاں اور اسکی توانائی کی صفات کے حوالہ سے سمجھنے کی ایک ادنیٰ کوشش کی۔ مندرجہ ذیل میں اپنے خالق کی شان کے حوالہ سے ہم اسکی معرفت کے طلبگار ہیں۔ دراصل کائنات کی ہر ایک چیز اسکی حقیقت پر گواہ ہے جو ہمیں پکار پکار کر اپنے خالق کی طرف متوجہ کرتی ہیں۔ لیکن انسان ایسا ظالم اور جاہل ہے کہ حقیقت اولیٰ کو چھوڑ کر سراب کے پیچھے زندگی گزار دیتا ہے۔

مشاہدہ، تجربہ اور حساب کی بنا پر جدید سائنس کہتی ہے کہ آج سے تقریباً پندرہ ارب سال پہلے کچھ بھی نہ تھا، نہ کائنات، نہ اسمیں کوئی چیز، حتیٰ کہ خلاء (Vacuum)، مکاں (Space) اور زماں (Time) بھی نہیں تھے۔ ایسا انہونا جسے سوچ کر خوف آتا ہے۔ پھر کچھ ہوا۔ اچانک ہوا جسے سائنس بگ بینگ (Big Bang) کا نام دیتی ہے اور کائنات وجود میں آ گئی۔ پہلے یہ ایک انتہائی طاقتور نقطہ تھی جو بے حساب گرم تھا، لاانتہا دباؤ اور پھر اربوں درجہ حرارت کی گیس سے لبریز جس میں ایٹم کے ذرات بھی اکٹھے نہیں ہو سکتے تھے وہ نقطہ پھیلنے لگا۔ اور پھیلاؤ کے ساتھ ساتھ اس میں کسی طرح کا نظم (Order) آنے لگا۔ مزید ٹھنڈا ہونے پر عناصر بننے لگے اور پھر وہاں سے ستارے اور ستاروں سے سیارے اور سیاروں سے زندگی اور آج ہم زمین پر موجود چیزوں کو دیکھتے

ہیں کہ ہر کام کو کرنے کیلئے کوئی کرنے والا ہوتا ہے ہر سبب کے پیچھے کوئی مسبب ہوتا ہے۔ سبب (Cause) اور آثار (Effect) قدرت کا اصول ہے۔ لیکن کفر کی ستم ظریفی دیکھئے کہ جب اللہ کی بات کی جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ کائنات خود بخود ہی پیدا ہوگئی تھی۔ لاوجود بغیر کسی سبب (Cause) کے وجود بن گیا۔ کوئی مسبب الاسباب نہیں، کوئی خدا نہیں۔ ہر چیز کی تخلیق کا کوئی خالق ہوتا ہے لیکن کائنات کی تخلیق کے لئے کسی خالق کی ضرورت نہیں۔ بس یونہی۔ بس یونہی کائنات وجود میں آ گئی۔ یا یہ کہ یہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ ایسے ہی چلتی رہے گی جب کہ اس کے اندر تمام تر سائنسی مشاہدات اس بات کے گواہ ہیں کہ یہاں کسی چیز کو بھی ثبات نہیں، کائنات بھی اس قانون سے مستثنیٰ نہیں۔ جیسے یہ وجود پذیر ہوئی تھی ویسے ہی ختم ہو جائے گی۔

پھر بھی کوئی خدا نہیں؟۔۔۔۔۔۔۔

سائنس ایک ایسے فارمولہ کی تلاش میں ہے جس میں ہر چیز کا حل موجود ہو اور جو قدرت کی تمام طاقتوں کا سرچشمہ ہو۔ سائنسدانوں کو یقین ہے کہ ایسا فارمولہ موجود ہے۔ وہ اسے وحدت اولیٰ (Primordial Singularity) کا نام تک دے چکے ہیں۔ بعض اسے پہلا سبب (The First Cause) کہتے ہیں لیکن بہت سے اسے اللہ (God) کہنے کے لئے تیار نہیں۔ اور ہٹ دھرم کہتے ہیں کہ:

کوئی خدا نہیں!

یہ بس ایک حادثہ تھا۔

حادثہ کہاں ہوا، کس میں ہوا؟ کس نے کیا؟ کیوں کیا؟ ان سوالوں سے کوئی سروکار نہیں۔

کائنات جس میں ایک سو کروڑ سے زیادہ کہکشائیں ہیں، ہر کہکشاں میں اربوں ستارے ہیں اور حجم میں یہ اتنی بڑی ہے کہ روشنی اپنی ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ کی رفتار سے

کھربوں سال بھی سفر کرتی رہے تو دوسرے کنارے تک نہیں پہنچ سکتی۔ یہ ایک ایسا شاندار متوازن نظام ہے جس کے تمام زمان و مکان میں ایک ہی طرح کے قوانین کارفرما ہیں۔ کبھی نہیں ہوا کہ زمین اپنے محور سے ادھر ادھر ہو جائے، سورج چاند کو اپنی کشش کے بل بوتے پر کھینچ لے یا ستارے اپنا راستہ بھول جائیں۔ سارے کا سارا نظام، سبھی کے سبھی ستارے اور سیارے اپنے اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ سب کے سب ایک ہی قانون کے پابند، اپنے ڈیزائن میں مکمل، اپنی شان میں الگ، ایک انتہائی عظیم مربوط نظام کا حصہ ہیں۔

پھر بھی کوئی خدا نہیں

اس کی بنیاد یہ ہے کہ پوری پوری کائنات چند اصولوں کے تحت چل رہی ہے جنہیں وہ سائنسی قوانین کہتے ہیں۔ بیسوی صدی کے عظیم ترین سائنس دان البرٹ آئن سٹائن کی اہم ترین دریافت یہ تھی کہ یہ قوانین زمان و مکاں کی قیود سے بالاتر ہر وقت ہر جگہ ایک ہی ہیں۔ جو قانون زمین پر کارفرما ہیں وہی دوسری دنیاؤں میں بھی نافذ العمل ہیں جن کی اطاعت ایٹم کے باطنی ذرات تک کر رہے ہیں دیوہیکل کہکشائیں بھی انہی قوانین کی پابند ہیں۔ اگر ان میں سرمو تفاوت آجائے تو کائنات تباہ و برباد ہو جائے۔

عقل کے لئے قدرت کے ان سائنسی اصولوں کو سمجھنا محال ہے۔ لاکھوں سائنسدان دن رات انہیں ہی سمجھنے کے لئے مصروف عمل ہیں۔ سبھی کہتے ہیں کہ ہر عقل کے پیچھے لازمی کوئی عاقل ہوتا ہے لیکن جب کائناتی قوانین کی بات ہوتی ہے تو کچھ لوگ بول اُٹھتے ہیں کہ سب خود ہی بن گئے تھے، انہوں نے خود ہی کائنات کے ذرہ ذرہ کو اپنے حلقہ اثر میں جکڑ لیا اور اب ساری کائنات ان کی زیر نگیں ہے۔ ان کے نزدیک اگر خدا ہے بھی تو وہ انہی قوانین کا مجموعہ ہے یعنی مخلوق کو مانتے ہیں خالق کا انکار کرتے ہیں۔

کیا عجب بات ہے!

سائنس کے نزدیک کائنات ایک انتہائی حساس کارخانہ کی مانند ہے جس کی ہر چیز ایک خاص حساب اور قواعد کے تحت کام کر رہی ہے جو انتہائی حساس ہے سائنسدانوں کا کہنا ہے کہ اگر ان میں انتہائی معمولی تفاوت بھی ہوتا تو کائنات وجود میں نہ آتی۔ مثلاً کششِ ثقل، ایٹم کے اندر مقناطیسی قوت کی نسبت ہزاروں گنا کمزور ہے، اگر یہ تھوڑی سی بھی زیادہ ہوتی تو کائنات کب کی ختم ہوگئی ہوتی اور اگر تھوڑی سی کم ہوتی تو فضا دھوئیں سے بھری رہتی۔ اگر ایٹم کے اندر الیکٹران کا چارج پروٹون کی نسبت اربواں حصہ بھی کم ہوتا تو کوئی نباتاتی اور حیوانی زندگی ممکن نہ ہوتی۔ نہ ہم ہوتے نہ کوئی اور ہوتا۔ اگر ایٹم کے اندر والی سٹرونگ فورس (Strong Force) ذرا بھی زیادہ یا کم ہوتی تو ایٹم قائم نہ رہ سکتا، اگر اس میں پائی جانے والی ویک فورس (Weak Force) میں انتہائی معمولی فرق ہوتا تو کائنات وجود میں نہ آسکتی۔

کیا کبھی آپ نے سوچا ہے؟ یہ انتہائی نفیس، دقیق اور لطیف عددی حساب (Constants of Nature) کس نے قائم کیئے؟ قدرتی طاقتوں کو کس نے اپنے اپنے کام پر لگایا؟ کون انہیں قابو میں رکھے ہوئے ہے؟ کیا اس عظیم نظام کا کوئی بانی ہے یا بے جان ایٹم پہلے خود بنے اور پھر خود ہی یہ حساب لگایا، قوانین بنائے اور سب کچھ خود ہی بنالیا اور خود ہی چلا لیا؟

سائنس کہتی ہے کہ بے شک کائنات کے سارے نظام میں کسی بھی جگہ کوئی کمی نہیں، ہر چیز اپنی اپنی جگہ مکمل (Perfect) ہے۔ انسانی سوچ کی انتہا سے بھی بڑے اس نظام کا ہر ہر ایٹم اپنے خالق کی گواہی دیتا ہے۔

''لیکن پھر بھی یہ سب ایک حادثہ ہے''۔

سائنس کہتی ہے کہ بگ بینگ کے بعد کائناتی مادہ اور توانائی ایک انتہائی ابتر بے ہنگم گیسوں کا مجموعہ جس کا درجہ حرارت کھربوں ڈگری سنٹی گریڈ تھا، سائنس کے دوسرے قانون حرارت کے تحت اس ابتری کو بھی قابو میں لانے کے لئے اس سے بھی بڑی کوئی بیرونی طاقت لازمی درکار تھی۔ پھر یہ نظام آہستہ آہستہ قابو میں آتا گیا۔ زمین و آسمان وجود میں آنے لگے۔ کون ہے وہ طاقت جس نے اس عظیم ترین ابتری کو شاندار متوازن نظام میں بدل دیا؟

پانی جمنے (Freeze) پر برف کی صورت میں ہلکا ہو کر اوپر آ جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ برفانی لحاف کی صورت میں سمندروں کی نچلی تہوں کو زیادہ ٹھنڈا نہیں ہونے دیتا، اگر ایسا نہ ہوتا تو کب کے سارے سمندر جم کر برف کے پتھر بن گئے ہوتے اور کسی جاندار کا زندہ رہنا تو کیا، پیدا ہونا ہی ممکن نہ ہوتا۔

کیا یہ پانی کی اپنی سوچ تھی؟

بگ بینگ کے بعد کائنات میں پیدا ہونے والا مادہ ہائیڈروجن کا سادہ ترین عنصر تھا۔ بعد میں اس سے ستارے بنے تو ان کی روشنی اور گرمی کو قائم رکھنے کے لئے ہائیڈروجن کے عناصر سے ہیلیم کے عناصر معرض وجود میں آئے، پھر سیاروں کو بنانے کے لئے ستاروں کی مزید فیکٹریاں قائم کی گئیں تاکہ مزید بھاری عناصر بنائے جائیں۔ اور انہی میں کاربن کے ایٹم کا بننا ناگزیر تھا تاکہ نباتات اور حیوانات بن سکیں۔ کاربن کے ایٹم ہیلیم (Helium) کے تین ایٹوں کی شراکت (Fusion) سے بنتے ہیں۔ سائنس دان حیران ہیں کہ اگر ہیلیم اور کاربن کے عناصر کے باہمی امتزاج (Mutual Resonance) میں ذرہ برابر بھی فرق ہوتا تو کاربن نہ بن سکتی اور اگر کاربن نہ ہوتی تو یہ دنیا نہ ہوتی۔

کیا یہ ہائیڈروجن کا فیصلہ تھا یا ہیلیم کا اپنا فیصلہ تھا؟ یا ہیلیم اور کاربن کی مشترکہ منصوبہ بندی تھی کہ کائنات کو ایک خاص ڈیزائن کے مطابق بنائیں جس سے آگے چل کر جمادات؟ نباتات اور حیوانات بن سکیں؟ اور پھر حضرت انسان پیدا ہو کے ان رازوں سے پردہ اُٹھائے۔

پھر بھی کوئی خدا نہیں؟

جدید سائنس نے یہ دریافت کیا ہے کہ کائنات کی ہر چیز حرکت میں ہے۔ ہر کوئی اپنے مدار پر ایک خاص حساب کے مطابق چل رہا ہے۔ ایٹم کے اندر الیکٹران مرکز کے گرد گھوم رہے

ہیں۔سورج کے گرد سیارے اپنے اپنے مدار میں چکر لگا رہے ہیں۔کہکشاؤں میں ستاروں کے جھرمٹ اپنی اپنی منزلوں پر گامزن ہیں۔خود کہکشائی نظام نہایت سرعت سے مسلسل پھیل رہا ہے۔

سورج فضا میں ایک مقررہ راستہ پر پچھلے پانچ ارب سال سے چھ سو میل فی سیکنڈ کی رفتار سے مسلسل بھاگا جا رہا ہے۔اس کے ساتھ ساتھ اس کا خاندان، 9 سیارے، 27 چانداور لاکھوں میٹرائٹ (Meteorite) کا قافلہ اسی رفتار سے جا رہا ہے،کبھی نہیں ہوا کہ تھک کر کوئی پیچھے رہ جائے یا غلطی سے کوئی اِدھر اُدھر ہو جائے۔سب اپنی اپنی راہ پر اپنے اپنے پروگرام کے مطابق نہایت تابعداری سے چلے جا رہے ہیں۔

اب بھی اگر کوئی کہے کہ چلتے ہیں لیکن چلانے والا کوئی نہیں، ڈیزائن ہے، لیکن ڈیزائنر نہیں، قانون ہے، لیکن قانون کو نافذ کرنے والا نہیں کنٹرول ہے، لیکن کنٹرولر نہیں بس یہ سب ایک حادثہ ہے۔اسے آپ کیا کہیں گے؟

چاند تین لاکھ اسی ہزار میل دور زمین پر سمندروں کے اربوں کھربوں ٹن پانیوں کو ہر روز دو دفعہ مدوجزر سے ہلاتا رہتا ہے تاکہ ان میں بسنے والی مخلوق کے لئے ہوا سے مناسب مقدار میں آکسیجن کا انتظام ہوتا رہے، پانی صاف ہوتا رہے، اس میں تعفن پیدا نہ ہو۔ساحلی علاقوں کی صفائی ہوتی رہے اور غلاظتیں بہہ کر گہرے پانیوں میں چلتی جائیں۔

یہی نہیں بلکہ سمندروں کا پانی ایک خاص مقدار میں کھارا ہے۔پچھلے تین ارب سال سے نہ زیادہ نہ کم نمکین بلکہ ایک مناسب توازن برقرار رکھے ہوئے ہے تاکہ اس میں چھوٹے بڑے سب آبی جانور آسانی سے تیر سکیں اور مرنے کے بعد ان کی لاشوں سے بو بھی نہ پھیلے۔انہی میں کھاری اور میٹھے پانی کی نہریں بھی ساتھ ساتھ بہتی ہیں۔سطح زمین کے نیچے بھی میٹھے پانی کے سمندر ہیں جو کھارے پانی کے کھلے سمندروں سے ملے ہوئے ہیں۔سب کے درمیان ایک غیبی پردہ ہے تاکہ میٹھا پانی میٹھا رہے اور کھارا پانی کھارا۔

اس حیران کن انتظام کے پیچھے کونسی عقل ہے؟اس توازن کو کون برقرار رکھے ہوئے ہے؟

کیا یہ پانی کی اپنی سوچ تھی یا چاند کا فیصلہ؟

ساڑھے چودہ سو سال پہلے جب جدید سائنس کا کوئی وجود نہیں تھا۔ عرب کے صحرا زدہ ملک میں جہاں کوئی سکول اور کالج نہیں تھا، ایک آدمی اُٹھ کے سورج اور چاند کے بارے کہتا ہے کہ یہ سب ایک حساب کے پابند ہیں۔ ”اَلشَّمۡسُ وَ الۡقَمَرُ بِحُسۡبَانٍ“ (سورۃ الرحمٰن آیت 5)

سمندروں کی گہرائیوں کے متعلق بتاتا ہے کہ ”بَیۡنَہُمَا بَرۡزَخٌ لَّا یَبۡغِیٰنِ“ ان کے درمیان برزخ (Barrier) ہے جو قابو میں رکھے ہوئے ہے“۔ (سورۃ الرحمٰن آیت 20)

جب ہر چیز کو جامد سمجھا جاتا تھا، وہ کہتا ہے کہ: ”وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجۡعِ“ یعنی کائنات کی فطرت میں گھومنا ہے: (سورۃ الطارق، آیت 11)

جب ستاروں کو اپنی جگہ لٹکے ہوئے چراغ کہا جاتا تھا، وہ کہتا ہے، ”وَكُلٌّ فِیۡ فَلَكٍ یَّسۡبَحُوۡنَ“ یعنی سب کے سب اپنے مدار پر تیر رہے ہیں۔ (سورۃ یٰسین، آیت 40)

جب سورج کو ساکن تصور کیا جاتا تھا، وہ کہتا ہے، ”وَالشَّمۡسُ تَجۡرِیۡ لِمُسۡتَقَرٍّ لَّهَا“ یعنی سورج اپنے لئے مقرر شدہ راستے پر کسی انجانی منزل کی طرف ہمیشہ سے چلا آرہا ہے۔ (سورۃ یٰسین آیت 38)

جب کائنات کو ایک جامد آسمان (چھت) کہا جاتا تھا وہ کہتا ہے کہ یہ پھیل رہی ہے ”وَاِنَّا لَمُوۡسِعُوۡنَ“ (سورۃ الذریات، آیت 47)

وہ نباتات اور حیوانی زندگی کے بارے بتاتا ہے کہ ان سب کی بنیاد پانی ہے۔

البرٹ آئن سٹائن اپنی دریافت ”قوانین قدرت اٹل ہیں“ پر جدید سائنس کا بانی کہلاتا ہے لیکن اس نے بہت پہلے بتایا ”مَا تَرٰی فِیۡ خَلۡقِ الرَّحۡمٰنِ مِنۡ تَفٰوُتٍ“ تم رحمٰن کی تخلیق میں کسی جگہ فرق نہیں پاؤ گے۔ (سورۃ الملک آیت 3)

وہ دنیا کو ایک کتاب دیتا ہے جسکا نام قرآن کریم ہے اور اس کتاب کی ترتیب ایسے معجزانہ حسابی نظام کے مطابق ہے کہ عقل ششدر رہ جاتی ہے، اسکے مضامین ایسے مدلّل اور صحیح ہیں

کہ سائنس حیران رہ جاتی ہے۔ (تفصیلات کیلئے مصنف کی کتاب ''قرآن ایک سائنسی معجزہ'' دیکھیں)۔

جدید سائنس کی ان قابلِ فخر دریافتوں پر سے ساڑھے چودہ سو سال پہلے پردہ اٹھانے والا کس یونیورسٹی سے پڑھا تھا؟ کس لیبارٹری میں کام کرتا تھا؟ کیا اس کے پیچھے کوئی خدائی عقل تھی یا یہ بھی بس ایک حادثہ؟

نومولود بچے کو کون سمجھاتا ہے کہ بھوک کے وقت رو کر ماں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرائے؟ ماں کو کون حوصلہ دیتا ہے کہ ہر خطرے کے سامنے سینہ سپر ہو کر بچے کو بچائے۔ ایک معمولی سی چڑیا شاہین سے مقابلہ پر اتر آتی ہے، یہ حوصلہ اسے کس نے دیا؟ مرغی کے بچے انڈے سے نکلتے ہی چلنے لگتے ہیں، حیوانات کے بچے بغیر سکھائے ماؤں کی طرف دودھ کیلئے لپکتے ہیں، انہیں یہ سب کچھ کون سکھاتا ہے؟ جانوروں کے دلوں میں کون محبت ڈال دیتا ہے کہ اپنی چونچوں میں خوراک لا کر اپنے بچوں کے مونہوں میں ڈالیں؟ یہ آدابِ زندگی انہوں نے کہاں سے سیکھے؟

پھر بھی کوئی خدا نہیں!

بس ارتقاء (Evolution) ہے؟

شہد کی مکھیاں دور دراز باغوں میں ایک ایک پھول سے رس چوس چوس کر انتہائی ایمانداری سے لا کر چھتے میں جمع کرتی جاتی ہیں۔ ان میں سے ہر ایک ماہر سائنسدان کی طرح جانتی ہے کہ کچھ پھول زہریلے ہیں، ان کے پاس نہیں جاتی، ایک قابل انجینئر کی طرح شہد اور موم کو علیحدہ علیحدہ کرنے کا فن بھی جانتی ہے۔ جب گرمی ہوتی ہے تو شہد کو پگھل کر بہہ جانے سے بچانے کیلئے اپنے پروں کی حرکت سے پنکھا چلا کر ٹھنڈا بھی کرتی ہے۔ موم سے ایسا گھر بناتی ہے جس کو دیکھ کر بڑے سے بڑے آرکیٹیکٹ بھی حیرت زدہ ہیں۔ لاکھوں کی تعداد میں ایسے منظم طریقے سے کام کرتی ہیں کہ مثال نہیں، ہر ایک میں ایسا راڈار نظام نصب ہے کہ وہ دور دور نکل جاتی ہیں لیکن اپنے

گھر کا راستہ نہیں بھولتیں۔ انہیں زندگی کے یہ طریقے کس نے سکھائے؟ انہیں یہ عقل کس نے دی؟ پھر بھی کہتے ہو۔

کچھ نہیں، بس ایک حادثہ؟ صرف عمل ارتقاء!

مکڑا اپنے منہ کے لعاب سے شکار پکڑنے کے لئے ایسا جال بناتا ہے کہ جدید ٹیکسٹائل انجینئر بھی اس بناوٹ کا ایسا نفیس دھاگا بنانے سے قاصر ہیں۔

گھریلو چیونٹی (Ant) گرمیوں میں جاڑے کے لئے خوراک جمع کرتی ہے، اپنے بچوں کے لئے گھر بناتی ہے، ایک ایسی تنظیم سے رہتی ہے، جہاں نظامت کے تمام اصول حیران کن حد تک کارفرما ہیں۔

ٹھنڈے پانیوں میں رہنے والی مچھلیاں اپنے انڈے اپنے وطن سے ہزاروں میل دور گرم پانیوں میں دیتی ہیں لیکن ان سے نکلنے والے بچے جوان ہو کر ماں کے وطن خود بخود ہی پہنچ جاتے ہیں۔ نباتات کی زندگی کا سائیکل بھی کم حیران کن نہیں۔ جراثیم اور بیکٹیریا کیسے کروڑوں سالوں سے اپنی بقا کو قائم رکھے ہوئے ہیں؟

زندگی کے یہ گر انہیں کس نے سکھائے؟ معاشرتی نظامت کے یہ اصول انہیں کس نے پڑھائے؟

پھر بھی کوئی خدا نہیں

کیا زمین اس قدر عقل مند ہے کہ اس نے بھی خود بخود لیل و نہار کا نظام قائم کر لیا، خود بخود ہی اپنے محور پر 1/2-67 ڈگری جھک گئی تا کہ سارا سال موسم بدلتے رہیں کبھی بہار، کبھی گرمی، کبھی سردی اور کبھی خزاں تا کہ اس پر بسنے والوں کو ہر طرح کی سبزیاں، پھل اور خوراک سارا سال ملتی رہیں؟

زمین نے اپنے اندر شمالاً جنوباً ایک طاقتور مقناطیسی نظام بھی خود بخود ہی قائم کرلیا۔ تاکہ اس کے اثر کی وجہ سے بادلوں میں بجلیاں کڑکیں جو ہوا کی نائٹروجن کو نائٹرس آکسائڈ (Nitrous Oxide) میں بدل کر بارش کے ذریعے زمین پر پودوں کیلئے قدرتی کھاد مہیا کریں، سمندروں پر چلنے والے بحری جہاز، آبدوز (Submarine) اور ہواؤں میں اڑنے والے طیارے اس مقناطیس کی مدد سے اپنا راستہ پائیں، آسمانوں سے آنے والی مہلک شعائیں اس مقناطیسی چھت سے ٹکرا کر واپس پلٹ جائیں تاکہ زمینی مخلوق ان کے مہلک اثرات سے محفوظ رہے، اور زندگی جاری رہے۔

کیا اس سب کے پیچھے کوئی ہاتھ نہیں، کوئی عقل نہیں، کوئی ڈیزائن نہیں؟
یا یہ بھی زمین کی اپنی سوچ تھی؟

مزید دیکھئے! زمین، سورج، ہواؤں، پہاڑوں اور میدانوں نے مل کر سمندروں سے سمجھوتا کرلیا کہ سورج کی گرمی سے آبی بخارات اٹھیں گے، ہوائیں اربوں ٹن پانی کو اپنے دوش پر اٹھا کر پہاڑوں اور میدانوں تک لائیں گی، ستاروں سے آنے والے ریڈیائی ذرے بادلوں میں موجود پانی کو اکٹھا کر کے قطروں کی شکل دیں گے اور پھر یہ پانی میٹھا بن کر خشک میدانوں کو سیراب کرنے کے لئے برسے گا، جب سردیوں میں پانی کی کم ضرورت ہوگی تو یہ پہاڑوں پر برف کے ذخیرے کی صورت میں جمع ہوتا جائے گا، گرمیوں میں جب زیادہ پانی کی ضرورت ہوگی تو یہ پگھل کر ندی نالوں اور دریاؤں کی صورت میں میدانوں کو سیراب کرتے ہوئے واپس سمندروں تک پہنچ جائے گا۔ ایک ایسا شاندار متوازن نظام جو سب کو سیراب کرتا ہے اور کچھ بھی ضائع نہیں ہوتا۔

کیا یہ بھی ستاروں۔ ہوا اور زمین کی اپنی باہمی سوچ تھی؟

کیا ہماری اپنی زندگی بھی ایک حادثہ ہے؟ ہمارے Pancreas (لبلبے) خون میں

شوگر کی ایک خاص مقدار کو بڑھنے نہیں دیتے، دل کا پمپ ہر منٹ ستر اسی دفعہ بغیر آرام بلا تھکان خون پمپ کرتا رہتا ہے ایک 75 سالہ زندگی میں بلا مرمت (Maintenance) تقریباً تین ارب بار دھڑکتا ہے۔ ہمارے گردے (Kidneys) صفائی کی بے مثل اور عجیب فیکٹری ہے جو جانتی ہے کہ خون میں سے جسم کیلئے جو مفید ہے وہ رکھ لینا ہے اور فضلات کو باہر پھینک دینا ہے۔ معدہ حیران کن کیمیکل کمپلیکس (Chemical Complex) ہے جو خوراک سے زندگی بخش اجزا مثلاً پروٹین، کاربوہائیڈریٹ وغیرہ کو علیحدہ کر کے خون کے حوالہ کر دیتا ہے اور فضلات کو باہر نکال دیتا ہے۔

انسانی جسم میں انجینئرنگ کے یہ شاہکار، سائنس کے یہ بے مثل نمونے،

چھوٹے سے پیٹ میں یہ لاجواب فیکٹریاں، کیا یہ سب کچھ یونہی بن گئے تھے؟

نہ کوئی ڈیزائنر (Designer)، نہ کوئی بنانے والا (Maker)، نہ کوئی چلانے

والا (Operator)، بس ایک عمل ارتقاء؟ آپ بھی یہی کہتے ہیں؟

دماغ کو کس نے بنایا؟ مضبوط ہڈیوں کے خول میں بند، پانی میں یہ تیرتا ہوا عقل کا خزانہ، معلومات کا سٹور، احکامات کا مرکز، انسان اور اس کے ماحول کے درمیان رابطہ کا ذریعہ، ایک ایسا کمپیوٹر کہ انسان اس کی بناوٹ اور ڈیزائن کو ابھی تک سمجھ نہیں پایا، لاکھ کوششوں کے باوجود انسانی ہاتھ اور ذہن کا بنایا ہوا کوئی سپر کمپیوٹر بھی اس کے عشر عشیر تک نہیں پہنچ سکا۔

ہر انسان کھربوں خلیات (Cells) کا مجموعہ ہے اتنے چھوٹے کہ خوردبین کی مدد کے بغیر نظر نہیں آتے۔ لیکن سب کے سب جانتے ہیں کہ انہیں کیا کرنا ہے۔ یوں انسان کا ہر ایک خلیہ شعور رکھتا ہے اور اپنے وجود میں مکمل شخصیت ہے۔ ان کے جینز میں ہماری پوری قسمت تحریر ہے اور زندگی اس بند پروگرام کے مطابق خود بخود کھلتی رہتی ہے۔ ہماری زندگی کا پورا ریکارڈ، ہماری شخصیت ہماری عقل و دانش، غرض ہمارا سب کچھ پہلے ہی سے ان خلیات پر لکھا جا چکا ہے۔

یہ کس کی لکھائی ہے؟

حیوانات ہوں یا نباتات، ان کے بیج کے اندر ان کا پورا نقشہ بند ہے، یہ کس کی نقشہ بندی ہے؟

خورد بین سے بھی مشکل سے نظر آنے والا سیل (Cell) ایک مضبوط توانا عقل و ہوش والا انسان بن جاتا ہے۔ یہ کس کی بناوٹ ہے؟

ہونٹ، زبان اور تالو کے اجزا کو سینکڑوں انداز میں حرکت دینا کس نے سکھایا؟

ان حرکات سے طرح طرح کی عقل مند آوازیں کون پیدا کرتا ہے؟

ان آوازوں کو معنی کون دیتا ہے؟

لاکھوں الفاظ اور ہزاروں زبانوں کا خالق کون ہے؟

کوئی بھی نہیں بس ایک حادثہ ہے!!!؟

محض عملِ ارتقاء ہے!!!؟

سائنس نے جدھر بھی دیکھا ہے، ایٹم کا جگر ہو یا کہکشاؤں کا عظیم تر نظام، ہر چیز کے اندر اپنا اپنا کلاک بند ہے۔ ستارے اسی پروگرام کے مطابق زندگی گزار رہے ہیں، چاند اسکے مطابق 271/4 دنوں کے بعد اپنے محور پر ایک چکر کاٹتا ہے، سورج ہر گیارہ سال کے بعد تاؤ میں آتا ہے، زمین ایک سال کے بعد اپنی پہلی حالت پر واپس آجاتی ہے، چوبیس گھنٹوں میں اپنے محور پر گھوم کر دن رات پیدا کرتی ہے، جانور اپنے اندرونی کلاک کے مطابق اپنی افزائش نسل کا انتظام کرتے ہیں، آدمی بھی پیدائش سے قبر تک اپنے اندر کے کلاک کی ٹک ٹک پر زندگی کے مختلف ادوار سے گزرتا ہے، ریڈیائی عناصر ایک مقرر حساب کے مطابق ہر آن شعاؤں کو چھوڑتے ہیں۔ یوں کائنات کا ہر نظام اپنے اپنے پروگرام کا پابند ہے۔ ہر ایک اپنے مقرر شدہ راستہ پر چل رہا ہے۔ ایک عظیم الشان حساب ہے جسے صدیوں سے انسان دریافت کرنے کی کوششوں میں مصروف ہے۔

کیا یہ حیرت انگیز نظام کسی سائنسدان، کسی پروگرامر کے بغیر یونہی چل رہا ہے؟

کون ہے وہ جس نے سات سو میل اوپر زمین کو اوزون گیس (Ozone Gas) کا غلاف اُوڑھا دیا تا کہ حیوانی زندگی کو سورج کی طاقتور الٹراوائلٹ شعاؤں سے محفوظ رکھا جاسکے؟

کون ہے وہ جو اس مضبوط آسمانی نظام کو کروڑوں سالوں سے قائم رکھے ہوئے ہے جس میں ذرا سی بھی دراڑ آجائے تو زندگی بھسم ہو کر رہ جائے؟------

کون ہے وہ جس نے زمین اور سورج کے درمیان انتہائی مناسب فاصلہ قائم کیا تا کہ زندگی پھلے پھولے؟ ------

کون ہے وہ جس نے زمین کے اوپر سینکڑوں میل تک ہوائی نمدہ کی تشکیل کی تا کہ زمین کی طرف روزانہ آنے والے لاکھوں شہابِ ثاقب اس تک پہنچنے سے پہلے جل کر بھسم ہو جائیں، موسم بدلتے رہیں، بارشیں ہوتی رہیں اور سورج کی گرمی زمین کو مناسب درجہ حرارت پر رکھے؟-------بولو کون ہے وہ؟---------

کون ہے وہ جس نے درختوں کو سکھا دیا کہ سورج سے روشنی، ہوا سے کاربن ڈائی آکسائڈ اور زمین سے پانی لے کر اپنے جسم بناؤ اور اس کے بدلے ہوا کو آکسیجن دو جو حیوانی زندگی کیلئے ضروری ہے؟-------

کون ہے وہ جس نے ایک ہی پانی، ایک ہی زمین، ایک ہی سورج کی توانائی سے لاکھوں مختلف قسم کی نباتاتی مخلوق کو پیدا کر دیا؟------

کون ہے وہ جس نے زمین کو انسان کے لئے ہر طرح کی معدنیات، نباتات اور حیوانات سے بھر دیا؟--------

کون ہے وہ جس نے ہر انساں کو مختلف پیدا کیا، حتیٰ کہ اربوں انسانوں میں سے کسی

دو کی انگلیوں کے نشان تک نہیں ملتے، کسی کی کسی سے شکل نہیں ملتی، ہر ایک کی اپنی خصلت اور عقل ہے لیکن اس قدر تفاوتوں کے باوجود آدمیت میں سب یکساں ہیں؟۔۔۔کون ہے وہ۔ بولو کچھ تو بولو؟

اگر یہ حادثہ ہے تو کیا آپ کے خدا کا نام حادثہ ہے؟

اگر یہ ارتقاء ہے تو کیا آپ کے اللہ تعالیٰ کا نام ارتقاء ہے؟

جان لو کوئی خدا نہیں مگر اللہ تعالیٰ ہے!۔۔۔

انسان کی بنائی ہوئی معمولی سی مصنوعات کے لئے بھی کوئی ڈیزائنر، کوئی کاریگر، کوئی موجد چاہیے۔ تو کیا یہ لامحدود وسعت اور پیچیدہ کائناتی نظام بغیر کسی ہمہ وقت، حاضر مستعد، قدیر، حکیم، بصیر، علیم ہستی کے بغیر یونہی چلتا جاتا ہے؟

کیا آپ کی عقل یہ تسلیم کرنے کے لئے تیار ہے؟

مانو یا نہ مانو

کائنات نغمہ سرا ہے، اس کا ہر ہر ایٹم پکار پکار کر یہ باور کرا رہا ہے کہ لازماً اس کا کوئی موجد ہے۔ جس نے اسے ایجاد کیا، کوئی ڈیزائنر ہے جس نے اسے ڈیزائن کیا، کوئی خالق ہے جس نے اسے پیدا کیا ہے، کوئی سائنسدان ہے جس نے اسے پروگرام کیا ہے کوئی قائم رکھنے والا ہے جو اسے قائم رکھتا ہے، کوئی فنا کرنے والا ہے جو اسے ختم کر دے گا۔ خود بخود کچھ نہیں بن سکتا۔ اس کی ہستی سے انکار ناممکن ہے۔ اسے مسبب الاسباب (Primal Cause) کہہ لو، وحدت اولیٰ (Singularity) کہو، فطرت (Nature) کہہ کر خوش ہو جاؤ، الفا (Alpha) اور اُمیگا (Omega) کا نام دے لو، گاڈ (God) کہو یا کوئی اور نام دو۔

اسی کے بارے قرآن کہتا ہے:۔

اِنَّہٗ ھُوَیُبْدِیءُ وَیُعِید(13)85

"بے شک وہی ہے جولا وجود سے وجود میں لاتا ہے اور پھر اس کا اعادہ کرتا ہے"۔

وہی رب کائنات، بے مثل ذاتِ پاک ہے جو اپنی تمام تر تخلیقات سے یکتا، ہر جگہ موجود، ہر ایک کا محافظ، ہر آن سے واقف، ہر آہٹ کا سننے والا، زمان و مکاں کا خالق، عقلِ کل، زبردست، سراسر علم و حکمت ہے۔

اپنی ذات میں بے مثل، شان میں لامنتہٰی، کمال میں لاجواب۔ ادراک سے ماورٰی، کسی کے سامنے جوابدہ نہیں۔ مالک یوم الدین۔ نہ جس کا کوئی باپ نہ بیٹا، یکتا۔

اسے مانے بغیر کوئی چارہ نہیں۔

کائنات کا ذرہ ذرہ اس کی ہستی کا گواہ ہے، پھول ہو کہ پتی، ریت کا ذرہ ہو یا پانی کا قطرہ، آسمان ہو یا زمین، سبھی اس کی تسبیح میں رطب اللسان ہیں، سبھی اس کے قوانین کے پابند ہیں۔ سب کا خالق، سب کا رب، سب کا حساب لینے والا، سب کی زندگی اور موت کا فیصلہ کرنے والا، سب کے اندر، سب کے باہر۔

ہماری عقلوں سے ماورٰی مسبب الاسباب جس نے ہر چیز کو محیط کیا ہوا ہے۔ ہر جگہ، ہر آن موجود، ہر پکارنے والے کی پکار سننے والا، ہر طاقت کا سرچشمہ۔ جو اول بھی ہے اور آخر بھی۔ جو ظاہر بھی ہے اور باطن بھی۔ وہ جس کا علم ہر چیز پر حاوی ہے۔

اس کا حکم ہر جگہ ہر وقت کارفرما ہے۔ بنانے کیلئے، پہنچنے کیلئے، کنٹرول کرنے کیلئے اسے نہ وقت چاہیے نہ جگہ۔قوانین فطرت زمان اور مکان، توانائی اور مادہ اس کی صفات کے مظہر ہیں۔ ماضی حال اور مستقبل بیک وقت جس کے سامنے یکساں ہیں۔ کائنات جس کے ''کُن'' کے ایک اشارے پر معرض وجود میں آئی اور اسی کے ترتیب دیئے ہوئے ڈیزائن کے مطابق ختم ہو جائے گی۔

وہی ہے سب کا رب۔سب کا خالق،

سبحان اللہ!اس کی رحمت کا یہ حال ہے کہ کائنات اس کی مٹھی میں بند ہے۔لیکن اپنے باغیوں کی بھی پرورش کرتا ہے، جو اسے نہیں بھی مانتا اُسے بھی سب کچھ دیتا ہے۔اپنی لاانتہا عظمت، شان وشوکت، قدرت اور طاقت کے باوجود اتنا پیار کرنے والا کہ ماں کا پیار اسکے سامنے ہیچ ہے۔

وہی ہے ہمارا مالک، ہمارا ملجا، ہمارا ماویٰ

وہ ہر نقص سے پاک، واحد یکتا، بے نیاز، اپنی حقیقت میں بے مثال، کمال میں لاجواب،

اپنی ذات میں اٹل اور مکمل(Absolute)، نہ وہ پیدا کیا گیا، نہ اس سے کوئی پیدا ہوا،

وحدہ لاشریک، زمان ومکاں سے بالاتر، اس کا کوئی ہمسر نہیں۔

الفاظ اس کی شان کو بیان نہیں کر سکتے، لیکن ذرہ ذرہ اس کی پہچان ہے۔

نور ہی نور، ظلمت کدوں کو روشن کرنے والا،

گمراہوں کو ہدایت دینے والا، کرم کا بادشاہ۔

کیسی عجیب بات ہے کہ اگر چہ ہم اس کا انکار نہیں کر سکتے لیکن دل سے مانتے بھی نہیں۔

اس کی سلطنت میں رہتے ہیں لیکن اس کے قانون کی پرواہ نہیں کرتے۔

اس کی طرف سے آئے ہیں اور اسی کی طرف لوٹنا ہے لیکن اسی کو ہی بھولے ہوئے

ہیں۔

افسوس جس سے بھاگ کر کہیں نہیں جا سکتے اسی سے چھپتے ہیں۔

اگرچہ ہماری کامیابی کا انحصار (Salvation) اس کے مقصد سے ہم آہنگی میں ہے، لیکن افسوس کہ ہم وہ مقصد نہیں جانتے۔

ہمارے اپنے ہر چھوٹے بڑے کام کے پیچھے بھی کوئی نہ کوئی مقصد ضرور ہوتا ہے، کوئی نظریہ (Idea) ہوتا ہے۔ سائنس بھی یہی کہتی ہے کہ کائنات میں ہر چیز با مقصد ہے۔ سورج اپنا کام کر رہا ہے، زمین اپنے کام میں لگی ہوئی ہے، مقصد در مقصد سب ایک دوسرے کیلئے زندہ ہیں۔ لیکن افسوس کہ ہم اپنے مقصد حیات سے بے خبر ہیں۔

10.1 مقصدِ حیات

پندرہ ارب سال کی بات ہے کہ زمین و آسمان کا آغاز ہائیڈروجن کے سادہ عنصر سے ہوا۔ اس کے بعد اربوں سالوں پر محیط عرصہ میں ایٹمی دھماکوں کے عمل سے ستاروں میں پیچیدہ سے پیچیدہ تر عناصر کی تخلیق ہوتی رہی، ایک سے دو، دو سے تین، تین سے چار اور یہ سلسلہ یونہی چلتا رہا۔ یوں ان عناصر کو جن سے ہماری زمین کو تخلیق ہونا تھا اور ہمارے اجسام کو تشکیل پانا تھا، بنانے کے لئے خالقِ کائنات ستاروں کو یکے بعد دیگرے دھماکوں سے اڑاتا رہا۔ پھر کھربوں میلوں پر بکھرے ہوئے ان اجزاء کو اکٹھا کیا اور ہماری زمین کو بنایا اور اسے سورج کے پاس نہایت قرینے سے رکھا پھر اس میں ہر قسم کے جمادات، نباتات اور حیوانات پیدا کیئے۔ ایک ایسا نظام قائم کر دیا جس میں ہر چیز انسان کی خدمت پر مامور ہے۔ اس فلسفہ حیات کے مطابق انسان کائنات کی غرض و غایت ہے۔ وہ زمین پر اللہ کا خلیفہ ہے، ڈیزائن میں قدیم ترین، ظہور میں جدید ترین اور صفات میں احسن التقویم، جسکے بارے قرآن اعلان کرتا ہے۔

''سَخَّرَلَكُمْ مَافِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيعاً''

جو کچھ آسماں میں ہے اور زمین میں ہے، وہ سب کا سب تمہارے ہی لئے بنایا گیا ہے۔
جبکہ سیکیولر سوچ یہ ہے کہ انسان کسی کائناتی حادثہ کا نتیجہ ہے بس یونہی بن گیا اور یونہی ختم ہو جائیگا۔
ایک بے مقصد بے وقعت چیز۔ انسان تو کیا ساری کائنات ہی ان کے لئے بے مقصد کھیل ہے۔

کیا آپ کی سوچ بھی یہی ہے؟

دراصل زندگی جسم کے لئے نہیں بلکہ اپنے خالق کی معرفت کے لئے ہے نہ ہی یہ زمین کے لئے ہے۔ دراصل ہمارا اصل گھر جنت ہے وہاں سے نکلنے کے بعد اب وہاں وہی جائے گا جو زمین سے دل لگانے کی بجائے آخرت کی فکر کرے گا، اور اپنے آپ کو اپنے رب کی صفات سے مزین کریگا۔

خالق کی صفات کو کیسے اپنایا جائے؟ خالق کے سامنے کیسے جھکا جائے؟ روح اس کی طرف کیسے ترقی کرے؟ کھوئی ہوئی جنت کو ہم کیسے پائیں؟ ان مقاصد کو حاصل کرنے میں کوئی ایسا دور نہیں آیا جب اللہ تعالیٰ نے انسان کی رہنمائی نہ کی ہو۔ تاریخ گواہ ہے کہ وہ ذات پاک ہماری فلاح کے لئے مسلسل اپنے خاص بندے بھیجتا رہا ہے جنہیں ہم اس کے نبی یا رسول کہتے ہیں۔
جب انسانی تہذیب رب العالمین کے پیغام کو ہمیشہ کے لئے محفوظ کرنے کے قابل ہوگئی تو اس نے سرورِ کائنات خاتم النبیّین محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو بھیج دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نہ کہا کہ صرف مجھے ہی مانو بلکہ ہر دور میں آنے والے انبیاء اور رسولوں کی تصدیق کی اور لوگوں کو اسلام پر بلایا، جو آپ سے پہلے بھی سب انبیاء کا دین تھا۔ پھر فرمایا: ”دین میں جبر نہیں۔ تمہارے لئے تمہارا دین، میرے لئے میرا دین“۔

اس دین کا نام اسلام ہے۔ جسکا مادہ (Root) سلم ہے جسکا مطلب امن ہے، اپنے آپ سے امن، اپنے رب سے امن، اپنے ہمسائے سے امن، اس دنیا میں امن، اور آخرت کا امن غرض ہر طرح کا امن طرہ اسلام ہے۔ اس پر ایمان لانا، تمام انبیاء پر ایمان لانے کے مترادف ہے۔

10.2 مومن کی خصوصیت

مومن ہر طرف سے مطمئن بندہ، زمین پر اپنے خالق کا نمائندہ ہے اور اپنے مقام کے مطابق پر اللہ تعالیٰ کے اخلاق اور صفات کا مظہر ہے۔ وہ دوسروں کو دیتا ہے اور خود اللہ تعالیٰ سے مانگتا ہے۔

اس کی زندگی کا حاصل "لبیك" میں ہے۔

یعنی ہر دم اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضری کا تصور اس کی روح کی خوراک ہے

لبیك۔ اللهم لبیك۔ لبیك۔ لا شریك لك لبیك۔ ان الحمد و النعمة لك و الملك۔ لا شریك لك۔ لبیك اللهم لبیك۔ لبیك ۔۔۔۔

حاضر ہوں۔ میرے مولا میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں۔ بے شک ہر طرح کی ستائش اور حکومت تیرے ہی لئے ہے۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔ مولا میں حاضر ہوں۔ میں حاضر ہوں۔ میں حاضر ہوں۔۔۔۔۔۔۔۔

اس کے بارے سلطان بابا بلھے شاہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کیا خوب کہا ہے "ہتھ کار وچ دل یار وچ"۔

ایسے مومن کا ذکر اللہ تعالیٰ کی یاد ہے، اس کی فکر مالک کی ملاقات ہے اور اس کی جدوجہد کائنات کی تسخیر ہے وہ اپنے اخلاق میں اپنے رب کی صفات کا مرقع (Embodiment) ہوتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

تَخَلَّقُوْ بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ "اللہ تعالیٰ کے اخلاق کو اپناؤ"۔

اس لئے مومن اللہ والا ہی نہیں اللہ تعالیٰ کی صفات کو اپنانے کی کوشش کرتا ہے کہ مجھ میں جس قدر اللہ تعالیٰ کی صفات ہونگی اسی قدر اپنے رب کے قریب ہونگا۔اس کی خلافت کا حق بھی اسی کو ہے جو اس کے اخلاق کا مرقع ہو۔اس لئے:۔

- ☆ اللہ تعالیٰ مہربان ہے تم بھی زیادہ سے زیادہ مہربانی کرنے والے بنو۔
- ☆ اللہ تعالیٰ سرچشمہ ہدایت ہے، اس لئے تم بھی ہدایت پھیلانے والے بنو۔
- ☆ اللہ تعالیٰ خالق ہے تم بھی تخلیق کے عمل کو جاری رکھو۔
- ☆ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا موجد ہے تم بھی ایجادات کرنے والے بنو۔
- ☆ اللہ تعالیٰ دینے والا ہے تم بھی دینے والے بنو۔
- ☆ اللہ تعالیٰ طاقت والا ہے تم بھی کمزوری نہ دکھاؤ۔
- ☆ اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا ہے تم بھی معاف کرنے والے بنو۔
- ☆ اللہ تعالیٰ عزیز ہے تم بھی عزت دار بنو۔
- ☆ اللہ تعالیٰ علیم ہے تم بھی زیادہ سے زیادہ علم حاصل کرو۔
- ☆ اللہ تعالیٰ حکیم ہے تم بھی حکمت کو اپناؤ۔
- ☆ اللہ تعالیٰ سمیع وبصیر ہے تم بھی کانوں اور آنکھوں کو کھلا رکھو۔
- ☆ اللہ تعالیٰ کریم ہے تم بھی کرم کرتے رہو۔
- ☆ اسے صفائی پسند ہے تم بھی صاف ستھرے رہو۔
- ☆ اسے فساد ناپسند ہے تم بھی فساد سے بچو اور امن قائم کرو۔
- ☆ اللہ تعالیٰ جھوٹ نہیں بولتا۔تم بھی جھوٹ سے پرہیز کرو۔

10.3 مومن کی شان

غرض مومن کی شان یہ ہے کہ وہ اللہ والا ہی نہیں بلکہ اپنے بندہ ہونے کی حیثیت میں

اللہ جیسا بھی ہے۔اسکی خصوصیات ذکر (تخلیقات پر سائنسی سوچ) ایمان، عبدیت، اور تسخیر ہیں۔
مندرجہ ذیل ڈایاگرام اسکی تصویر ہے:۔
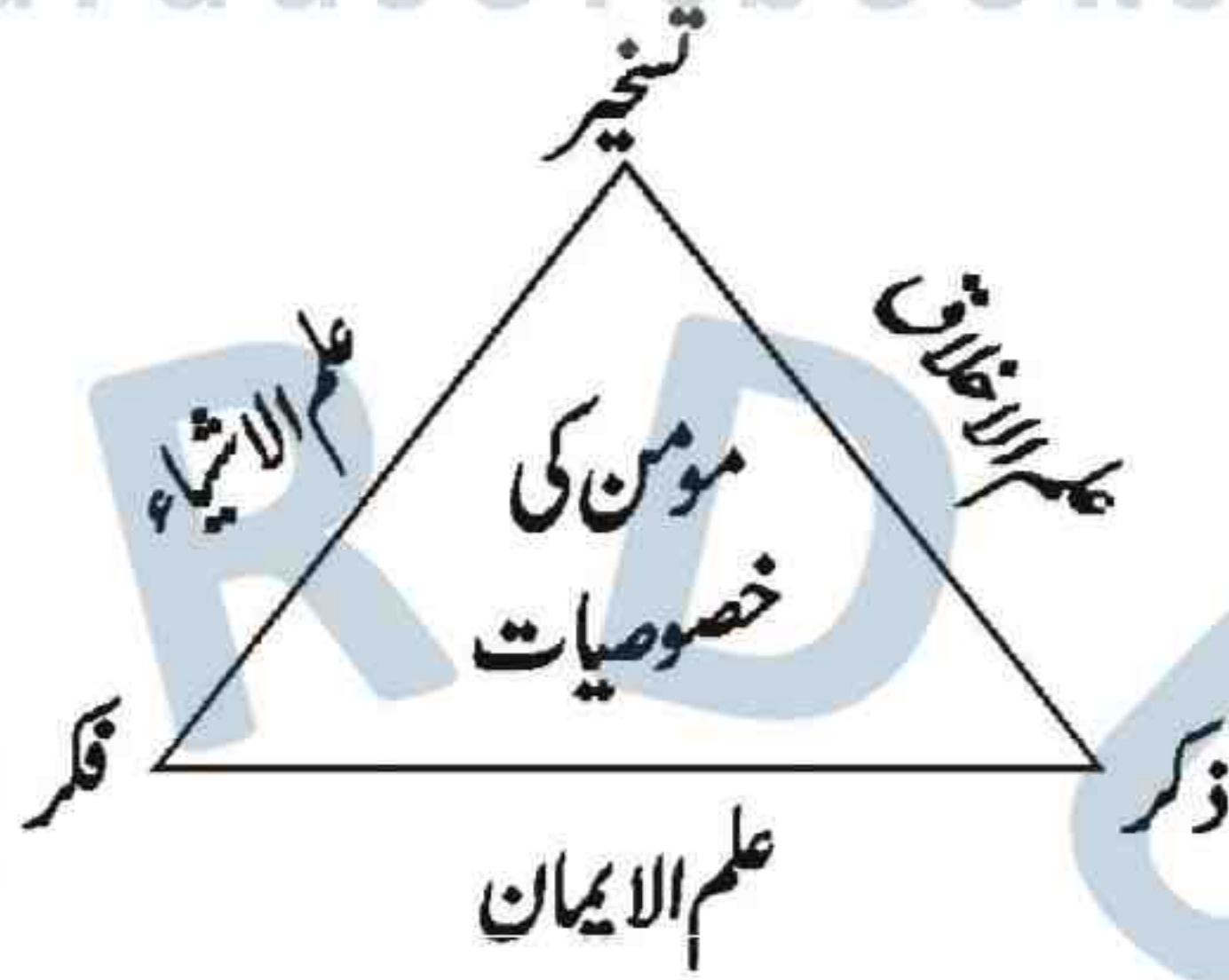
یادرکھیں

اللہ تعالیٰ کے رنگ میں رنگا جانا، مومن کا ذکر ہے

تخلیق سے خالق تک پہنچنا، اس کی فکر ہے

کائنات کی فتح، اس کا مطمح نظر ہے

علم الایمان، علم الاخلاق اور علم الاشیاء میں کمال اس کا اطمینان ہے

کلمہ طیبہ اس کا امتیاز (Code word) ہے

لا الہ کے اعلان سے وہ ہر قسم کی غلامی سے آزادی حاصل کرتا ہے

الا اللہ پر ایمان سے وہ اللہ تعالیٰ کی غلامی میں آجاتا ہے

محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی پہچان سے وہ رہبر کو پالیتا ہے

رسول اللہ کو مان کر وہ راہِ ہدایت پر چل پڑتا ہے

تسلیم ورضا کے اس احساس کے ساتھ جب کوئی بندہ کلمہ طیبہ پڑھتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ

کے دربار میں حاضری نصیب ہو جاتی ہے۔

اس لئے بار بار کہو، ہزار بار کہو:۔

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

جب کوئی بندہ اس کلمے کا مصداق بن جاتا ہے تو وہ فلاح پا جاتا ہے۔

یَا اَیُّھَاالنَّاسُ قُوْلُوْ اَلا اِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ تُفْلِحُوْا O

''اے نوع انسانی کہو کوئی خدا نہیں مگر اللہ۔فلاح پا جاؤ گے''

فلاح کا روڈ میپ قرآن مجید ہے۔ یہ وہ کتاب ہے، جس میں کوئی شک نہیں، ہدایت ہے متقین کے لئے۔

---------------------☆--------------------

باب نمبر 11

قرآن مجید

تلاشِ حقیقت کے سفر میں اسلام کا روڈ میپ(Road Map)

آپ نے پچھلے صفحات میں دیکھ لیا کہ حقیقت، طبیعیات اور مابعدالطبیعیات میں پوشیدہ ہے۔اس کی مثال سمندر میں تیرتے ہوئے آئس برگ (Ice Berg) کی ہے،نو حصے پانی کے اندر اور ایک حصہ باہر ہے۔اس لئے عقل اور ادراک دونوں ہی حقیقت کو کلی طور پر سمجھنے میں ناکام ہیں۔اس کے لئے تیسرا علم چاہیے جس کا نام وحی الٰہی (Revelation from Allah) ہے۔اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیا میں جتنے بھی رسول مبعوث ہوئے وہ وحی الٰہی سے بولتے تھے۔اس سلسلہ میں قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی آخری وحی ہے جو تمام انبیاء کی تعلیمات کا نچوڑ ہے اور طبیعیات اور مابعدالطبیعیات کا حسین امتزاج ہے۔یوں قرآن کریم تلاشِ حقیقت کے سفر کا روڈ میپ(Road Map) ہے۔اگر آپ حقیقت کے متلاشی ہیں تو یہ بجز قرآن ناممکن ہوگا۔قرآن حق ہے اور چونکہ سائنس بھی حق کی تلاش میں سرگرداں ہے اس لئے بالآخر سائنس خود بخود قرآن کریم تک پہنچ رہی ہے۔

آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس دعویٰ کی دلیل کیا ہے؟اس کے لئے مندرجہ ذیل میں ہم جدید سائنس کی کچھ اہم ترین دریافتوں کے حوالہ سے دیکھیں گے کہ آج سے تقریباً 1450 سال پہلے قرآن کریم اصولی طور پر ان کا اعلان کر چکا تھا۔جو اس بات کا ثبوت ہے کہ قرآن کریم کسی انسان کی تخلیق نہیں بلکہ یہ رب العالمین کی وحی ہے جو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے دنیا کو دی گئی تھی۔اگر طبیعیات کے بارے میں اسکی باتیں صحیح ہیں تو پھر مابعدالطبیعیات کی باتوں پر کیسے شک کیا جاسکتا ہے؟مندرجہ ذیل موازنہ کسی بھی سلیم الطبع انسان کی ہدایت کے لئے کافی ہونا

چاہیے۔ بے شک جو سائنس کی انتہا ہے وہ قرآن کریم کی ابتدا ہے۔

اگر تم سائنس کو مانتے ہو تو

قرآن حکیم کا انکار کیونکر کرو گے؟

o سائنس ہمیشہ سے یہ کہتی آئی ہے کہ کائنات ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ لیکن 1950 کی دہائی میں ہونے والی دریافتوں نے اس نظریہ کو بدل ڈالا اور اب سائنس اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ کائنات ہمیشہ سے نہیں بلکہ کوئی پندرہ ارب سال پہلے اچانک بگ بینگ سے اس کا آغاز ہوا تھا۔ قرآن کریم کی یہ بات سائنسدانوں کیلئے حیران کن ہونی چاہیے کہ 1450 سال پہلے اس میں اعلانیہ بتایا گیا کہ کائنات ایک تخلیق ہے جسکا کوئی خالق ہے۔

کوانٹم مکینکس (Quantum Mechanics) سائنس بتاتی ہے کہ ہر نئی تخلیق اچانک جست (Quantum Jump) سے ہوتی ہے۔ یہ بات بھی قرآن کریم ہی میں سب سے پہلے بتائی گئی کہ ہر نئی تخلیق دراصل اللہ کے امرکن کا جواب ہے،

" اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ "(82)36

بے شک جب اللہ تعالیٰ کسی چیز کا ادارہ کر لیتا ہے تو اس کا امر (حکم) صرف یہ ہے کہ ہو جا "کن"، تو وہ ہو جاتی ہے "فیکون"۔ یعنی ابتداء میں تمام تخلیقی امور اچانک معرض وجود میں آتے ہیں جبکہ بعد کی ترقی کا دور آہستہ آہستہ ارتقائی ہو سکتا ہے۔

o 1924 سے پہلے سائنس یہ سمجھتی تھی کہ کائنات ایک جامد شے ہے جو ہمیشہ سے ایسے ہی چلی آ رہی ہے۔ اس میں کوئی تبدیلی ممکن نہیں 1920 کی دہائی میں امریکن سائنسدان ہبل (Hubble) نے ستاروں کے مشاہدے سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ وہ مسلسل آگے بڑھ رہے ہیں۔ جس قدر وہ دور ہے اسی قدر آگے بڑھنے کی رفتار بھی زیادہ ہے۔

سائنسدانوں نے ہبل کی اس دریافت سے یہ نتیجہ نکالا کہ اگر ستارے آج آگے بڑھ رہے ہیں تو کل وہ پیچھے تھے یعنی ماضی بعید میں ستارے ہمارے قریب تر ہونگے۔ جب دیکھا گیا تو کائنات کی ہر سمت میں ستاروں کے آگے بڑھنے کا عمل جاری ہے تو یہ نتیجہ نکالا گیا کہ کائنات پھیل رہی ہے۔ کائنات کے بارے میں یہ انسان کی بہت بڑی دریافت تھی جس پر کئی سائنسدانوں کو نوبل پرائز ملے ہیں۔ حیران کن بات یہ ہے کہ جدید سائنس کی ان دریافتوں سے بہت پہلے قرآن کریم نے صاف طور پر واضح کر دیا تھا کہ ''اللہ تعالیٰ نے کائنات کو اپنے ہاتھ (کے بل) سے بنایا اور یہ پھیل رہی ہے''

''وَالسَّمَآءَ بَنَيۡنٰهَا بِاَيۡٮدٍ وَّاِنَّا لَمُوۡسِعُوۡنَ''(سورۃ الذاریات، آیت 47)

ہم نے آسمان کو اپنے ہاتھ (کے بل) سے بنایا اور ہم یقیناً اس کو پھیلا رہے ہیں۔

آیت مبارکہ میں نہ صرف یہ بتایا گیا ہے کہ کائنات پھیل رہی ہے بلکہ یہ بھی ہے کہ کیوں پھیل رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ کے استعارہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بگ بینگ ایسے تھا جیسے لٹو کو گھما دیا جاتا ہے اور اس گھماؤ میں پھیلاؤ بھی ہے اور گھومنے کی حرکت بھی۔ چنانچہ آج سائنس یہ دیکھ رہی ہے کہ ایٹم سے لے کر گیلیکسیز تک ہر چیز اپنے اپنے مدار پر گھوم بھی رہی ہے۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ سائنس کی اتنی بڑی بات کو قرآن کریم نے تھوڑے سے الفاظ میں کس حیرت انگیز طریقہ سے واضح کر دیا۔ ماسوائے **سبحان اللہ** اور کیا کہہ سکتے ہیں۔

o یہ کہ کائنات مسلسل پھیل رہی ہے اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا مشکل نہیں ہونا چاہیے کہ اپنی ابتداء میں یہ ایک بے جسم طاقت کا گولہ ہوگی جو بگ بینگ سے پھٹ گیا۔ اس لمحہ اس میں دباؤ کی قوت اور درجہ حرارت لاانتہا تھا۔ سائنس بتاتی ہے کہ اپنی تخلیق کے کافی عرصہ بعد تک بھی دباؤ اور درجہ حرارت کروڑوں ڈگری تھا۔ اس دور میں کائنات محض توانائی اور ابتدائی مادہ (Fundamental Particles) پر مشتمل تھا۔ جسے

سائنس پرائیمارڈیل گیسز کا نام دیتی ہے۔قرآن کریم اس دور کے متعلق فرماتا ہے کہ ثُمَّ اسْتَوٰیٓ اِلَی السَّمَآءِ وَھِیَ دُخَانٌ ''پھر وہ آسمانوں کی طرف متوجہ ہوا اور وہ ابھی تک دخان یعنی مانند دھواں تھا'' 41(11)۔سبحان اللہ ابتدائے کائنات کی کیسی مثال ہے۔سائنس بتاتی ہے کہ اس دور میں دباؤ اور درجہ حرارت کی وجہ سے کائنات میں شدید ہلچل تھی کوئی توازن نہیں تھا۔توازن قائم کرنے کے لئے ایک خاص حجم (Critical Volume) ضروری تھا۔جوں جوں کائنات پھیلتی گئی اس کا درجہ حرارت اور دباؤ کم ہوتا گیا اور کائناتی مواد میں توازن آنے لگا۔سائنس کی یہ دریافت واقعی ایک کمال ہے جس پر جتنا فخر کیا جائے کم ہے لیکن حیرانی کی بات یہ ہے کہ جدید سائنس سے بہت پہلے قرآن نے کائنات میں توازن اور اس کے پھیلاؤ میں تعلق کو واضح کردیا تھا۔فرمایا:''وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ''55(7)۔''اور ہم نے آسمانوں کو رفعت بخشی اور توازن قائم کیا''۔یعنی کائنات میں توازن کے لئے پھیلاؤ ضروری ہے۔

o کائنات کے آغاز کے متعلق جدید سائنس کی یہ بھی قابل فخر دریافت ہے کہ شروع میں ساری کائنات،ستارے،سیارے ہر چیز ایک جگہ اکٹھی مرکب تھی۔کوئی علیحدہ وجود نہیں تھا۔توانائی اور مادہ کے اس مکسچر کا نام بنیادہ مادہ (Primordial Matter) رکھا گیا ہے۔قرآن کریم نے سائنس کی اس عظیم دریافت سے صدیوں پہلے ہی بتادیا تھا کہ کبھی زمین و آسمان سب ہی ایک جگہ اکٹھے تھے۔فرمایا: ''اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا''یعنی ان لوگوں نے جو (قرآن) کا انکار کرتے ہیں کیا یہ دیکھ نہیں لیا کہ سب آسمان اور زمین کبھی ایک مرکب (رتق) تھے اور پھر ہم نے انہیں علیحدہ علیحدہ کردیا۔(سورۃ الانبیآء آیت ۳۰)۔ رتق ایک ایسا مکسچر ہے جس میں اجزاء کی اپنی حیثیت واضح نہ ہو۔سبحان اللہ ابتدائے

کائنات کی اس سے بہتر تشبیہ کیا ہوسکتی ہے ذرا آیت مبارکہ کے اندازِ خطاب پر بھی غور کرلیں، فرمایا **اَوَلَمۡ یَرَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا** کیا قرآن کا انکار کرنے والوں نے یہ نہیں دیکھا۔۔۔۔۔ یوں یہ آیت مبارک ایک پیشن گوئی بھی تھی۔ یعنی کائنات کے متعلق یہ سائنسی دریافت ہوگی اور یہ سب سے پہلے غیر مسلم کریں گے اور معاملہ بھی ایسا ہی ہوا ہے۔

o سورۃ الانبیاء کی اس آیت مبارکہ کے اگلے حصہ میں ایک اور بہت بڑی سائنسی دریافت کا انکشاف کیا گیا ہے۔ بیالوجسٹ انیسویں صدی کے آخر میں اس نتیجہ پر پہنچے کہ ہر زندہ چیز، حیوانات و نباتات کا آغاز پانی سے ہوا۔ لیکن ان سے ساڑھے چودہ صدیاں پہلے قرآن پاک بتا چکا تھا۔ "**وَجَعَلۡنَا مِنَ الۡمَآءِ کُلَّ شَیۡءٍ حَیٍّ ؕ اَفَلَا یُؤۡمِنُوۡنَ**" یعنی ہم نے ہر ایک چیز کو جو زندہ ہے پانی سے بنایا، کیا تم پھر بھی ایمان نہیں لاؤ گے۔ (سورۃ الانبیاء آیت 30) آیت مبارک کا آخری حصہ **اَفَلَا یُؤۡمِنُوۡنَ** انسان کی ضمیر کو چیلنج ہے کہ وہ اگر سائنس پر ایمان لاتا ہے تو قرآن پر کیوں نہیں لاتا جس نے سائنس سے بہت پہلے اس کی دریافتوں کو آشکارا کردیا تھا۔

o قرآن کریم کی اس بات کو تسلیم کرنے کے بعد کہ کائنات ایک تخلیق ہے سائنس اب اس کی قیامت والی بات پر بھی یقین لانے لگی ہے کہ یہ ہمیشہ کے لئے نہیں ہے بلکہ ایک وقت آنے والا ہے جب کائنات ختم ہوجائیگی۔ نہ صرف یہ بلکہ سائنس قرآن کریم میں بتائے گئے قیامت کے مختلف واقعات اور مناظر کی بھی تصدیق کرنے لگی ہے، جنکی تفصیلات اس میں بار بار بتائی گئی ہیں۔ مثلاً سائنس اس نتیجہ پر اب پہنچی ہے کہ سورج کا ایندھن کبھی ختم ہوجائے گا اور وہ سکڑ جائے گا۔ جبکہ قرآن کریم پہلے ہی فیصلہ دے چکا تھا کہ، "وہ دن آنے والا ہے جب سورج لپیٹ لیا جائے گا اور دیگر ستارے بھی اپنی روشنی کھودیں گے۔ فرمایا: **اِذَا الشَّمۡسُ کُوِّرَتۡ o وَاِذَا النُّجُوۡمُ**

اِنْکَدَرَتْ o (سورۃ التکویر، آیات، 2-1)

o کائنات اپنی جگہ بجا لیکن سائنس اس مسئلہ پر سرگرداں ہے کہ کیا ہماری طرح کی زندگی اس میں کسی اور جگہ بھی ہے؟ قرائن یہ بتاتے ہیں کہ ایسا ہونا چاہیے لیکن ستاروں کے درمیان فاصلے اتنے زیادہ ہیں کہ یہ بعید القیاس ہے کہ دور کی ان مخلوقات سے کبھی رابطہ قائم ہو سکے۔ بہر حال قرآن کریم کی ابتداء ہی اس بات سے ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ بے شمار دنیاؤں کا رب ہے فرمایا **اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ** o ''تعریف اس اللہ تعالیٰ کی جو سب جہانوں کی پرورش کرنے والا ہے''۔ عالمین جمع ہے عالم کی جس کا مطلب ہے کہ یہی ایک جہان نہیں بلکہ بے شمار جہان ہیں جو ''ہر دم اپنی بقا کے لئے اسی کے سوالی ہیں'' فرمایا: **یَسْـَٔلُهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِیْ شَاْنٍ** o (سورۃ الرحمٰن، آیت 39) کہ جو کہیں بھی آسمانوں میں اور زمین پر ہے اپنی ضروریات کے لئے اسی سے سوال کرتا ہے اور کائنات کا نظام انتہائی مستعد (Extremely Dynamic) ہے اس میں ہرگز ہرگز جمود نہیں بلکہ ہر آنے والا وقت ایک نئی شان والا ہے جسے اللہ تعالیٰ چلا رہا ہے۔ قرآن کریم کی رو سے یہ امید بھی کی جا سکتی ہے کہ وہ وقت دور نہیں جب زمینی انسان کی دوسری دنیاؤں کی مخلوق سے ملاقات ہو گی۔

o سائنس کی انتہائی کامیابیوں میں خلائی سفر کی استطاعت حاصل کرنا ہے۔ قرآن نے ساڑھے چودہ سو سال پہلے خوشخبری دی، ''ہاں تم زمین و آسماں کے کناروں (Horizons) سے نکل سکتے ہو بشرطیکہ تم اس طاقت کا انتظام کر لو جو اس کام کے لئے چاہیئے۔ فرمایا: **یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ط لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا**

بِسُلْطٰنٍ O (سورۃ الرحمٰن، آیت،33) انسان اب ایسے طاقتور راکٹ تو ایجاد کر چکا ہے جن پر بیٹھ کر وہ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ سے نکل چکا ہے لیکن سورۃ الرحمٰن کی اس سے اگلی آیت میں جس خطرے سے اسے خبردار کیا گیا ہے وہ مسلسل اپنی جگہ پر رہے گا۔ فرمایا: يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ لا وَّنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ O (سورۃ الرحمٰن آیت35) یعنی جب تم اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ سے آگے جاؤ گے تو تم پر گرم گیسوں کی آگ حملہ آور ہوگی۔ یہ آگ کون سی ہے؟ سائنس نے اب جا کر معلوم کیا ہے کہ بیرونی فضاؤں میں ہمارے سورج جیسے اربوں ستارے ہر آن لاانتہا ریڈیشن (Radiation) کی بمبارڈمنٹ (Bombardment) اور انتہائی گرم گیسوں کی لہریں (Hot Solar Flares) پھینکتے رہتے ہیں جن سے بچ کر نکل جانا بڑی مشکل بات ہے۔ ہمارے اپنے سورج کے مدار میں بھی شمسی پھواریں (Solar Flares) اکثر حملہ آور ہوتی رہتی ہیں، جن سے مواصلاتی سیاروں کو نقصان پہنچنے کا ہر وقت احتمال ہے۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ قرآن کریم میں 1400 سال پہلے یہ باتیں کس نے بتائیں؟

o آئن سٹائن جدید سائنس کا باوائے آدم سمجھا جاتا ہے۔ 1904ء میں اس نے یہ معرکہ آراء بات دریافت کی کہ زمان و مکاں میں ہر جگہ ہر وقت ایک ہی قانونِ فطرت ہیں، ہماری زمین ہو یا کائنات کا دوسرا سرا سائنسی قوانین میں فرق نہیں۔ اگر زمین پر روشنی کی رفتار تین لاکھ کلومیٹر فی سیکنڈ ہے تو کسی بھی اور جگہ یہی رفتار ہوگی۔ یعنی قانونِ خداوندی میں کوئی تبدیلی نہیں۔ آئن سٹائن کو اس دریافت پر جتنی بھی مبارک دی جائے کم ہے لیکن اس قرآن کے بارے میں کیا کہو گے جس نے ساڑھے چودہ سو سال پہلے بتا دیا کہ رب العالمین کے اصول اٹل ہیں لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ (سورۃ یونس، آیت،64) ''اللہ تعالیٰ کی بات میں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔''

آئن سٹائن کی نسبتی تھیوری (Theory of Relativity) سے یہ نتیجہ بھی اخذ کیا جاتا ہے کہ کائنات میں ہر چیز کسی قانون کے مطابق چل رہی ہے اور ہر چیز ایک مقررہ پروگرام کے مطابق ہوتی ہے۔سائنس کے اس بنیادی اصول کو قرآن کریم نے صدیوں پہلے ان الفاظ میں بیان فرما دیا: ''مَاخَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ اَجَلٍ مُّسَمًّى ط'' ہم نے آسمانوں اور زمین میں اور ان کے درمیان نہیں پیدا کیا کسی چیز کو مگر اصول حق کے ساتھ اور ایک مقرر وقت کے لئے۔(سورۃ الاحقاف، آیت 3)

کائنات کے متعلق سائنسی قوانین کی آئن سٹائن کی ان عظیم دریافتوں کے نتیجہ میں مشہور سویڈش سائنسدان نیل بوہر نے 1930ء میں کوانٹم مکینک (Quantum Mechanics) کی بنیاد اس بات پر رکھی کہ روشنی کے فوٹون چھلانگوں میں سفر کرتے ہیں، نئی چیزوں کا ظہور ارتقائی نہیں بلکہ اچانک وقوع پذیر ہوتا ہے، ایک حالت سے دوسری حالت میں تغیر بھی اچانک چھلانگ یعنی (Quantum Jump) سے ہوتا ہے۔ڈاکٹر نیل بوہر کی اس دریافت سے قرآن حکیم نے صدیوں پہلے بتا دیا تھا کہ ہر تخلیقی امر ارتقائی نہیں بلکہ ''کن'' سے شروع ہوتا ہے۔''وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ''(سورہ القمر، آیت 50) یعنی ہمارا حکم امر واحدہ ہوتا ہے جیسے آنکھ کا جھپکنا۔(50)54 اور مزید واضح کر دیا۔''بے شک اللہ تعالیٰ جب کوئی بھی کام کرنا چاہتا ہے تو کہتا ہے ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے۔'' (82)36 کائنات کی ایک اور خاص بات یہ ہے کہ اس کا دارومدار چند ایک مخصوص نمبروں پر ہے جنہیں سائنس میں فطری عدد (Constants of Nature) کا نام دیا گیا ہے کہیں بھی ہوں کیسے بھی حالات ہوں یہ فطری عدد ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مقرر شدہ ہیں۔اگر ان میں ذرہ بھر بھی تفاوت آجائے تو کائنات کا سارا کا سارا نظام بکھر جائے۔اس بارے قرآن کریم فرماتا

ہے وَكُلُّ اَمۡرٍ مُّسۡتَقِرٌّ ”ہر ایک امر مقرر شدہ ہے“ (سورۃ القمر، آیت، 3) سورۃ الملک کی آیت مبارک 3 اور 4 میں تمام انسانوں بشمول سائنسدانوں کو چیلنج کیا گیا ہے۔ مَاتَرٰی فِیۡ خَلۡقِ الرَّحۡمٰنِ مِنۡ تَفٰوُتٍ ؕ فَارۡجِعِ الۡبَصَرَ ۙ هَلۡ تَرٰی مِنۡ فُطُوۡرٍ ○ ثُمَّ ارۡجِعِ الۡبَصَرَ كَرَّتَيۡنِ يَنۡقَلِبۡ اِلَيۡكَ الۡبَصَرُ خَاسِئًا وَّ هُوَ حَسِيۡرٌ ○ ”کیا تو رحمٰن کی تخلیق میں کوئی کمی دیکھتا ہے؟ نگاہ اٹھا کر دیکھ، کیا تجھے کوئی نقص نظر آیا؟ ○ بار بار نگاہ پلٹا، بلاشبہ تیری نظر پلٹ آئے گئی تیری طرف حیرت زدہ اور عاجز ہو کر (تجھے کوئی کمی نظر نہیں آئیگی) ○“ پھر بھی وہ قرآن کو نہیں مانتے؟

ڈاکٹر آئن سٹائن نے سب سے پہلے وقت کی نسبت (Relativity of Time) کا نظریہ بھی پیش کیا۔ لیکن قرآن پاک ان سے بہت پہلے ہی بتا چکا تھا کہ وقت کا انحصار شاہد (Observer) پر ہے، کسی کا دن ہمارے ہزار برس کے مطابق ہے اور کسی کا پچاس ہزار برس ہمارے ایک دن کے برابر اور کسی پر دن ہمیشگی کا بھی ہو سکتا ہے۔ (حوالہ آیت 47 سورہ الحج، سورۃ العنکبوت آیت 14، سورہ السجدہ آیت 5)

o جیسے پہلے کہا جا چکا ہے کہ سائنس اب قرآن کریم کی اس بات کو بھی تسلیم کرتی ہے کہ کائنات کا انجام اس کی فنا ہے جس کے نتیجہ میں ایک نئی کائنات پیدا کی جائیگی۔ یہ کیسے ہوگا؟ اس بارے سائنس اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ مستقبل میں کائنات کے پھیلاؤ کا عمل رک جائیگا جس کے بعد یہ سکڑنے لگے گی اور پھر ایک دھماکہ سے دوبارہ پیدا ہوگی۔ اس دھماکہ کا نام بگ امپلوژن (Big Implosion) رکھا گیا ہے۔ سائنسدانوں کے لئے یہ بات حیران کن ہوگی کہ قرآن کریم نے ان سے صدیوں پہلے اعلان کر دیا تھا يَوۡمَ نَطۡوِی السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلۡكُتُبِ ؕ كَمَا بَدَاۡنَاۤ اَوَّلَ خَلۡقٍ

نُّعِيْدُهٗ ؕ وَعْدًا عَلَيْنَا ؕ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ۝ ''ہم یقیناً کائنات کو لپیٹنے والے ہیں۔ جیسے ایک طومار (Scroll) کو لپیٹا جاتا ہے، ایسے ہی ہم نے پہلے تخلیق کی اور اب پھر سے ہم کرنے والے ہیں۔ یہ لازمی وعدہ ہے ہمارا جو ہو کر رہے گا۔ (سورۃ الانبیاء، آیت، 104) سبحان اللہ،

جہاں تک یہ سوال کہ پھیلتی ہوئی کائنات کیسے رکے گی سائنسدان اس بارے کائنات میں غیبی مادے (Hidden Matter) کا نظریہ پیش کرتے ہیں۔ اپنی کشش ثقل کی بناء پر غیبی مادہ پھیلاؤ کی قوت کے خلاف کام کرتا ہے۔ جب کبھی مخالف قوت بڑھ جائیگی تو پھیلاؤ رک جائیگا، جو اس کی قیامت کا باعث ہوگا۔ سائنسدانوں کے لئے یہ بات اچنبھا ہوگی کہ قیامت کے حوالہ سے قرآن کریم بھی غیبی مادے کی بات کرتا ہے فرمایا: وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَاۤ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ۝ (سورۃ النحل، آیت 77) ''اللہ تعالیٰ ہی کے لئے آسمانوں اور زمین کا غیب ہے اور قیامت کا وقت ایسا ہے جیسے ایک پلک جھپکنا یا اس سے بھی کم، بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے (سورۃ النحل، آیت 77) ایک ہی آیت میں غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْض اور قیامت کا ذکر یہ واضح کرتا ہے کہ قیامت کی وجہ مادہ غیب ہوگی''۔

o بیسویں صدی سائنس کی ایک اور شاندار دریافت یہ ہے کہ کائنات میں ہر چیز گھوم رہی ہے۔ کہکشائیں اور کائناتی دنیائیں اپنے اپنے مدار پر چکر کاٹ رہی ہیں ایٹم کے مرکز (Nucleous) کے ارد گرد الیکٹران گھوم رہے ہیں۔ اس عظیم سائنسی دریافت کے متعلق بھی قرآن کریم نے بہت پہلے بتا دیا تھا کہ آسمانوں کی تو فطرت ہی میں گھومنا ہے۔ فرمایا: ''والسماء ذات الرجع '' (سورۃ الطارق، آیت 11) یعنی کائنات (کی ہر چیز) کی فطرت میں گھومنا ہے۔ یعنی یہ قانون خداوندی ہے کہ ایٹم ہو یا اس

سے چھوٹے ذرات، کہکشائیں ہوں یا ٹوٹل کائنات اپنے اپنے مدار پر گھومنا ان کی بناوٹ میں شامل ہے۔سبحان اللہ قرآن کریم نے اتنی بڑی بات کو کس خوبی سے چند الفاظ میں بیان فرمادیا۔

o مشہور برٹش سائنسدان ڈیراق (Deraq) نے 1933ء میں یہ بہت بڑی دریافت کی کہ کائنات میں مادہ منفی اور مثبت (Particle and antiparticles) جوڑوں پر مشتمل ہے جو آغاز کائنات میں برابر برابر ظہور میں آیا۔ بگ بینگ سے پہلے صفر والی حالت تھی۔ پھر اچانک یہ صفر برابر تعداد میں مثبت اور منفی ذرات میں تقسیم ہو گیا۔ یوں منفی اور مثبت کائنات لاوجود سے وجود میں آگئی۔ڈیراق نے مادہ کے منفی اور مثبت جوڑوں کی دریافت پر نوبل انعام حاصل کیا۔

ڈیراق کی اس دریافت کے بعد معلوم ہوا کہ جوڑوں کا یہ قانون ہر مقام پر کام کر رہا ہے۔اگر ایکشن ہے تو ری ایکشن بھی ساتھ ساتھ ہوگا، منفی کے ساتھ مثبت لازمی ہے۔ اگر ایک ستارہ دریافت ہوتا ہے تو اس کا جڑواں بھائی بھی کہیں ہونا چاہیے، ایٹم کے اندر الیکٹران کے ساتھ پروٹون بھی ہوگا قوارق اور لیپٹان کے جوڑے بھی ساتھ ساتھ ہونگے۔انسان کے خون میں سرخ اور سفید خلیات، x اور y کروموسومز، نباتات میں نر اور مادہ (Male and Female) جوڑے ساتھ ساتھ پائے جاتے ہیں۔ غرض جوڑوں میں تخلیق کا نظام سائنس ہر جگہ دیکھ رہی ہے۔لیکن سائنسدانوں کے لئے یہ بات قابل غور ہونی چاہیے کہ جوڑوں کی تخلیق کی بات ڈیراق سے چودہ سو سال پہلے قرآن حکیم ہی نے بتائی تھی۔فرمایا:۔"وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ" (یعنی ہر ایک چیز میں ہم نے جوڑے بنائے شاید تم غور کرو اور نصیحت حاصل کرو (سورۃ الذاریات ، آیت 49) اور پھر سورۃ یٰسین میں فرمایا:

"سُبْحٰنَ الَّذِىْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ

وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَ مِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ O (سورۃ یٰسین، آیت 36) ''پاک ہے وہ ذات جس نے تمام جوڑے بنائے ان چیزوں میں جنہیں زمین اگاتی ہے اور خود ان کی ذات میں اور ان چیزوں میں جنہیں وہ جانتے بھی نہیں''

o انیسویں صدی میں سائنس نے پہاڑوں کے بارے میں معلوم کیا کہ یہ زمین میں گڑے ہوئے ہیں۔ان کی جڑیں ہیں جو ان کی بلندی سے بھی زیادہ گہری ہوسکتی ہیں۔ قرآن مجید نے یہاں بھی سب سے پہلے بتادیا تھا کہ پہاڑ زمین میں کیلوں (Nails) کی طرح گڑے ہوئے ہیں۔فرمایا **اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا o وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا o** (سورۃ النباء، آیات 7-6) ''کیا ہم نے زمین کو مانند فرش اور پہاڑوں کو اس میں مانند کیل نہیں بنایا''۔کیا خوبصورت مثال ہے۔

o بیسویں صدی میں سائنس نے یہ بہت اہم دریافت کی کہ زمین کے اوپر تہہ در تہہ ایک حفاظتی حصار (Protective Layer) ہے جو ہمارے لئے ایک چھت کا درجہ رکھتا ہے۔یہ فضائی چھت آسمانوں کی طرف سے گرنے والے میٹرائٹ (Meteriots) اور خطرناک شعاعوں کو زمین پر پہنچنے سے پہلے ہی روک لیتی ہے۔ یہ چھت سات کرّوں پر مشتمل ہے جن میں اہم ترین ہوائی کرہ، مقناطیسی کرہ، اوزون کرہ، ہیں۔اگر یہ نہ ہوتے تو بیرونی دنیا سے آنے والی خطرناک شعائیں اور ذرات ہمیں بھون کر رکھ دیتے۔سبحان اللہ قرآن کریم نے صدیوں پہلے بتایا **وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا** ج اور ہم نے آسمان مانند ایک محفوظ چھت کے بنایا (سورۃ الانبیاء، آیت 32) اور پھر فرمایا کہ یہ حفاظت سات طبقات میں ہے **وَبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا o** ''اور ہم نے تمہارے اوپر سات نہایت مضبوط (رکاوٹیں/ Barrier) بنائی ہیں۔(سورۃ النباء، آیت 12)۔سوچ کے لئے چیلنج یہ ہے کہ یہ کیسے ممکن ہوا کہ چودہ سو سال پہلے عرب کے صحراؤں میں ایک شخص اُٹھتا ہے اور

کائنات کے بارے میں اتنے بڑے بڑے حقائق بیان کردیتا ہے جن پر صدیوں کی ریسرچ اور لاکھوں سائنسدانوں کی مساعی کے نتیجہ میں اب کسی حد تک انسان نے سمجھا ہے۔ پھر بھی کچھ لوگ کہتے ہیں کہ یہ وحی الٰہی نہیں۔

o حرارت کا دوسرا قانون 2nd Law of Termodynamics سائنس کا بنیادی قانون ہے، جس کا مرکزی نکتہ یہ ہے کہ ہر چیز مسلسل اپنی موت کی طرف بڑھ رہی ہے، نظام (Order) خود بخود بے نظامی (Disorder) میں بدلتا جاتا ہے۔ اگر روکا نہ جائے تو وقت کے ساتھ ساتھ ہر توازن (Stability) فساد (Unstabiliy) کی نظر ہو جائیگا، اگر بیرونی عوامل کی مدد سے اصلاح نہ ہوتی رہے تو ہر چیز اپنی تباہی (Entropy) کی طرف بڑھ رہی ہے۔ یقیناً کائنات کو سمجھنے کے لئے سائنس کی یہ ایک قابل فخر دریافت ہے۔ چونکہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اس لئے حیران نہیں ہونا چاہیے کہ اس میں سائنس سے بہت پہلے دنیا کو بتا دیا گیا تھا کہ ثبات صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کے لئے ہے باقی سب کچھ مٹ جانے والا ہے۔ فرمایا: **كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ** O (سورۃ الرحمٰن، آیت 26) یعنی کائنات میں ہر چیز بلا استشناء فنا ہو جانے والی ہے۔ (**اِلّاماشاالله** مگر جو اللہ تعالیٰ چاہے)۔

پچھلی چند صدیوں سے صنعتی اور سائنسی ترقی کو استعمال کرتے ہوئے یورپی اور امریکی اقوام نے جس بے رحمی سے زمینی ماحول کو نقصان پہنچایا ہے اب اس سے انسان کی اپنی بقاء خطرہ میں پڑ گئی ہے ہزاروں قسم کی نباتاتی اور حیوانی زندگی ناپید ہو چکی ہے ماحول کی اس قدر خرابی کے بعد اب جا کر دنیا میں یہ احساس پیدا ہو رہا ہے کہ زمینی ماحول کو خراب ہونے سے بچایا جائے ورنہ زندگی تباہ ہو کر رہ جائے گی۔ افسوس کہ انسانیت نے قرآن مجید کے اس پیغام کو نظر انداز کر رکھا تھا جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ساڑھے چودہ سو

سال پہلے انسان کو وارننگ (Warning) دی تھی۔ ’’وَلَا تُفۡسِدُوۡا فِی الۡاَرۡضِ بَعۡدَ اِصۡلَاحِهَا ؕ ذٰلِكُمۡ خَيۡرٌ لَّكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ (سورۃ الاعراف، آیت 85) ‘‘۔ ’’اب جبکہ زمین کی اصلاح ہو چکی ہے اس میں فساد برپا نہ کرو یہ تمہارے لئے بہتر ہوگا اگر تم ایمان والے ہو‘‘ یعنی اس کے توازن خراب نہ کرو۔ اسکے ماحول کو پاک صاف رکھو۔ اور یہی حکم سورۃ البقرہ آیت 11، سورۃ الاعراف آیت 56 میں بھی دیا گیا ہے۔ ’’وَلَا تُفۡسِدُوۡا فِی الۡاَرۡضِ بَعۡدَ اِصۡلَاحِهَا وَادۡعُوۡهُ خَوۡفًا وَّطَمَعًا ؕ اِنَّ رَحۡمَتَ اللّٰهِ قَرِيۡبٌ مِّنَ الۡمُحۡسِنِيۡنَ O ‘‘اور زمین میں فساد نہ پھیلاؤ اس کی اصلاح کے بعد اور اس (اللہ) سے دعا کرو ڈرتے ہوئے اور اس کی رحمت طلب کرتے ہوئے۔ بے شک اللہ تعالیٰ کی رحمت نیک کردار لوگوں سے قریب ہے (سورۃ الاعراف، آیت 56)

O سائنس نے پچھلی صدی میں گہرے سمندروں پر تحقیقات کیں تو معلوم ہوا کہ ان کے اندر میٹھے اور کھارے پانی کے دریا، ٹھنڈے اور گرم پانی کی انہار ساتھ ساتھ بہتی ہیں، لیکن پھر بھی جدا جدا ہیں۔ یہ بات سائنسدانوں کے لئے حیران کن ہوگی کہ انکی ان دریافتوں سے بہت پہلے کتاب اللہ میں یہ بتایا جا چکا تھا۔ مَرَجَ الۡبَحۡرَيۡنِ يَلۡتَقِيٰنِ O بَيۡنَهُمَا بَرۡزَخٌ لَّا يَبۡغِيٰنِ O (سورۃ الرحمٰن، آیات 19-20) یعنی (اللہ تعالیٰ نے سمندروں میں) رواں کئے ہیں دو دریا جو پاس پاس ہیں، ان کے درمیان ایک پردہ ہے کہ وہ آپس میں ملتے نہیں۔ (سورۃ الرحمٰن، آیات 19-20)

O کائنات کی رفعت اور لا انتہا کو دیکھتے ہوئے مشہور سائنسدان نیوٹن نے کہا تھا کہ ’’میرا حال اس بچے کا سا ہے جو سمندر کے کنارے ریت کے گھروندے سے کھیل رہا ہے

دریافتوں کے لئے گہرا سمندر میرے سامنے ہے''، قرآن نے صدیوں پہلے بتایا تھا کہ ''اگر زمین میں جتنے درخت ہیں سب قلمیں بن جائیں اور سمندر اس کی سیاہی بن جائیں اور اس کے بعد سمندر اور بھی ہوں تو اللہ تعالیٰ کے کلمات ختم نہ ہوں گے یقیناً اللہ تعالیٰ عزت والا حکمت والا ہے (سورۃ لقمان، آیت 27)۔ قرآن کریم کا یہ اعجاز ہے کہ جب انسان کی فکر بڑی محدود تھی، اس کی دنیا بڑی چھوٹی تھی، پہلی دفعہ اس نے انسانی سوچ کو لامحدود رفعت عطا کی۔ آج سائنس کی لامحدود جستجو اسی کا نتیجہ ہے۔

سوچیئے!

یہ تو چند مثالیں ہیں، ورنہ قرآن کریم میں فطرت کے رازوں سے جو پردہ اٹھایا گیا ہے اس کے بیان کیلئے پوری کتاب چاہیے۔ اس سے بھی حیران کن اور معجز نما تو قرآن کا حسابی نظام ہے جس کی تفصیلات مصنف کی کتاب قرآن ایک سائنسی معجزہ میں دی گئی ہیں۔ عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ قرآن کریم کے حروف، اسکے الفاظ، آیات اور سورتوں کی ترکیب اور ترتیب ایک ایسے حساب کے مطابق ڈیزائن کی گئی ہے جو طاقتور کمپیوٹروں کے لئے بھی مشکل ہے۔ غرض قرآن کریم کے ایک ایک صفحہ پر فطرت کے متعلق ایسی ایسی معلومات ہیں اور ایسا حسابی نظام ہے جو کسی انسان کے بس کی بات نہیں۔ کون سی ایسی سائنس ہے جس کا یہاں ذکر نہیں؟ انسان کی کونسی ضرورت ہے جس کا یہاں احسن ترین حل نہیں دیا گیا؟ قرآن کریم نے انسانی سوچ، معاشرت اور تہذیب کو وہ بلندی دی کہ چند ہی سالوں میں عرب جن کا اقوام عالم میں کوئی مقام نہیں تھا، اس کی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے دنیا کے امام بن گئے اور ایسی تہذیب قائم کی جس کا تاریخ میں جواب نہیں۔ حقوق اللہ، حقوق العباد، اخلاقیات اور اعلیٰ انسانی اقدار پر مبنی ایسا صالح معاشرہ تشکیل دیا جس کی کسی تہذیب میں مثال نہیں ملتی۔ آج دنیا میں جہاں کہیں بھی خیر کا کوئی پہلو نظر آتا ہے، اگر آپ انصاف کی آنکھ سے دیکھیں گے تو اس کا سرچشمہ قرآن کریم کو پائیں گے اور جدھر جدھر شر نظر آتا ہے وہ قرآن سے دوری کی وجہ سے معلوم ہوگا۔

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُھَاo

یہ لوگ قرآن کریم میں کیوں غور وتدبر نہیں کرتے، کیا ان کے دلوں

پر تالے لگ چکے ہیں؟

سوچنے کی بات ہے کہ یہ کیسے ممکن ہوا کہ ساڑھے چودہ سو سال پہلے عرب جیسے پس ماندہ ملک میں ایک ایسا آدمی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جو کوئی کتاب نہیں پڑھ سکتا، جس شہر میں وہ رہتا ہے وہاں جہالت اور بت پرستی کا دور دورہ ہے، جب وہ چالیس سال کی عمر کو پہنچتا ہے تو ایسی ایسی باتیں کرنا شروع کر دیتا ہے جن کی گہرائی تک ماہرینِ عمرانیات، معاشیات، تاریخ دان، حساب دان اور سائنسدان ایک لمبے عرصہ کی تحقیقات کے بعد پہنچے ہیں۔ اس عظیم ہستی نے یہ سب کہاں سے سیکھا؟

جب لوگ اس سے پوچھتے تو وہ صادق الامین شخص (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کہتا کہ میں اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا ہوں، یہ تو میری طرف خالق کائنات کی طرف سے وحی ہوتی ہے۔ میں تو صرف پیغامبر ہوں۔ بے شک کائنات کا رب اپنے بندوں کی رہنمائی کے لئے مسلسل اپنے پیغامبر بھیجتا رہا ہے۔ جب انسانیت اس قابل ہوگئی کہ پیغام کتابی شکل میں محفوظ رہ سکتا تھا تو اس نے تمام نوعِ انسانی کی طرف اپنا آخری رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بھیج دیا۔ اس کی اطاعت رب کی اطاعت ہے اور اس کی دی گئی کتاب حقیقت کا روڈ میپ (Road Map) ہے۔ یہی نجات کا راستہ ہے جو سیدھا جنت کو جاتا ہے۔

بَلَغَ الْعُلٰے بِکَمَا لِہٖ

کَشَفَ الدُّجٰے بِجَمَالِہٖ

حَسُنَتْ جَمِیْعُ خِصَالِہٖ

صَلُّوْا عَلَیْہِ وَآلِہٖ

--------------------☆--------------------

تقدیر اور دعا

دعا تقدیر کو ٹال سکتی ہے اس لئے کہ دعا بھی اس سے کی جاتی ہے جو تقدیر کا مالک ہے، اس کا پابند نہیں۔ اگر وہ چاہے تو آئی ہوئی موت کو بھی ٹال سکتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ سے خوب دعا کرنا چاہیے۔ دراصل دعا بہترین اسباب میں ایک سبب ہے، کوششوں میں سے بہترین کوشش ہے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر مرحلہ پر بہت دعائیں کیا کرتے تھے۔ غزوہ بدر کے دن حملہ سے پہلے سر مبارک سجدہ میں رکھ کر آپ نے اس گریہ وزاری سے دعا کی کہ جسم مبارک کانپ رہا تھا اور چادر مبارک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کندھوں سے نیچے سرک رہی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمانِ عالی شان ہے کہ ہر چیز کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ سے مانگو۔ اللہ تعالیٰ سے مانگتے ہوئے شرم نہ کرو۔ دل کھول کر زیادہ سے زیادہ مانگو۔ وہ ایسا سخی ہے جس کی سخاوت بے انتہا ہے، ایسا مہربان ہے جس کی مہربانی کا کنارہ نہیں، سمیع وبصیر ہے۔ دعائیں سنتا ہے اور قبول کرتا ہے اور دعا کرنے والے بندے کو پسند فرماتا ہے۔

اے اللہ ہمیں صراطِ مستقیم پر رکھ!
اپنے انعام یافتہ بندوں میں شامل فرما۔
زندگی کا سفر آسان کر دے۔
غلطیوں سے درگزر فرما۔
جیسے بھی ٹوٹے پھوٹے اعمال ہیں انہیں قبول کیجیے۔
نفسِ مطمئنہ عطا کر دے۔
اے رب کریم! موت کے بعد ہمارا حشر اپنے خصوصی بندوں کے ساتھ فرمانا
جو آپ سے راضی اور آپ ان سے راضی۔

آمین

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعلٰی
اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَبَارِکۡ وَسَلِّمۡ

-------------------☆-------------------

References

1. Stephen Hawking, "A Brief History of Time", Published by Cox & Wyman Ltd. Reading, Beshkshire 1996.
2. Sultan Bashir-ud-Din, "Mechanics of The Doomsday and Life After Death", Published by Holy Quran Research Foundation. 1987.
3. Siddeeq Ahmed Nagrah, "The Truth", Published by Sang-e-Meel Publications Lahore, 2004.
4. Ivars Peterson, "Newton's Clock Chaos in The Solar System", Published by W.H. Freeman and Company New York, 1993.
5. Paul Davies, "God and The New Physics", Published by Simon & Schuster, Inc. New York.
6. Will Durant, "The Pleasures of Philosophy", Published by Services Books Club, Lahore, 1995.
7. Maryam Jameelah, "Islam in Theory and Practice", Published by Mohammad Yusuf Khan, Sant Nagar, Lahore, 1967.
8. Marcia K. Hermansen, "The Conclusive Argument for God", Published by Islamic Research Institute, Islamabad, 2003.
9. Ken Wilber, "Quantum Questions", Published by Shambhala, Boston, 2001.
10. Dr. Majid Ali Khan, "Islam On Origin and Evolution of Life", Published by Sh. Muhammad Ashraf, Booksellers & Exporters, Lahore-7, 1993.
11. James Trefil, "The Dark Side of The Universe", Published by Charles Scriber's Sons, New York.
12. Stephen Hawking, "Black Holes and Baby Universes and other Essays" Published by Simultaneously in the United State and Canada,
13. Fateh Ullah Khan, "God Universe and Man The Holy

Quran and The Hereafter", Army Education Press, Lahore, 1990.

14. Muhammad Munir, "The Universe Beyond", Printed by "Pangraphics (Pvt.) Ltd., 1994.
15. Khurshid Ahmad, "Islam its Means and Message", Published by "Book Promoters (Pvt.) Ltd., Islamabad 1993
16. Shaikh Abdulkarim Parekh, "Complete Easy Dictionary of the Quran", Published by "A.S.Noordin"
17. Frakn J. Tipler, "The Physics of Immortality", Published by "Doubleday" New York, 1994
18. Michel Schiff, "The Memory of Water", Published by "Thorsons", Harper Collins Publishers, 1994
19. C R Kitchen, "Journeys to the Ends of the Universe", Published Under the Adam Hilger Imprint by IOP Publishing Ltd., 1990
20. Michell J. Sienko, Robert A. Plane, "Chemistry Principles and Applications", Published by "McGraw-Hill International Book Company", 1974.
21. Edited by James L. Gould, Carol Grant Gould, "Life at the Edge", Published by "W.H. Freeman and Company"1989
22. Kurt E. Johnson, "Histology and Embryology", Published by "Wiley Medical"
23. J.Simpkins & J.I.Williams, "Advanced Biology" Published by "Mills & Boon Ltd., 1980.
24. Halliday, Resnick, Walker, "Fundamentals of Physics Extended" Published by "John Wiley & Sons, Inc. 1997.
25. Eric Chaisson, "Universe, an Evolutionary Approach to Astronomy" Published by "Prentice Hall, Englewood cliffs, New Jersey. 1988.
26. Carl Sagan, "Cosmos", Random House, Inc., New York, N.Y.10022. 1980.

27. محمد منیر، ''تخلیق کائنات کا عالمگیر نظریہ'' مقام اشاعت، ''پین گرافکس (پرائیویٹ) لمیٹڈ، اسلام آباد

28. خادم حسین تارڑ، ''روحانیتِ اسلام اور سائنس'' تارڈ پبلی کیشنز، ملتان، 1994

29. ڈاکٹر ہلوک نور باقی (ترکی)، مترجم: سید محمد فیروز شاہ، ''قرآنی آیات اور سائنسی حقائق''، انڈس پبلشنگ کارپوریشن، کراچی، 1996

30. سید محمد ذاکر حسین شاہ سیالوی، ''حقیقت تصوّف''، مطبوعہ: پرزم گرافک اسلام آباد، 2004
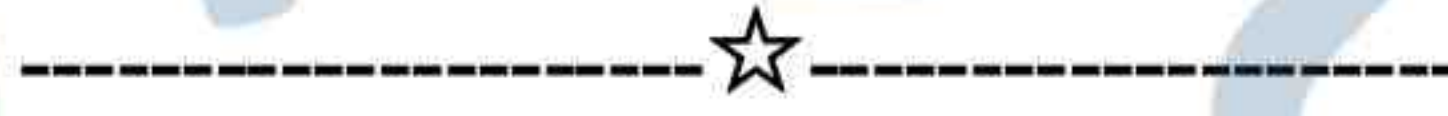
-------------------☆-------------------

مصنف کا تعارف

ہر تعریف اللہ تبارک وتعالیٰ کے لئے ہے، جو تمام عالموں کا رب ہے اور قابل بیان شان صرف خیر الانبیاء، محبوب خالق کون ومکان حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہے۔ میں اپنی تمام تر خامیوں اور لغزشوں کا اعتراف کرتے ہوئے اپنے ذہنی ارتقاء کی کہانی اپنے قارئین کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔ شکر کا مقام ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے مسلمان والدین کے ہاں پیدا کیا اگر ایسا نہ ہوتا تو شاید میں کوئی ہندو، سکھ یا عیسائی ہوتا۔ اس لئے اگر اس عاجز نے کوئی نیکی کی، اسلام کی کوئی خدمت کی تو یہ توفیق خالصتاً اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے تھی اور اس میں ہرگز میرا کوئی کمال نہیں۔ اگر وہ اس کام کا کوئی بدلہ دیتا ہے تو سراسر اس کی شان رحمت ہوگی، ورنہ میرا کوئی حق نہیں۔ جو کمی رہ گئی اسکا میں خود ذمہ دار ہوں اور اپنے مہربان مالک سے معافی کا طلبگار ہوں۔

والد صاحب جن کا نام چودھری محمد شریف خان ہے، راجپوت قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ نے 1947ء میں ہندوستان کے ضلع امرتسر سے جب ہجرت کی تو میں تقریباً چھ سال کا ہوں گا۔ وہ طالب علمی کے زمانہ سے ہی لیڈر تھے اور اصلاح معاشرہ کے لئے ساری عمر کام کرتے رہے اس لئے ان کی آمدنی کم اور خرچ زیادہ، معمول کی بات تھی۔ آٹھویں جماعت تک مجھے روزانہ گاؤں سے چار میل دور پیدل سکول آنا جانا ہوتا تھا اور گرمیوں میں جب ریت میں پاؤں جلتے تو پتے باندھ لیتا۔ ایک دفعہ جب میں نے سائیکل کے لئے بہت اصرار کیا تو والد صاحب نے فیصلہ کن انداز میں کہا ''تم پیدل ہی سکول جاؤ گے، مجھے یہ پسند نہیں کہ تمہیں آرام کی عادت پڑ جائے'' اور واقعی بچپن کی یہ سخت زندگی میرا سرمایہ حیات بن گئی۔ میرے گاؤں کا نام ''لاگر'' (شیخوپورہ) ہے۔ 1950ء کی دہائی میں وہاں زندگی کی کوئی جدید آسائش میسر نہیں تھی۔ رات کو گھر میں مٹی کا دیا جلتا تھا، جس کی روشنی میں والد صاحب دیر تک پڑھنے کی تلقین کرتے اور صبح جلدی اٹھا

دیتے۔ میں جب بھی نیند پوری نہ ہونے کی شکایت کرتا تو کہتے ''تمام بڑے لوگ رات کو دیر تک کام کرتے تھے اور صبح جلدی اٹھنے کے عادی تھے''۔ میرا بچپن یوں ہی گزر گیا۔ یہ ماں باپ کی دعاؤں اور تربیت کا نتیجہ تھا کہ ایک پس ماندہ سکول کا طالبعلم ہونے کے باوجود میٹرک میں اعلیٰ نمبروں پر وظیفہ حاصل کیا۔ گورنمنٹ کالج لاہور سے 1959ء میں پورے پنجاب میں تیسری پوزیشن حاصل کی اور قومی سکالرشپ لیا۔ انجینئرنگ یونیورسٹی لاہور کے آخری سال میں اگرچہ پڑھائی کے دوران ملازمت بھی کرتا تھا پھر بھی الیکٹریکل انجینئرنگ میں یونیورسٹی بھر میں اول پوزیشن حاصل کی۔ ڈگری کے بعد پہلی نوکری واپڈا کی تھی، لیکن مجھے وہاں کا ماحول پسند نہ آیا اور تین ماہ بعد ہی ساڑھے سات ہزار روپیہ بانڈ منی (Bond Money) دے کر اٹامک انرجی کمیشن میں شمولیت کر لی۔ یہیں سے اعلیٰ تعلیم کے لئے انگلینڈ چلا گیا اور ''مانچسٹر یونیورسٹی کالج آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی'' سے نیوکلیئر ری ایکٹرز کنٹرول انجینئرنگ میں ''ایم ایس انجینئرنگ'' کی ڈگری حاصل کی اور مختلف ایٹمی ری ایکٹر پر کام کرنے کا تجربہ حاصل کیا۔ 1965ء میں جب ہندوستان نے پاکستان پر حملہ کر دیا تو پی ایچ۔ ڈی کے پروگرام کو چھوڑ کر وطن عزیز کے لئے کچھ کرنے کے خیال سے پاکستان آ گیا۔ اٹامک انرجی کی پینتیس سال کی ملازمت کے دوران میں بھی وہی بچپن کی محنت رفیقِ کار رہی۔ الحمدللہ ہر روز یہی کوشش رہی ہے کہ آنے والا کل میرے آج سے بہتر ہو اور کسی دباؤ یا لالچ میں آئے بغیر اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے پوری ایمانداری سے کام کیا ہے۔ اس دوران نیوکلیئر انجینئرنگ سے متعلقہ بہت سے مقالہ جات لکھے، کئی ایک ایجادات کیں جن میں سے بعض بین الاقوامی طور پر استعمال ہو رہی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اپنے ملک کی خدمت کے لئے اس نے مجھے کام کے بڑے بڑے مواقع عطاء کئے اور کامیابی بخشی۔ میں نے ہمیشہ خاموشی سے اپنی ذمہ داری کو نبھانے کی کوشش کی ہے۔ اب جبکہ بہت کچھ اخباروں میں چھپ چکا ہے اس لئے بتایا جا سکتا ہے کہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل

تھا کہ صرف 33 سال کی عمر میں نومبر 1974ء میں مجھے پاکستان کے یورینیم کی افزودگی کے پروگرام کا بانی ڈائریکٹر بنایا گیا جسے اب کہوٹہ پراجیکٹ کہتے ہیں اور کامیابی سے اس منصوبہ کو آگے بڑھایا۔ جولائی 1976ء میں جب پراجیکٹ بفضل حق تعالیٰ تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا، تو معلوم نہیں کہ کیوں کچھ چھپے ہاتھوں نے مجھ پر جھوٹے الزامات لگانے شروع کر دیئے، مثلاً یہ کہ میں مرزائی ہوں، جو قطعاً غلط ہے حتیٰ کہ میرے خاندان میں بھی آگے پیچھے کوئی قادیانی نہیں ہے، یا یہ کہ میں نے پراجیکٹ کے لئے کچھ غیر ضروری قسم کا مواد خرید لیا ہے وغیرہ یہ سب جھوٹ تھا بعد میں سب کچھ غلط ثابت ہوا۔ ان حالات میں منیر احمد خان جو اس وقت اٹامک انرجی کمیشن کے چیئرمین تھے، اس خطرہ کے پیش نظر کہ سائنس دانوں کی باہمی چپقلش کی وجہ سے کہیں اس قومی اہمیت کے پراجیکٹ کو نقصان نہ پہنچ جائے، نے ڈاکٹر عبدالقدیر خان کو چارج دلا کر مجھے دوسرے ایٹمی منصوبہ جات پر تبدیل کر دیا، جن میں سے ہر ایک ہماری مطلوبہ ایٹمی منزل تک پہنچنے کے لئے اہم نشان تھا اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ہر جگہ خاطر خواہ کامیابی عطا فرمائی۔

1987ء میں جب اٹامک انرجی کے چیئرمین منیر احمد خان مرحوم نے ایٹمی میدان میں اگلی منزل کا تعین کیا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے پھر ایک موقع عطاء کیا کہ خوشاب ایٹمی ری ایکٹر کو ملکی وسائل سے ڈیزائن کر کے بناؤں۔ یہ ایک انتہائی مشکل کام تھا، لیکن ایسے معلوم ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کے ذریعے ہماری مدد فرمائی اور یوں ایٹمی میدان میں یہ یکتا پراجیکٹ بھی 1997ء میں کامیابی سے پایہ تکمیل کو پہنچ گیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے پاکستان کو ایک زبردست جوہری طاقت بنانے کے لئے یورینیم انرچمنٹ روٹ اور پلوٹونیم روٹ دونوں کے لئے مجھ حقیر سے کام لیا۔ ایک کا آغاز کیا اور دوسرے کو آغاز سے تکمیل تک پہنچایا۔ اس کے بعد میں نے بفضل حق تعالیٰ ایٹمی میدان کی اگلی منازل پر کام شروع کر دیا اور خواہش یہی تھی کہ پاکستان کو اسلام کا ناقابل تسخیر قلعہ بنانے میں مجھ سے جو کچھ بھی ہو سکتا ہے کر گزروں، لیکن اتنے میں امریکہ

کے دباؤ کے تحت CTBT یعنی ایٹمی دھماکوں پر پابندی کے معاہدہ پر دستخط کرنے کی مہم چلی۔ میری دانست میں CTBT کے معاہدہ پر دستخط کرنا بالآخر اپنی ایٹمی صلاحیت کو کھو دینے کے مترادف تھا، اس لئے میں نے یہ ٹھان لی کہ اگر ساری عمر ایٹمی منصوبوں کو بنانے میں لگائی ہے تو اب انشاءاللہ ان کو بچانے میں لگا دوں گا۔ چونکہ کچھ بڑے بڑے ناموں والے سائنسدان، شاید حکومت کے دباؤ کی وجہ سے CTBT کے حق میں بول رہے تھے اس لئے میں نے گورنمنٹ کا ملازم ہونے کے باوجود کھل کر اس کی مخالفت شروع کر دی اور محبِّ وطن قوتیں جو CTBT پر دستخط کرنے کی مخالفت کر رہی تھیں، ان کا بھرپور ساتھ دیا۔ اٹامک انرجی کے بعض اہم لوگ انسانی حسد کی کمزوری کی بنا پر پہلے ہی ایٹمی میدان میں خوشاب کی کامیابی اور مزید آگے بڑھنے والی منصوبہ بندی کی وجہ سے مجھ سے ناراض تھے، اب جب کہ حکومت وقت بھی خلاف ہوگئی تو ان کو مُجھے زچ کرنے کا مزید موقع مل گیا۔ مجھے پراجیکٹس سے علیحدہ کر دیا گیا اور مختلف نوعیت کی بے بنیاد الزام تراشیاں شروع ہوگئیں۔ بالآخر میرے پاس استعفیٰ دینے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا، جسے بخوشی قبول کر لیا گیا۔ یوں ایٹمی میدان میں پاکستان کی مزید ترقی اور دفاع کے لئے کام کرنے کے دروازے مجھ پر بند کر دیئے گئے۔ جس کا مجھے آج بھی دُکھ ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا شُکر ہے کہ پاکستان نے CTBT پر دستخط نہ کئے جو ہماری قوم کی بہت بڑی کامیابی ہے۔

اٹامک انرجی کمیشن سے علیحدگی کے بعد میں کچھ سال لاہور ایک دوست میاں الیاس معراج کے ''حسیب وقاص گروپ آف کمپنیز'' میں ملازمت کرتا رہا لیکن پھر خیال آیا کہ دنیا کیلئے بہت کام کر لیا اب بقیہ زندگی امت مسلمہ کی فلاح کے لئے خرچ کرنا چاہیئے، چنانچہ کئی ایک نہایت قابل، اسلام اور پاکستان سے انتہائی مخلص دوستوں کیساتھ مل کر "اُمّہ تعمیرِ نو" کی تشکیل کی، جس کے سامنے پہلا کام افغانستان کی تعمیر و ترقی میں حصہ لینا تھا، تاکہ وہاں کی اسلامی حکومت کامیاب ہو اور یوں اس مثال سے دیگر ممالک میں بھی لوگ اسلام کے عظیم اصولوں کے مطابق اپنی صنعت

اور معیشت کو ترقی دے کر دنیا کو ایک خوشحال کنبہ بنانے میں مددگار ہوں۔ لیکن ہماری ان کوششوں کو جو خالصتاً اصلاحی اور تعمیری تھیں، امریکہ میں 11 ستمبر (9/11) کے حادثہ کے بعد غلط رنگ دیا گیا کہ سلطان بشیر محمود القاعدہ اور طالبان کو ایٹم بم بنانے میں مدد دے رہا ہے۔ یوں مجھے اور میرے ساتھیوں کو تقریباً دو ماہ کے لئے نظر بند کر دیا گیا۔ اس دوران میں جو کچھ ہوا وہ ایک الگ داستان ہے لیکن جس طرح ہر جگہ مسلمان بھائی بہنوں نے صرف اسلامی جذبہ کے تحت ہمارے لئے دعائیں کیں، وہ ایک ایمان افروز بات ہے۔ اس قید تنہائی میں جو اللہ تعالیٰ اور اسکے دین سے قرب نصیب ہوا اس کے لئے اپنے مالک کا جتنا بھی شکریہ ادا کروں کم ہے۔ اسی دوران میں امریکی صدر کے ایماء پر سیکورٹی کونسل نے "امہ تعمیر نو" کو بند کروا دیا۔ میرے علاوہ میرے قریبی ساتھیوں میں سے ایٹمی انجینئر عبدالمجید صاحب اور نامور صنعت کار محمد طفیل صاحب کے ذاتی اثاثے اور بینک اکاؤنٹ بھی ضبط کر لئے گئے۔ رہائی کے بعد بھی خوف سے لوگوں نے ملنا جلنا چھوڑ دیا، جو ایک طرح سے اللہ تعالیٰ کی رحمت ثابت ہوئی۔ ان حالات میں جس طرح 1976ء میں قرآن پاک کے ذریعے مجھے تقویت بخشی گئی تھی اسی طرح اب بھی وہی نسخہ کارگر ثابت ہوا۔ اللہ تعالیٰ کا شکر کہ اب میں نے قرآن پاک کی تفسیر لکھنے کا کام کرنا شروع کر دیا، جس کا میں اہل نہیں ہوں، لیکن رب تعالیٰ جس سے چاہے ہر کام لے سکتا ہے۔ اب تک سورہ الفاتحہ، سورۃ البقرہ اور سورۃ آل عمران کی 635 صفحات پر مشتمل تفسیر چھپ چکی ہے۔ اسے جو مقبولیت حاصل ہوئی ہے اس کے لئے رب تعالیٰ کا جتنا شکر ادا کروں کم ہے۔

مجھے افسوس ہے کہ میری دینی تعلیم واجبی سی تھی، قرآن پاک بھی باقاعدگی سے نہیں پڑھا تھا۔ جب 1963ء میں انگلینڈ گیا تو وہاں پہلی دفعہ مجھے قرآن حکیم اور مسلم امہ سے صحیح معنوں میں محبت پیدا ہوئی۔ چنانچہ مانچسٹر یونیورسٹی میں مسلم سٹوڈنٹ ایسوسی ایشن کا پہلا جنرل سیکرٹری چنا گیا اور "الاسلام" کے نام سے وہاں ایک رسالہ بھی نکالا۔ میری زندگی کا یہی وہ دور ہے جب میں

نے قرآن الحکیم کو باقاعدگی سے پڑھنا شروع کیا بلکہ اس کا تفصیلی انڈیکس بھی تیار کرنا شروع کیا لیکن جب دیکھا کہ کئی علماء کرام یہ کام پہلے ہی کر چکے ہیں تو میں نے اسے چھوڑ دیا۔ مسلم سٹوڈنٹ ایسوسی ایشن کے فورم سے ہم نے مشہور امریکی مسلمان مالکم ایکس ملک شہباز (شہید) کو دعوت دی اور اس کے علاوہ مشہور نومسلم جناب محمد اسد (مرحوم) سے بھی میری ملاقات ہوئی، کشمیری رہنما شیخ عبداللہ (مرحوم) کو بھی بلایا گیا اور الاخوان کے سید محمد رمضان کو بھی سنا۔ ان سب کی یادیں اب تک ذہن میں باقی ہیں۔ اسی اثناء میں مانچسٹر میں "سنڈے مسلم سکول" کی بھی بنیاد رکھی جو اب باقاعدہ سکول بن چکا ہے۔

1965ء کی پاک بھارت جنگ میرے دل پر بجلی کا سا حملہ تھا۔ اس موقع پر پاکستانی سفارتخانہ کو ایک ہزار پونڈ سے زیادہ چندہ جمع کر کے دیا اور فیصلہ کیا کہ وطن واپس جا کر پاکستان کے دفاع کے لئے کچھ کیا جائے گا۔ نیوکلیئر انجینئرنگ میں اعلیٰ تعلیم اور ٹریننگ کی تکمیل کے بعد اگرچہ ڈاکٹر ایف۔ ڈبلیو۔ واکر جو یونیورسٹی میں میرے سپروائزر تھے، نے بڑا زور لگایا کہ PhD مکمل کرلوں لیکن پاکستان کی محبت میں 1966ء میں واپس وطن آ گیا۔ میری پوسٹنگ لاہور ہوئی اور بڑا مفید کام شروع ہوا لیکن دو سال بعد ہی انگلینڈ کے اٹامک انرجی اتھارٹی کے مشہور ڈیزائن سنٹر رزلے (Rislay) میں نیوکلیئر ری ایکٹروں کے ڈیزائن میں شمولیت کا موقع مل گیا۔ برطانیہ کے اس قیام کے دوران میں اللہ تعالی نے بڑی برکت عطا فرمائی اور صرف ایک سال میں U.K. اٹامک انرجی اتھارٹی جس کا شمار ایٹمی ٹیکنالوجی کے موجدوں میں ہوتا ہے، نیوکلیئر ری ایکٹرز پر میرے گیارہ مقالہ جات چھپے اور تین ایجادات کے پیٹنٹ حاصل کرنے کیلئے درخواستیں دیں جو ان کے نزدیک بھی کسی سائنس دان کے لئے ایک بہت بڑا اعزاز تھا۔ 1969ء کے آخر میں جب واپس آنا چاہا تو ان کا اصرار تھا کہ میں وہیں رک جاؤں لیکن وطن عزیز کی محبت اور خدمت کے سامنے ایسے اعزاز ہیچ ہیں۔ میں نے پختہ ارادہ کرلیا کہ واپس جا کر ڈیزائن انجینئرنگ کی بنیاد

رکھوں گا تا کہ پاکستان میں ایٹمی صلاحیت کو فروغ دیا جا سکے، الوداعی پارٹی میں میرے انگریز ساتھی سائنس دانوں میں سے بعض نے برملا یہ کہا کہ پاکستان میں کام کے مواقع نہ ہونے کی وجہ سے میری صلاحیتیں ضائع ہو جائیں گی، لیکن اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ان کے یہ خدشات غلط ثابت ہوئے۔1971ء کی پاک بھارت جنگ میں، میں نے اپنی خدمات پاکستان آرمی کو پیش کر دیں اور میری سلیکشن بھی ہوگئی۔محاذ پر جانے ہی والا تھا کہ 16 دسمبر 1971ء کا وہ عظیم حادثہ پیش آیا جس پر ہر سچے پاکستانی کا دل آج بھی روتا ہے۔میرے لئے یہ غم نا قابل برداشت تھا۔چنانچہ یحییٰ حکومت جس کی نالائقی سے یہ سب کچھ ہوا، کے خلاف میں نے 18 دسمبر کو سائنسدانوں کے جلوس کی قیادت کی اور یوں ملک میں مارشل لاء حکومت کے خلاف احتجاج کا راستہ کھل گیا۔20 دسمبر 1972 کو جب اس وقت کے صدر ذوالفقار علی بھٹو نے ملتان میں سائنسدانوں کی کانفرنس بلائی تو میں واحد سائنس دان تھا جس نے کھل کر اپنی تقریر میں ایٹم بم بنانے کا مشورہ دیا۔اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ بالآخر 1974 میں یورینیم کی افزودگی کا پروگرام شروع ہوا تو مجھے اس کا بانی ڈائریکٹر ہونے کا اعزاز حاصل ہوا۔

میری زندگی میں 77-1976ء کے سال بڑے ہنگامہ خیز رہے۔جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے اس وقت میں یورینیم افزدگی کے پلانٹ کا پراجیکٹ ڈائریکٹر تھا اور دن رات اس منصوبہ کو آگے بڑھانے کے لئے کام کر رہا تھا۔کامیابی قریب نظر آرہی تھی کہ اچانک مجھ پر قادیانی ہونے کا سراسر جھوٹا اور بے بنیاد الزام لگایا گیا اور میری ٹیکنیکل صلاحیتوں کو بھی شدید تنقید کا نشانہ بنایا گیا اس کے پیچھے حسد تھا یا کچھ اور، معلوم نہیں، لیکن یہ بیان اگست 2005ء کی ہالینڈ کی اخبار میں چھپا ہے، میری مخالفت میں سب سے پیش پیش جو آدمی تھا وہ CIA کا پروردہ تھا۔بہر حال حقائق خواہ کچھ بھی ہوں ان بے بنیاد الزامات کی وجہ سے مجھے پراجیکٹ سے اس وقت علیحدہ ہونا پڑا جب اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہماری دن رات کی محنت رنگ لا رہی تھی۔اس تبدیلی سے مجھے کافی زیادہ ذہنی صدمہ ہوا۔اس کے ساتھ ہی میرے خلاف مختلف قسم کی بے بنیاد تحقیقات کا آغاز شروع ہو

گیا لیکن انہی واقعات نے میری کایا پلٹ کر رکھ دی۔ اسلام آباد کی گھٹن والی فضاء سے نکل کر میں اپنے بیوی بچوں کے ساتھ مری سے آگے خانس پور میں گورنمنٹ ریسٹ ہاؤس میں چلا آیا۔ مصیبت میں اللہ تعالی کے سواء کوئی سہارا نظر نہ آیا اور دل کو صرف قرآن حکیم سے سکون ملا۔

اس حادثہ نے قرآن کریم سے میرا ٹوٹا ہوا رشتہ دوبارہ جوڑ دیا۔ پراجیکٹ کی دن رات کی مصروفیات کی بنا پر مطالعہ بھی بہت کم ہو چکا تھا، مشکل میں اسی سے سہارا ملا۔ کلام اللہ کو پڑھتے وقت اللہ تبارک تعالیٰ نے میرے دل میں یہ بات ڈالی کہ کیوں نہ میں قرآن حکیم پر سائنٹیفک انداز میں کام کروں، چنانچہ میں نے اللہ تعالیٰ کی کتاب کو آیت درآیت سمجھ کر پھر سے پڑھنا شروع کر دیا۔ اس کوشش کے دوران میں پہلی بار مجھے قرآن پاک کی عظمت کا بھرپور اندازہ ہوا اور یہ بھی پتا چلا کہ بہت سے مترجم حضرات اکثر کلام اللہ کے الفاظ کو ایسے معانی پہنا دیتے ہیں جو ان کی دانست میں تو صحیح ہوں گے لیکن بدقسمتی سے قرآن الحکیم کی روح سے وہ دور نکل جاتے ہیں۔ اس سلسلہ میں جب کئی ایک تراجم کا موازنہ کیا گیا تو ان کے درمیان اختلافات کو دیکھ کر یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ قرآن مجید کو اگر سمجھنا ہے تو کلام اللہ کے عربی الفاظ کے معنی پر ڈٹ جاؤ اور اگر کسی عربی لفظ کے ایک سے زیادہ معنی ہیں تو وہ سب اپنے اپنے تناظر میں بھی ٹھیک ہوں گے، اس لئے کہ علیم العزیز الحکیم جس نے یہ کتاب نازل کی ہے وہ سب معنوں کو خوب جانتا ہے۔ چنانچہ جب میں نے کلام اللہ کو سمجھنے کے لئے یہ اصول اپنایا تو مجھے اس عظیم کتاب میں بیشمار رموز اور نئے حقائق نظر آنے شروع ہوئے جو تراجموں کے غلاف میں چھپے ہوئے تھے۔ پہلی دفعہ صحیح معنوں میں احساس ہوا کہ واقعی اللہ تعالیٰ کی کتاب تمام علوم کے لئے ام الکتاب ہے اور جو سائنس کی انتہاء ہے وہ دراصل قرآن کریم کی ابتداء ہے۔

میں نے عرض کیا ہے کہ قرآن کریم اور اسلام کے متعلق میری تعلیم نہ ہونے کے برابر تھی۔ عربی زبان سے بھی واقفیت نہیں تھی لیکن میں نے دیکھا کہ جب بندہ خلوص دل سے اللہ تعالیٰ کے کلام کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے قلب کو کھول دیتا ہے۔ الحمدللہ مجھ پر بھی قرآن

کریم کے رموز واضح ہونا شروع ہوئے اور اس کی روح سمجھ آنے لگی اور آج میں اسلام پر مقبولِ عام بیس سے زائد کتابیں لکھ چکا ہوں۔ اسی دوران میں مجھ پر یہ بھی آشکارا ہوا کہ فی زمانہ خط و کتابت اور لٹریچر کے ذریعے اسلام کی بہترین خدمت ہو سکتی ہے اور چاہے تو میرے جیسا ایک عام آدمی بھی اپنے گھر میں بیٹھے دور دور اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا سکتا ہے، اس کے لئے وہی طریقہ جو چھ ہجری میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عالمی دعوت کے لئے اپنایا تھا، اس دور میں ہمیں بھی اپنانا چاہئے۔

اس ضمن میں مندرجہ ذیل ترجیحات صحیح معلوم ہوئیں۔

1۔ مسلمانوں کی زندگی کا مقصد دُنیا پر اپنے رب کی کبریائی کو ثابت کرنا ہے۔ یہ مسلمانوں پر دیگر اقوام کا حق ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس کو خود سمجھنا اور دوسروں کو سمجھانا ہماری اولین ترجیح ہونا چاہیے۔

2۔ قرآنِ مجید زندگی کا روڈ میپ ہے۔ صاحبِ قرآن صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سُنت پر عمل کئے بغیر اسکی روح کو نہیں پایا جا سکتا، اس لئے اس نظریہ کے تحت سیرت طیبہ کے فروغ میں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اصل رہنماء اور انسانیت کا عظیم ترین ہیرو ماننے اور دوسروں سے منوانے میں ہمارے دلوں کا سکون مُضمر ہونا چاہیے۔

3۔ دین کی بنیاد حیات بعد الموت اور وہاں کی جزاء و سزا پر پختہ ایمان میں ہے۔ اس لئے دُنیا پر حیات بعد الموت کی حقیقت کو واضح کرنا ہمارے اوپر فرضِ عین ہے۔ اس کے بغیر دین بے معنی ہے اور انسانیت کی فلاح بھی اسی حقیقت پر پختہ اعتقاد میں ہے۔

4۔ قرآن الحکیم اور سنت نبوی کو جدید علوم کی روشنی میں پیش کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔ دُنیا دلیل مانگتی ہے اس لئے سائنس کی مدد سے قرآنِ کریم کو سمجھنا اور سمجھانا ضروری ہے۔ ہمیں یہ ثابت کرنا ہے کہ بے شک دونوں جہانوں میں یہ کامیابی اور فلاح کا بہترین ہدایت نامہ (Manual) ہیں۔

5۔ ایک انسان کا دوسرے پر یہ حق ہے کہ وہ اسے دوزخ کی آگ سے بچائے۔ مسلمان پر

یہ فرض ہے کہ جہنم کی طرف بڑھتے ہوئے انسانوں کے سیلاب کے آگے بند باندھے

اور دُنیا پر خلافتِ الٰہیہ کے شاندار نظام کو واضح کرے۔

الحمد لله ! 1986 میں اس کام کو باقاعدہ طور پر کرنے کیلئے قرآن الحکیم ریسرچ فاؤنڈیشن کی بنیاد رکھی گئی جس کے پلیٹ فارم سے کافی مفید کام ہوتے رہے ہیں۔ چنانچہ میری پہلی کتاب Doomsday and Life After Death جو اس موضوع پر ایک نہایت مفید کاوش ثابت ہوئی ہے، 1987 میں چھپی اور اس کا بڑا خیر مقدم ہوا۔ اس سلسلہ کو آگے بڑھانے کے لئے 1991 میں ''قرآن الحکیم اکیسویں صدی میں'' کے موضوع پر سیمینار کرایا گیا تاکہ آنے والی صدی کو اسلام کی صدی بنایا جاسکے۔ اگرچہ قرآن الحکیم ریسرچ فاؤنڈیشن ایک چھوٹا سا ادارہ ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے اثرات کو دور دور پھیلا دیا ہے۔ اس سارے کام کو بین الاقوامی طور پر جو اہمیت حاصل ہوئی ہے اس کا ایک ثبوت یہ ہے کہ جولائی 1996 میں امریکہ کے مشہور ادارے ''امریکن بائیوگرافیکل انسٹیٹیوٹ'' (American Biographical Institute) نے قرآن الحکیم فاؤنڈیشن اور اس کے واسطے سے مجھے بھی 1986 سے 1996 تک کے ان اداروں اور لوگوں میں شامل کیا ہے، جن کے کام سے دنیا پر بہتر اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ اس طرح سوڈان میں 1993 میں قائم ہونے والے انٹرنیشنل انسٹیٹیوٹ فار ریسرچ انٹو فیتھ (International Institute of Research into Faith) کا ٹرسٹی ہونے کا اعزاز بھی ملا۔ سائنس اور انجینئرنگ کے شعبہ میں میری خدمات کو سراہتے ہوئے 1991 میں پاکستان اکیڈمی آف سائنسز نے گولڈ میڈل کا اعزاز دیا اور صدر پاکستان نے ستارہ امتیاز عطا کیا۔

دین کے اس کام کے ساتھ ساتھ اٹامک انرجی کے منصوبہ جات پر بھی کام ہوتا رہا۔ کچھ اعلیٰ افسروں کا خیال تھا کہ اسلام کے لئے میری ان کاوشوں کے نتیجہ میں سرکاری کام میں ہرج ہوگا، اس لئے اسے پسندیدگی کی نگاہ سے نہ دیکھا گیا، لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں غلط ثابت کیا اور میرے ہاتھوں سے، ریکارڈ وقت میں، بہت سے کام پایہ تکمیل کو پہنچائے جو اس بات کا ثبوت ہیں کہ جب

بندہ اللہ تعالیٰ کا کام کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا کام کرنے لگ جاتا ہے۔ بھلا جس کے ساتھ کون ومکان کا مالک ہو جائے اسکی رفتار اور استطاعت کا کیا کہنا۔ چنانچہ انہی سالوں میں اس غرض سے کہ ایٹمی منصوبہ جات کو پاکستان میں فروغ پانا چاہیے میں نے بذات خود کم وبیش 350 کے قریب پاکستان کے صنعتی اداروں کا معائنہ کیا، ان پر کتابیں لکھیں اور بتایا کہ پاکستان میں کیا کیا ہوسکتا ہے یعنی بحیثیت مجموعی ہمارا ملک ایک عظیم ورکشاپ ہے اور اگر اس کے ذرائع کو استعمال کیا جائے تو سب کچھ کرنا ممکن ہوسکتا ہے۔ اسکے ساتھ ساتھ 1981 میں، میں نے پہلی دفعہ پاکستان میں کوالٹی اشورنس (Quality Assurance) کی بنیاد رکھی اور انڈسٹری کے لوگوں کی کوالٹی میں ٹریننگ کے لئے سکول قائم کیے۔ اسکے علاوہ ملکی طور پر نیوکلیر ری ایکٹر بنانے کے لئے مکمل منصوبہ بندی کی گئی۔ لاہور میں پاکستان کا پہلا ایسا ایٹمی پلانٹ لگایا جسکی مدد سے دوائیوں اور میڈیکل سامان میں ایٹمی شعاؤں کی مدد سے جراثیم کشی کی جاتی ہے، اسکے علاوہ پاکستان کو یورینیم کی صنعت میں خود انحصاری کے پراجیکٹوں کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ چشمہ نیوکلیر پاور پلانٹ کے لئے پاکستان سے بننے والے حصوں کی نشاندہی کی گئی، اور پاکستان میں ایٹمی ایندھن بنانے والے منصوبے کو مکمل کیا یہ تمام منصوبے اپنی اپنی جگہ پر اہم تھے لیکن اہم ترین پراجیکٹ خوشاب جیسے غیر معمولی نیوکلیئر ری ایکٹر کو خود انحصاری کے اصول پر پاکستان کے ذرائع سے، بنانا تھا۔ مجھے یہ بتانے میں ایک روحانی خوشی ہوتی ہے کہ ان تمام بنیادی منصوبوں کی تکمیل میں میں قرآن کریم اور صاحب قرآن کی زندگی سے رہنمائی حاصل کرتا رہا نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتظامی طریقوں کو اپنایا۔ غرض میں تمام تر ذمہ داری سے کہوں گا جو کچھ بھی کامیابی ہوئی وہ انہی کی مرہون منت ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جب بھی کوئی آدمی اپنی زندگی کا مقصد، اللہ تبارک وتعالیٰ کا نام بلند کرنا، بنا لیتا ہے اور سچے دل سے کہتا ہے کہ "میری نماز، قربانی، جینا، مرنا سب رب العالمین کے لئے ہے" تو وہ ذات پاک اس آدمی کے وقت، رزق اور اولاد میں برکت عطا فرما دیتی ہے اور اس کے مسائل کو خود حل کرتی ہے۔ رب العالمین کی اس رحمت اور برکت کا میرے جیسا نکما آدمی بھی

گواہ ہے۔کیا یہ ثبوت کافی نہیں کہ پاکستان جس کی صنعتی ترقی واجبی سی ہے اور کوالٹی سٹینڈرڈ بھی معمولی ہے، اس کے ساتھ پاکستان اٹامک انرجی کمیشن نے خودانحصاری کے اصول پر ریکارڈ وقت میں بہت کم خرچ سے ایسے ایسے جوہری پراجیکٹ لگائے کہ آج الحمدللہ پاکستان دنیا کی ساتویں ایٹمی طاقت ہے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ ذاتی حیثیت میں مجھ پر یہ بھی اسی کا فضل ہے کہ دن رات کی سرکاری مصروفیات کے باوجود مجھے دین کے لئے کام کرنے، کتابیں لکھنے اور اس کام کو آگے بڑھانے کے لئے بہت سا وقت ملتا رہا، اس کا مطلب یہی ہے کہ جو کوئی بھی اسلام کے لئے کام کرے گا تو عزیز الحکیم، غفور الرحیم اللہ تعالیٰ دنیا کے تمام شعبے اس کے لئے آسان کردے گا، اس کے ذرائع میں برکت ڈال دے گا، اس کی اولاد اور دوستوں کو اس کے لئے باعث رحمت بنادے گا اور اگر کبھی توقعات کے خلاف بھی کام ہوگا تو اس میں بھی اگر ہم سمجھیں تو فوائد ہی فوائد ہوں گے۔

میرے لئے یہ بات بھی بہت خوشی کی ہے کہ مجھے حبیب اللہ فخر موجوادت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ پر لکھنے کی توفیق ہوئی اور یوں یہ حقیر بندہ سیرت نگاروں میں شامل کرلیا گیا۔ اس کتاب کا نام بزبان انگریزی First and The Last ہے جو بفضل حق تعالیٰ مقبولیت حاصل کررہی ہے۔ حضرت پیر مہر علی شاہ رحمتہ اللہ علیہ کے مطابق میری زندگی بھی حضور رحمت للعلمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کرم کی مرہون منت ہے اور میں بھی ان کی طرح کہتا ہوں۔

کتھے مہر علی، کتھے تیری ثنا

گستاخ اکھیں کتھے جا اڑیاں

اس تعارف کا اختتام میں اپنے ہی چند ٹوٹے پھوٹے شعری جملوں پر کرتا ہوں۔ دعا ہے کہ ان کے مصداق بن جاؤں۔

ظاہر دیکھا، باطن دیکھا

اول دیکھا، آخر دیکھا

جس شے کو بھی میں نے دیکھا

اس شے میں تجھ کو ہی پایا

ہر جا ہر سو ہے تو ہی تو
ہونا تھا یا انہونا تھا
تھا سمندر یا قطرہ تھا
جنگل تھا کہ وہ پتہ تھا
سورج تھا کہ وہ ذرہ تھا
یہی کچھ یاد ہے ، ہر جا تو ہی تو ، ہر سُو تو ہی تو
یہ سب تیرے امر کا مظہر تھا
تیرے کرم کا ثمر تھا
تیرے حُسن کا منظر تھا
تیرے رحم کا ابَر تھا
ہر جا تو ہی تو ، ہر سُو تو ہی تو ، تو ہی تو
تجسس کے اس عالم میں ، ایک رہبر دیکھا
روشن چہرہ کہتے تھے جسے مصطفیٰ
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
ایک نوری قلم سے ، اپنے ہاتھوں سے
وہ لکھتا جاتا تھا ، لکھتا جاتا تھا
ہرشے پر اللہ اللہ اللہ.............. اللہ اللہ اللہ
اسکے روشن قدموں کے پیچھے پیچھے
میں چلتا رہا ، میں چلتا رہا ، میں چلتا رہا

سلطان بشیر محمود (ستارہ امتیاز)

------------------☆------------------